BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH
UNIVERSITY OF KARACHI

CERTIFICATE

I have gone through the thesis titled "نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل"

submitted by ~~Dr.~~/ Mr./ ~~Mrs.~~/ ~~Miss~~ Syed Sajjad Haider for the award of ~~M.Phil.~~/Ph.D. degree and certify that to the best of my knowledge it contains no plagiarized material.

Signature & Seal of Supervisor

Name: DR. ABDUL RASHID
Prof. Meritorious.

Department: Qur'an-o-Sunnah

Date: April 26, 2013

BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH
University of Karachi

DECLARATION

I, Syed Sajjad Haider s/o,d/o Syed Wasi Haider

hereby declare that no part of the work presented by me has been plagiarized from anywhere. Proper references are cited wherever necessary.

I understand that the university reserves the right to cancel the degree if any of the above declaration is proved false before or even after the award of degree.

Signature of the candidate: [signature]

Name of the candidate: Syed Sajjad Haider

Title of the thesis: "نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل"

Degree: Ph.D

Department/Subject: Usul-ud-din

Date: 26-04-2013

بسم الله الرحمن الرحیم

”نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل“

مقالہ

برائے پی۔ایچ۔ڈی

مقالہ نگار:۔ سید سجاد حیدر

نگرانِ مقالہ:۔ ڈاکٹر عبدالرشید (ستارہ امتیاز)

Prof: Meritorious

شعبہ اصول الدین۔ جامعہ کراچی

اپریل 2013

فہرست ابواب

نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل

مقدمہ

نہج البلاغہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے خطبات، مکتوبات اور کلماتِ القصار کا وہ علمی و ادبی مجموعہ ہے جسے شریف رضی نے تالیف کیا اور معارف اسلامیہ کے اس سرمائے کو ہر خاص و عام کے استفادہ کے لئے تحریر کیا۔ نہج البلاغہ جس کے نام سے ظاہر ہے کہ فصاحت و بلاغت کا واضح اور روشن راستہ۔ راہ ہدایت کے متلاشی افراد کے لئے مشعل راہ ہے جس میں عقائد اسلامیہ، فروع دین، اخلاقیات، تقویٰ و پرہیزگاری کے اصول، اسلامی معاشرے کی تشکیل کے خدوخال کائنات کی خلقت، انسان کی فضیلت، انبیا و آئمہ کی ہدایت، آداب حرب، حقوق اللہ و حقوق العباد، دنیا و آخرت کی حقیقت، اسلام کی اعلیٰ اقدار، عدل و انصاف کا قیام، علم و عمل کی اہمیت، سیرتِ انبیا و اوصیا، انسانی شرف کی اعلیٰ صفات، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تاکید، خلاصہ یہ کہ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس کا اس کتاب بلیغ میں احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ جس طرح حضرت علیؑ، رسول خداؐ کے نائب تھے اسی طرح نہج البلاغہ کو قرآن کا نائب قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ نہج البلاغہ قرآن مجید ہی کی تفسیر ہے اور احادیثِ نبویؐ کی تشریح ہے کیونکہ کلام امام، امام کلام ہوتا ہے لہٰذا اس کتاب کی فصاحت و بلاغت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کلام کسی غیر معصوم کا نہیں ہوسکتا اور کیوں نہ ہو نمائندہ رب، افصح العرب لسان وحی کو چوس کر اور آغوش رسالت میں پروان چڑھنے والے علی ابن ابیطالبؑ کے کلام بلاغت کا مطالعہ کر کے حضور اکرمؐ کی فصیح لسانی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب شاگرد کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے تو استاد کی بلاغت کلام کا کیا حال ہوگا۔ جب وصی کا علم و معرفت اتنا وسیع ہے تو خود نبیؐ انور کے علم و فضل کا کیا مقام ہوگا جب در حکمت کا یہ مرتبہ ہے تو دار حکمت کا کیا رتبہ ہوگا جب علم کے شہر کے دروازے کی یہ فضیلت ہے تو شہر علم کے علمی بحر کا کیا عالم ہوگا۔ پیغمبر کی احادیث اور فرامین مختصر اور جامع ہیں لیکن علم کا بحر بے کراں لئے ہوتے ہیں چنانچہ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا:

"اوتیت جوامع الکلم"

ترجمہ: مجھے (مختصر اور) جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔

حضرت علیؑ کا یہ عظیم علمی شاہکار اسلامی تعلیمات کا ایک انمول خزانہ ہے مولف فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ بلاغت کا مخرج و منبع تھے آپ ایک قادر الکلام خطیب اور الٰہی صفات کے متکلم ہی نہیں بلکہ علم و دانش کا بحر بے کراں

تھے۔ آپؑ ہی سے لوگوں نے کلام کے اصول وقواعد وضوابط سیکھے ہر متکلم اور خطیب نے آپؑ کے کلام سے مدد لی آپ کے کلام میں ایسے حسن اسلوب کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے دل ودماغ پر سحر طاری ہوجاتا ہے آپ کے کلام میں کلامِ الٰہی کا جمال اور کلام نبویؐ کا کمال ہے۔

الفاظ میں چمک دمک، عظمت، متانت، سلامت حلاوت، طاقت، رقت الفاظ کا انتخاب یہ بتاتا ہے کہ یہ کلام کسی عام انسان کا نہیں ہے۔ اگر معانی پر غور کریں تو اس کی منزلت بہت عظیم اس کی گہرائی بہت عمیق ہے۔ مخفی رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے، پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ نہج البلاغہ کا اگر بغور اور تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں رہنمائی نہ کی گئی ہو، خواہ دنیاوی امور ہوں یا اخروی معاشرتی حوالے سے کوئی ایسا پہلو نہیں جس کو اجاگر نہ کیا گیا ہو۔

نہج البلاغہ کی اسناد کے بارے میں جمہور علما کا اتفاق ہے کہ سید رضی نے جو حضرت کے خطبات، مکتوبات اور کلماتِ قصار کو جمع کیا ہے وہ حضرت علیؑ کے کلمات ہیں اس کی فصاحت اور بلاغت سے یہ انداز ہوتا ہے کہ یہ جملے باب مدینۃ العلم کی زبان سے جاری ہوئے ہیں۔

حقیقت پسند علما ومحققین بلاتفریق مذہب وملت نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امیر المومنینؑ مانتے رہے اور اس کا اظہار کرتے رہے۔ علامہ سید علی نقی نقوی صاحب نے اپنے مقدمہ نہج البلاغہ میں جن علما کے نام نقل کئے ہیں سند کے طور پر درج ذیل میں ان چند علما کی آرا پیش خدمت ہیں۔

۱۔ علامہ شیخ کمال الدین محمد ابن طلحہ قریشی متوفی ۶۵۲ھ اپنی کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول میں لکھتے ہیں:

> ''چوتھے علم فصاحت و بلاغت آپ اس میں امام کا درجہ رکھتے تھے جن کے گرد قدم تک بھی پہنچنا ناممکن ہے اور ایسے پیش رو تھے جن کے نشان قدم کا مقابلہ نہیں ہوسکتا اور جو حضرت کے اس کلام پر مطلع ہو جو نہج البلاغہ کے نام سے موجود ہے اس کے لئے آپ کی فصاحت کی سماعی خبر مشاہدہ بن جاتی ہے اور آپ کی بلندی کا مرتبہ اس باب میں گمان یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے''

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''پانچویں قسم ان خطب اور مواعظ کی شکل میں ہے جس کو راویوں نے بیان کیا ہے اور ثقات نے حضرت

سے ان کو نقل کیا ہے اور نہج البلاغہ کتاب جس کی نسبت حضرت کی طرف کی جاتی ہے وہ آپ کے مختلف قسم کے خطبوں اور موعظوں پر مشتمل ہے جو اپنے اوامر ونواہی کو مکمل طور پر ظاہر کرتے اور فصاحت و بلاغت کے انوار کو اپنے الفاظ و معانی سے تابندہ شکل میں نمودار کرتے اور فن معانی و بیان کے اصول اور اسرار کو اپنے مختلف اندازِ بیان میں ہمہ گیر صورت سے ظاہر کرتے ہیں۔''

۲۔ علامہ ابو حامد عبد الحمید ابن ہبۃ اللہ المعروف ابن الحدید مدائنی بغدادی متوفی ۶۵۵ھ جنہوں نے مبسوط شرح نہج البلاغہ لکھی فرماتے ہیں۔

''فصاحت کی آپ کا یہ عالم تھا کہ آپؑ فصحا کے امام اور اہلِ بلاغت کے سرگردہ ہیں، آپؑ ہی کے کلام کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ وہ خالق کلام کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے اور آپؑ ہی سے دنیا نے خطابت و بلاغت کے فن کو سیکھا''

۳۔ ابوالسعادات مبارک مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ نے اپنی مشہور کتاب ''النہایہ'' میں جو احادیث و آثار کے لغات کی شرح کے موضوع پر ہے۔ کثیر التعداد مقامات پر نہج البلاغہ کے الفاظ کو حل کیا ہے۔

۴۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ''شرح مقاصد'' میں لکھتے ہیں۔

''حضرت سب سے زیادہ فصیح اللسان بھی تھے جس کی گواہی کتاب نہج البلاغہ دے رہی ہے''

۵۔ جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ انہوں نے بھی نہایہ کی طرح اپنی عظیم الشان کتاب ''لسان العرب'' میں مندرجہ ذیل الفاظ کو کلام علی کہتے ہوئے حل کیا ہے۔

۶۔ علامہ علاالدین قوشجی متوفی ۸۷۵ھ شرح تجرید میں قول محقق طوسی ''افصحهم لسانا'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جس کی شاہد ہے۔ آپ کی کتاب نہج البلاغہ اور اہل بلاغت کا قول ہے کہ آپ کا کلام حالق کے نیچے اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے''۔

۷۔ محمد بن علی بن طباطبا معرف بہ ابن طقطقی اپنی کتاب ''تاریخ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ'' مطبوعہ مصر صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں:

''بہت سے لوگوں نے کتاب نہج البلاغہ کی طرف توجہ کی جو امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ کا کلام ہے کیونکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس سے حکم اور مواعظ اور توحید اور زہد اور

علو ہمت، ان تمام باتوں کی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور اس کا سب سے ادنیٰ فیض فصاحت و بلاغت ہے۔"

۸۔ علامہ محدث ملا طاہر فتنی گجراتی نے بھی مجمع بحار الانوار اور نہایہ کی طرح احادیث و آثار کے لغات ہی کی شرح میں لکھی اور الفاظ نہج البلاغہ کو کلام امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی شرح لکھی ہے۔

۹۔ علامہ احمد بن منصور کارزونی اپنی کتاب مفتاح الفتوح میں امیر المومنینؑ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"جو حضرت کے کلام اور خطوط اور خطبوں اور تحریروں پر غور کی نگاہ ڈالے اسے معلوم ہوگا کہ حضرت کا علم کسی دوسرے کی علم کی طرح اور فضائل پیغمبرؐ کے بعد کسی دوسرے کے فضائل سے نہیں تھے اور انہیں میں سے کتاب نہج البلاغہ ہے:

۱۰۔ علامہ یعقوب لاہوری شرح تہذیب الاسلام میں افصح کی شرح میں لکھتے ہیں جو شخص آپ کی فصاحت کو دیکھنا اور آپ کی بلاغت کو سننا چاہتا ہو وہ نہج البلاغہ پر نظر کرے۔

۱۱۔ مفتی دیار مصر علامہ شیخ محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ جن کی اس سعی جمیل کے مشکور ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے مصر اور بیروت وغیرہ کے اہل سنت کے علمی مرکزوں کو نہج البلاغہ کے فیوض سے بہرہ مند بنانے کا سامان کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کے سبب سے جلیل القدر کتاب کا تعارف ہو سکا انہوں نے نہج البلاغہ کو اپنے تفسیری حواشی کے ساتھ مصر میں چھپوایا۔

علامہ محمد عبد نہج البلاغہ سے اتنی عقیدت رکھتے تھے کہ وہ اسے قرآن مجید کے بعد ہر کتاب کے مقابلہ میں ترجیح کا مستحق سمجھتے تھے اور انہوں نے اپنا یہ اعتقاد بتایا ہے کہ جامع اسلامیہ میں اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہونا اسلام کی ایک صحیح خدمت ہے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ امیر المومنینؑ ایسے بلند مرتبہ مصلح عالم کا کلام ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اس عربی زبان والوں میں کوئی ایسا نہیں جو اس کا قائل نہ ہو کہ امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کا کلام کلامِ خدا و کلامِ رسولؐ کے بعد ہر کلام سے بلند تر معانی اور زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ لہٰذا زبانِ عربی کے نفس ذخیروں کے طلاب کے لئے یہ کتاب سب سے زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے اپنے محفوظات اور منقولات میں اہم درجہ پر رکھیں اور اس کے ساتھ ان معانی و مقاصد کے سمجھنے کی

کوشش کریں جو اس کتاب کے الفاظ میں مضمر ہیں۔

''نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر عاضر کے مسائل کا حل کے عنوان سے اس مقالے کے تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے کیونکہ ہمارا یہ موجودہ معاشرہ جو ایک زوال پذیر معاشرہ ہے خاص طور پر ہمارا مسلمان معاشرہ جو انحطاط کا شکار ہے ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے جیسا ہمیں ہونا چاہئے جس طرح ہمارے بزرگوں اور اسلاف کی زندگی تھی ہمارے انبیا ومرسلین وآئمہ طاہرین اولیا اکرام کی زندگی تھی۔ ہمارے انبیا ومرسلین وآئمہ طاہرین اولیا کرام کی زندگی معاشرتی زندگی نظام جس کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے معاشرتی زندگی کے وہ اصول جو ہم بھول چکے ہیں انہیں ترک کر چکے ہیں انہیں دوبارہ یاد دلانا ہے ان پہلوؤں کا شعور بیدار کرنا ہے جس پر آشوب زمانے کی گرد پڑ چکی ہے۔

انسان کی حقیقت کے دو رخ ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اگر موجودہ معاشرہ کے انسانوں کا ظاہری مشاہدہ کیا جائے تو بہت بھیانک اور مایوس کن کردار ہے اس کے چہرے کا ظاہری حصہ باہمی اختلافات، جنگ و جدال، خون ریزی، عدم تعاون، اسلحہ سازی، مہلک ہتھیاروں، جنگی جہازوں، ایٹمی ٹیکنالوجی، میزائل کی تیاری، مخرب الاخلاق فلمیں، ڈرامے، بے راہ روی، مذہب سے دوری، اغیار کی ثقافت، ڈش، انٹرنیٹ، موبائل فونز کی تباہ کاریاں، نوجوان نسل کی گمراہی، بزرگوں کی عدم توجہی، خواتین کا فسق و فجور میں مبتلا ہونا، جوانوں کا فاسد ہونا، تربیت اولاد کا فقدان یہ وہ معاشرتی حقائق ہیں جن کا کوئی بھی صاحبِ عقل منکر نہیں ہوسکتا۔

ہم اپنی نوجوان نسل کے مستقبل سے مایوس تو نہیں، ہاں خوفزدہ ضرور ہیں کہ اگر غیر ملکی ثقافتی یلغار، غیر مسلموں کی تہذیب وتمدن، اسی طرح ہمارے ملک میں مختلف عنوان سے داخل ہوتا رہا اور ہم اپنی آنکھیں ان خرافات سے بند کرلیں اور خاموش رہیں تو شاید ہماری تہذیب اور تمدن اسی دور جاہلیت کا نمونہ پیش کر رہا ہوگا کہ جس معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق پامال کئے جاتے تھے۔ دولت مند غریب کا حق، غصب کرتا تھا طاقتور کمزور پر ظلم کرتا تھا عورتوں کی کوئی عزت وتوقیر نہیں تھی۔ موجودہ دور میں جتنے ترقی یافتہ یا ترقی پذیر کی ممالک ہیں وہاں دوہرا نظام ہے۔ غریب، امیر کو غلام بنائے ہوئے ہے، طاقتور کمزور کو دبائے ہوئے ہے۔ عورتوں کو آزادی کے نام پر فحاشی اور نیم برہنہ تہذیب، میں مبتلا کیا ہوا ہے۔

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس کا نظام انسان کے فطری وجبلی اصولوں پر قائم ہے یہ مادی ترقی دراصل انسان کی تنزلی ہے۔ اگرچہ قرآن واحادیث کے مطابق انسان مادی لحاظ سے خوب ترقی کرے گا اس

کے علوم میں اضافہ ہوگا ایجادات میں کمال حاصل کرے گا۔ مختلف قیمتی معدنیات کی دریافت کرے گا۔ سائنس کے ہر میدان میں ترقی کرے گا۔ ماضی کا وہ انسان جنگلوں اور پہاڑوں اور غاروں میں زندگی بسر کرتا تھا آج فلک بوس عمارتوں کا معمار ہے۔ وہ انسان جو حیوانات کے ذریعے سفر کرتا تھا آج اپنے بنائے ہوئے جہاز اور راکٹ استعمال کررہا ہے۔ جس میں جانوروں کو مطیع بنایا ہوا تھا آج فضاؤں اور خلاؤں اور کہکشان کو مسخر کررہا ہے۔ پتھروں کے ہتھیار کا خالق آج باروی اسلحہ لے کر ایٹمی ہتھیار تک بنا چکا ہے۔ لیکن یہ مادی ارتقا انسان کو روحانی ترقی نہیں دے سکتا ہے۔ جس قدر انسان سائنسی ترقی کررہا ہے وہ روحانی تنزلی کا شکار ہورہا ہے۔ یہ ترقی خود انسان ہی کے لئے خطرہ بن گئی ہے جہاں اس ترقی نے انسان کے لئے فوائد ہیں۔ ورنہ دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے وہ انسان کی مادی زندگی خطرے میں پڑ چکی ہے۔

انسان کی اس کی اپنی حقیقت کیا ہے اس سے اس کو آگاہ کرنا ہمارا مقصود ہے، ہم انسان کے مستقبل سے ناامید نہیں ہیں اس لئے کہ ہر انسان کا ظاہری چہرہ ہونے کے ساتھ باطنی چہرہ بھی ہے جو اس کو اندھیرے سے روشنی میں لے آئے گا اور انسان اپنی اصل کی طرف ضرور پلٹے گا جس طرح رات کے بعد ایک صبح روشن نمودار ہوتی ہے۔

معاشرہ اس وقت انحطاط کا شکار ہوتا ہے جب وہ اپنی فطری تقاضوں کو نظرانداز کرکے اپنی سرشت کو فراموش کردے اور اپنے آبا وٴاجداد اور مذہب کی تعلیمات سے روگردانی کرے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو اپنے دامن میں تمام معاشرتی پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے۔ پروردگارِ عالم نے انسان کی ہدایت کے لئے انبیا کرام اور اولیا عظام کو مبعوث فرمایا تاکہ الٰہی نمائندے انسانی معاشرے کو نیکی اور شرافت کے زیور سے آراستہ کریں اور سعادت وخوش بختی کی راہ پر گامزن کریں۔ کیونکہ پروردگارِ عالم اور سعادت مند معاشرے کے بارے میں سورۂ اعراف آیت ۹۶ میں فرمارہا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

ترجمہ: اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے۔

برے اور اہل ظلم وجور کا معاشرہ انسان کی ہلاکت کا موجب بنتا ہے جیسا کہ سورۂ قصص آیت کا نشان ۵۹

میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرىٰ اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُونَ۔

ترجمہ: ہم تو بستیوں کو برباد کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ نیک اور پاکیزہ معاشرہ انسان کی سعادت کا ضامن ہے۔امت محمدیہ ہمیں جس کی بنیاد پیغمبرؐ ختمی مرتبت نے مدینہ میں رکھی تھی جہاں ہر فرد اور طبقے کے حقوق کی ضمانت تھی جہاں نہ عرب کو عجم پر فوقیت حاصل تھی نہ گورے کو کالے پر، نہ امیر کو غریب پر، نہ عورتوں کے حقوق سلب کئے جاتے تھے، نہ مسلمان اور غیر مسلم طبقے سے زیادتی ہوتی بلکہ ایک عادلانہ نظام قائم تھا جو ہر قوم اور ہر معاشرہ کے لئے ایک نمونہ ہے۔

اسلام اجتماعی زندگی پر زور دیتا ہے جس میں تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہیں اسلام رہبانیت کی نفی کرتا ہے۔انفرادی زندگی فطرت کے خلاف ہے اس لئے کہ انسان فطری طور پر مدنی الطبع واقع ہوا ہے اجتماعی زندگی میں ایک نظم وضبط اور قاعدہ وقانون ہوتا ہے جس سے انسان آزاد نہیں ہوسکتا۔ اجتماعی زندگی میں ایک تقسیم کار ہوتا ہے ہر شخص اپنی ذمہ داری کے تحت زندگی بسر کرتا ہے ایک دین ایک مذہب کا پابند ہوتا ہے کوئی انسان تنہا زندگی کا سفر طے نہیں کر سکتا۔اس کی مثال ایک کشتی اور ایک پانی کے جہاز کی سی ہے کہ یہ دنیا ایک وسیع وعریض سمندر کی مانند ہے ایک انسان اگر تنہا کسی کشتی پر سفر کرے گا تو وہ اس کا منزل مقصود تک صحت وسلامتی کے ساتھ پہنچنا بہت مشکل ہے اس کے برعکس بہت سے انسان اگر ایک بحری جہاز پر سوار ہیں تو ان کا مفاد ہوگا ان کی ضروریات ایک ہوں گی ایک دوسرے کے کام آئیں گے ایک دوسرے سے مربوط ہوں گے ایک دوسرے کے دکھ درد میں معاون اور مددگار رہوں گے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی پیدا ہوگی۔ایک دوسرے کے قریب ہوں گے مشترک سفر طے کریں گے وحدت و یگانگت کے ساتھ اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن ہوں گے ایک ساتھ اپنے ہدف کے حصول کی طرف بڑھتے رہیں گے خطرات کے وقت ایک دوسرے کے اور قریب آجائیں گے اگر جہاز کسی حوادث کا شکار ہوا تو مل کر اس طوفان کا مقابلہ کریں گے ایک دوسرے سے محبت دل میں پیدا ہوگی۔

پس اسلام بھی ایک ایسا ہی معاشرہ چاہتا ہے جس میں تمام انسان مل جل کر پیار ومحبت کے ساتھ مشترکہ مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔اسلام چاہتا ہے کہ تمام انسان توحید کے پرچم کے سایہ تلے زندگی کا سفر طے کریں۔ذات حق کو اپنا مرکز اور محور قرار دیں تاکہ سعادت ابدی حاصل کریں۔ پروردگار کا سورۂ

زخرف آیت ۳۲ میں ارشاد ہے:

اَ هُمْ يَقسِمُونَ رَحْمَت رَبِّكَ نَحْنُ قَسمنا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوة الدُّنيا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔

ترجمہ: کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو (اپنے طور پر) بانٹتے ہیں ہم توان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے ہیں تاکہ ان میں کا ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو (مال متاع) یہ لوگ جمع کرتے پھرتے ہیں خدا کی رحمت (پیغمبر) اس سے کہیں بہتر ہے۔

میرا مقالہ معاشرہ کے حوالے سے درپیش مسائل نہج البلاغہ کی روشنی میں حل کرنے کی ایک سعی ہے اور میرا یہ مقالہ مندرجہ ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول:

پہلا باب معرفتِ خالق کائنات کے حوالے سے ہے۔ کیونکہ پہلا درجہ خالق کی معرفت کا ہے اس کے بعد اس انبیاو آئمہ کی معرفت کا ہے اور پھر دیگر مخلوق کا اس باب میں ہم نہج البلاغہ کے خطبات کی روشنی میں خالق کی معرفت کے درجات، وجود باری تعالیٰ کا اثبات، قرآنی آیات اور احادیث کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور مختلف متکلمین علما کرام کے دلائل پیش کئے ہیں اور توحید خداوندی کی اقسام بیان کی ہیں اس معنی اور مفاہیم واضح کئے ہیں۔ اپنے پروردگار کو کائنات کے ذریعے کیسے پہچانا جاسکتا ہے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی معرفت کے فوائد کیا کیا ہیں مثالوں کے ذریعے توضیح کی گئی ہے، نفس انسانی پر گفتگو ہے نفس کسے کہتے ہیں نفس کی معرفت کس طرح کی جائے خالق اور مخلوق میں کون سے اوصاف مشترک ہیں۔ نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کے حوالے سے معرفت خالق کے بارے میں شرح کا سہارا لیا گیا ہے اور عرفاں کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ قرآنی آیات سے زیادہ سے زیادہ استدلال کیا گیا ہے۔ اور وجود باری تعالیٰ کو عقلی دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

باب دوم:

دوسرے باب میں خالق کے بعد مخلوق کی درجہ بندی کے حوالے سے گفتگو ہے انسان کی حقیقت کیا ہے اس کی خلقت کا مقصد کیا ہے حضرت علیؑ نے جو نہج البلاغہ میں انسان کی خلقت کے حوالے سے خطبہ دیا ہے اس روشنی میں انسان کے وجود کو ثابت کیا ہے کہ انسان کو کسی نے بنایا۔ کیوں بنایا انسان کی فطرت وجبلت طبیعت کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

کیونکہ کسی بھی شے کے وجود میں آنے کے لئے چار علتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔علت فاعلیہ (یعنی فعل انجام دینے والا یا بنانے والا)

۲۔علت مادّیہ (وہ مادّہ جس سے وہ شے وجود میں آئی)

۳۔علت صوریہ (وہ شکل وصورت جو اس شے کی ہے)

۴۔علت غائی (اس شے کے وجود میں آنے کا مقصد)

مثال:

ایک کرسی ہے اس کو بنانے والا
بڑھئی علت فاعلی ہے
اس کرسی کو بنانے کے لئے جو مادّہ استعمال ہوا
لکڑی۔علت مادّی ہے
اس کرسی کو میز نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کی شکل وصورت بتارہی ہے وہ کرسی ہے۔
اس کی شکل۔علت صوری ہے۔
اور آخر میں اس کو بنانے کا مقصد کہ اس پر
بیٹھنا۔یہ علت غائی ہے
پس فلسفی بیان کرتے ہیں کہ کائنات کی کوئی
شے ایسی نہیں جس میں یہ چار علتیں نہ پائی جاتی ہوں۔

انسان کے وجود میں آنے کے لئے بھی چار علتیں کارفرما ہیں:

۱۔علت فاعلی یعنی کوئی ذات ہے جس نے اس کو وجود بخشا وہ ذات الٰہی ہے جو علت فاعلی ہے اس بنانے کے لئے بھی مادّہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ جسم مادّی ہے روح معنوی ہے جسم ظاہری ہے روح باطنی کیفیت کا نام ہے انسان کی خلقت میں بھی مادّہ استعمال ہوئی پرانے زمانے میں یہ کہا جاتا تھا کہ انسان، مٹی، پانی، ہوا اور آگ سے بنا جب کہ آج کی سائنس نے یہ ثابت کردیا کہ ان چار عناصر میں بھی کئی کئی عناصر پائے جاتے ہیں بہرحال جو بھی مادّہ انسان کی خلقت کے لئے استعمال ہوا وہ علت مادّی کہلائے گا۔

اور ظاہری بات ہے کہ ہر انسان کی شکل وصورت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے سوائے چند جڑواں بچوں کے وہ شکل وصورت ان کی علت صوری ہے اور ہمارا موضوع آخری علت ہے کہ انسان کو خلق کرنے کا مقصد کیا تھا۔

ہم نے اس مقالے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد اطاعت الٰہی ہے۔اسی لئے سورہ والعصر میں خداوند کریم زمان کی قسم کھا کر فرمارہا ہے:

''قسم ہے زمانے کی انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کہ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجالاتے حق کی وصیت کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

یہ باب مخلوقات کے مدارج انسان کی خلقت،طبیعت،انسان کی مادّی زندگی،قرآن میں انسان کی حقیقت پر مشتمل ہے انسان کو معزز ومشرف ومکرم قرار دیا ہر چیز انسان کے لئے خلق کی گئی ہے اور اس کی ہدایت کے لئے انبیا واولیا کو مبعوث کیا یہ نمائندگان الٰہی انسان کو سعادت کا درس دینے کے لئے تشریف لائے چنانچہ سعادت خوش بختی نیکی اور صراط مستقیم کی ہدایت کی گئی اور انسانی معاشرہ کو نیکی وشرافت کا گہوارہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

ضروری ہے کہ سب سے پہلے انسان خود اپنی اصلاح کرے خود سازی کر پھر گھر والوں کی تربیت کرے،خاندان،شہر،ملک کی تربیت کرے ملک کو امن کا گہوارہ بنائے انسان کو چاہئے کہ اپنی اور کائنات کی خلقت پر غور کرے اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے اور اس سوالات کے جواب تلاش کرے۔

ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں واپس جائیں گے؟ اس چند روز زندگی کا مقصد کیا ہے؟

ہمیں کس نے پیدا کیا؟ یہ اعضاو جوارح کس وجہ سے عطا ہوئے؟
کس لئے قدرت و اختیار کی لگام ہمارے ہاتھ میں دی گئی؟ ہماری کامیابی و سعادت کن اعمال سے ہے؟ کون سی صفات نیک ہمارے لائق ہیں جن کے حاصل کرنے سے ہم سعادت دارین کے مستحق ہو سکتے ہیں؟
وہ کون سی صفات خراب ہیں جن کے ترک کرنے کی کوشش کرنا چاہئے؟

باب سوم:

تیسرا باب چند مطالب پر مشتمل ہے مثلاً معاشرتی زندگی کی ابتداو بنیاد، انفرادی و اجتماعی زندگی میں فرق، معاشرتی ادارے کون کون سے ہیں۔ معاشرے کے بارے میں مختلف مفکرین کے نظریات کون کون سے ہیں؟ معاشرتی لحاظ سے انسان کا مختار اور محتاج ہونا وغیرہ انسان معاشرے کے تصور سے مکمل آگاہی رکھتا ہے انسان کا وجود خود معاشرے کی پیداوار ہے معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے۔

نہج البلاغہ میں یوں تو ہر موضوع پر خطبات موجود ہیں لیکن معاشرہ کی تشکیل کے حوالے سے بہت سے خطبات وصیت نامے، مکتوبات اور اقوال زریں موجود ہیں جن کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی جاسکتی ہے معاشرہ خود انسان کی تربیت کرتا ہے۔ بہر حال انسان کی پوری زندگی معاشرے کی گود میں گزرتی ہے۔ معاشرے کی تربیت کے اثرات انسان پر پڑتے ہیں معاشرہ ہی انسان کی ضروریات پوری کرتا ہے۔

مفکرین نے معاشرے کو جسم سے تعبیر کیا ہے جس طرح جسم مختلف اعضا کا مرکب ہے، اسپر عضو اپنا مخصوص کام انجام دیتا ہے اسی طرح معاشرے جن افراد سے مل کر تشکیل پاتے ہیں اور افراد کے اندر تمام امور تقسیم ہو جاتے ہیں جن کی ایک معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے جس طرح جسم میں اعضا میں ہر عضو کا اپنا مقام اور درجہ ہوتا ہے کوئی حکم دیتا ہے کوئی قبول کرتا ہے کسی کا درجہ بڑا ہوتا ہے کسی کا کم ہوتا ہے اسی طرح معاشرے میں صلاحیتوں کی مناسبت سے عہدے مختلف ہیں کام مختلف ہوتے ہیں۔ جس طرح جسم بیمار ہوتا ہے صحت مند ہوتا ہے اسی طرح معاشرہ بھی بیمار اور صحت مند ہوتا ہے۔ ا۔ خاص طور پر معاشرہ میں موجود مختلف معاشرتی ادارے مفید و صحت مند شخصیت کی تعمیر میں بھر پور کردار ادا کرتے ہیں۔

باب چہارم:

چوتھے باب میں اھم مطالب کا احاطہ کیا گیا ہے ان میں سب سے اہم انبیا کرام اور آئمہ طاہرینؑ کے ذریعے سے اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری ہے۔ انسان محتاج ہدایت ہے۔ بغیر رہنمائی کے وہ جہالت کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتا۔ اس کو ہر قدم پر ہر منزل پر ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر مسلمان ہر نماز میں۔ "اهدنا الصراط المستقیم" کی تلاوت کر کے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی دعا طلب کرتا ہے۔ اس میں ہدایت تکوینی ہدایت تشریعی پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے انبیا کے وظائف سے متعلق نہج البلاغہ کے مختلف جز نقل کئے گئے ہیں جس میں انبیا کرام آئمہ معصومینؑ کے وظائف کا تعین کیا گیا ہے یعنی نسل آدمؑ سے جو انبیا گزرے ہیں انھیں تبلیغ رسالت کا امین قرار دیا گیا ہے تا کہ انبیا انسان کی فطرت کے مطابق ان کی ہدایت کریں اور پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔

ہم نے مقالہ کے اس باب میں انبیا کے مقصد بعثت کو قرآنی آیات کے ذریعے استدلال کیا ہے مثلاً پہلا مقصد انبیا کا توحید کی دعوت دینا۔ پھر معاشرے کے لوگوں کو اختلافات سے بچانا ہے۔ تیسرا مقصد حکومت الٰہیہ کا عادلانہ نظام قائم کرنا۔ چوتھا مقصد لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔ پانچواں مقصد خدا کا اپنے بندوں پر معصومین کے ذریعے حجت تمام کرنا۔

قرآن مجید میں جن انبیا کا تذکرہ کیا گیا ہے اس باب میں ان انبیا کے مختصر حالات کا قرآنی آیات کی رو سے تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب کے آخری حصہ میں نہج البلاغہ کے ان خطبات کی خاص طور پر فصل تیار کی گئی ہے جن میں پیغمبر اکرمؐ کی ذات پرنور کی بعثت کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ پیغمبرؐ کے اوصاف یا قرآن بیان کرسکتا ہے یا ناطقِ قرآن بیان کرسکتا ہے۔

باب پنجم:

پانچویں باب میں اپنے مقالے کا نچوڑ پیش کیا ہے اسلامی معاشرے کے خدوخال بیان کئے گئے ہیں

دین اسلام کی حقیقت اسلام دین معرفت ،فطرت ،حکمت ، معاشرت اور اسلامی معاشرے کی اعلیٰ اقدار کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ۔ اسلام حضرت آدمؑ کے زمانے سے موجود ہے اور ان کے بعد حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت رسول خداؐ کے زمانے تک مختلف قومیں آباد ہوئیں مختلف ادیان آئے مٹ گئے ۔شریعتیں آئیں منسوخ ہوگئیں آخر میں دینِ اسلام حضورِ اکرمؐ کے ذریعے زندہ ہوا حضور اکرمؐ نے اپنے جد ابراہیمؑ کی سنت کو زندہ کیا اور دین حنیف کو جاری رکھا۔ اسلام کے قوانین عین فطرت ہیں اس باب میں نہج البلاغہ کے خطبات ،مکتوبات اور کلماتِ القصار کے چند خطبات اخذ کئے ہیں جن کے ذریعے دین اسلام کی حقیقت اسلام کی اعلیٰ اقدار کو حضرت کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ معاشرے کی ہر سطح پر عدل وانصاف کو قائم کرنے سے معاشرے کا نظام متوازن رہتا ہے ہر شخص کو اس کے حقوق میسر آتے ہیں۔عدل وانصاف کے صحیح یہ ہیں کہ حکومت اور معاشرہ میں ہم آہنگی ہو لوگوں کے مسائل حل کئے جائیں ،عوام کی دادرسی ہو اور تمام امور کے حوالے سے عادلانہ تقسیم ہو جس طرح حضرت نے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر جو ہدایات جاری کیں اس کے علاوہ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں انسانیت کی فلاح وبہبود اور معاشرے کی اعلی اقدریں واضح کیں کہ ایک انسان کو کیسا ہونا چاہئے۔

حضرت علیؑ کا طرز معاشرت عجیب وغریب منزل پر ہے۔آپ کی سیرت لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے ایک عیسائی مفکر جارج جرداف کہتا ہے کہ علی ایک ایسے عظیم انسان ہیں جو فکری بلندی میں دنیا کے مفکروں سے خیر خواہی میں، زمانے کے نیکوکاروں سے ،علم کی زیادتی میں، عالَم کے متفکروں سے، دقتِ نظر میں ،عرصۂ گیتی کے محققین سے ، عطوفت اور مہربانی میں، سارے محبت کرنے والوں سے ،ترک دنیا میں سارے پرہیز گاروں سے ،اور اصلاحی نظریات میں قوم کے جملہ مصلحین سے ،آگے نکل گئے ہیں ،کو چاہئے کہ وہ انسانی خصوصیات میں تحریک پیدا کریں اور احساسات کو برانگیختہ کریں دل کے کانوں میں ان لطیف وعمدہ باتوں کو جو گرمی محبت اور شدت جذبات کی دلیل ہیں بہت نرمی اور آہستگی کے ساتھ پہنچاتے ہیں کہ ’’دوستوں کی نہ ہونا بمنزلہ غربت ہے‘‘ دوسروں کی مصیبت پر خوشی نہ مناؤ۔’’نرمی اور بخشش کے ذریعے اپنے کو لوگوں سے قریب کرو‘‘’’جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے درگذر کرو‘‘ جو شخص تم سے رشتہ منقطع کرے تم اس سے نیا رشتہ قائم کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ دشمنی کرے تم اس کے دوست رہو۔

ہم نے اس آخری باب میں انسانی معاشرے کی اعلیٰ اقدار کو جمع کرکے ایک نتیجہ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ان صفات حمیدہ میں منجملہ سرفہرست علم وحکمت کو رکھا ہے کیونکہ انبیا کی بعثت کا ایک مقصد لوگوں کو

کتاب وحکمت کی تعلیم دینا ہے حضرت علیؑ کے فضائل میں سے سب سے اہم فضیلت باب مدینۃ العلم ہے حضرت کبھی بھی اپنی کسی اور صفت پر فخر کا اظہار نہیں کیا خواہ وہ شجاعت ہو، عبادت ہو، قناعت، سخاوت ہو، حلم و بردباری ہو، انکساری وغیرہ اگر فخر کیا تو علم پر کیا فرماتے ہیں۔

ہم پروردگار کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا کیا اور دوسروں کو مال دیا بے شک مال عنقریب فنا ہو جائے گا لیکن علم ہمیشہ باقی رہے گا اسے کوئی زوال نہیں اگر معاشرے کے افراد تعلیم یافتہ ہو جائیں تو معاشرہ سے فتنہ وفساد ختم ہو جائے یہ جہالت ہی ہے جو معاشرے کے افراد کو فساد میں مبتلا کرتی ہے ہمارے مقالے کا عنوان ہے ''نہج البلاغہ میں معاشرتی شعور اور اس کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل'' ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ہی جہالت اور نادانی ہے۔ جب انسان علم سے آراستہ ہو جائے گا تو دیگر معاشرتی اعلیٰ اقدار خود بخود اپنا لے گا۔ جن کا ذکر اس باب میں مختصر اقوال کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً فکر ونظر، صبر واستقامت، توکل علی اللہ عدل وانصاف، ایفائے عہد، عفو درگذر، حلم و بردباری، جود وسخا، حسن ظن، صداقت، صلہ رحمی، تواضع وانکساری، اخوت، فقر وغنیٰ، قناعت، امانت پردہ پوشی، حسن معاشرت، شکر گذاری، حیا وعفت، تقویٰ و پرہیز گاری وغیرہ اور متقین کی صفات اور عہد نامہ مالک اشتر جو معاشرتی زندگی کا ایک اہم دستور ہے۔

میں اپنے نگراں پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب (ستارۂ امتیاز) کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کے سلسلے میں میری رہنمائی فرمائی۔ نیز اپنی زوجہ محترمہ امّ رباب کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مقالہ کے مرتب کرنے میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عنایت فرمائے۔

والسلام

سید سجاد حیدر

امیدوار برائے پی ایچ ڈی

شعبہ اصول الدین۔ جامعہ کراچی

اپریل ۲۰۱۳

باب اول

معرفتِ خالقِ کائنات

قبل اس کے کہ معرفت خالق کائنات پر گفتگو کی جائے ہم ذیل میں معرفت کے معنی کے بارے میں چند اقوال درج کر دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔معرفت ادراک اور پہچاننے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے راغب کہتے ہیں معرفت اور عرفان کسی شی کو اس کے آثار و نشانیوں کے ذریعے تفکر و تدبر کے ساتھ درک کرنے یا پہچاننے کو کہتے ہیں۔اور یہ علم سے خاص ہے اسی لئے کہتے ہیں:

فُلانٌ یَعْرِفُ اللہَ(۱)

ترجمہ: فلاں شخص اللہ کو پہچانتا ہے۔

یہ نہیں کہتے یَعْلَمُ اللہَ یعنی وہ اللہ کو جانتا ہے کیونکہ معرفت خدا بشر کو اس کے آثار میں غور و فکر کے ذریعے حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس کی ذات کے ادراک سے اسی لئے یہ کہتے ہیں۔

اَللہُ یَعْلَمُ کذا(۲)

یعنی: اللہ اس چیز کو جانتا ہے

یہ نہیں کہتے اَللہُ یَعْرِفُ کذا یعنی اللہ تعالیٰ معرفت رکھتا ہے اس لئے کہ معرفت علم سے کمتر درجہ رکھتی ہے اور یہ تفکر کے بعد حاصل ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ عرفان علم کی نسبت ناقص ہے اور یہ کسی شے کے آثار میں غور و فکر سے نشو و نما پاتی ہے۔(۳)

''معرفت'' کے معنی ہیں جاننا اور علم و معرفت کے درمیان فرق یہ ہے کہ ''معرفت'' بسائط اور جزئیات کے ادراک کو کہتے ہیں جب کہ ''علم'' مرکبات اور کلیات کے ادراک کا نام ہے اسی لئے کہا جاتا ہے عَرَفتُ اللّہَ میں نے خدا کی معرفت حاصل کی عَلِمْتُ اللہ نہیں کہا جاتا بعض حضرات کہتے ہیں ''معرفت'' تصورات کے ادراک کو کہتے ہیں جب کہ ''علم'' تصدیق کے

ادراک کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کسی چیز کو بھول جانے کے بعد پھر اس کا ادراک کرنا معرفت کہلاتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ کو عالم کہتے ہیں عارف نہیں کہتے۔غرض معرفت کے بارے میں یہ چند مشہور اقوال تھے جو درج کئے گئے ہیں۔(۴)

وجود باری تعالیٰ کا اثبات

علمائے الٰہیات اور فلسفی حضرات نے وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرنے کے لئے مختلف افکار و دلائل پیش کئے ہیں جس سے پروردگار عالم جو کہ کائنات کا خالق ہے اس کی معرفت حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔لیکن نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے جو مطالب و مفاہیم کا احاطہ کیا ہے ایسے دلائل ایک عام انسان بیان نہیں کرسکتا اور جتنے بھی فلاسفہ اور ماہرین علم الٰہیات گزرے ہیں انہوں نے آپ ہی کے بیان سے استفادہ کر کے اس کی شرح بیان کی ہے۔

''علم الٰہیات سے مراد وہ علم ہے جو صانعِ عالم کے وجود اس کے صفات اور ان امور سے بحث کرتا ہے جو ذاتِ الٰہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسلام میں ہستی باری کا اقرار اور اس کی یکتائی کا اعتراف اصل اصول کی حیثیت رکھتا ہے اسی عقیدہ پر دوسرے عقائد کا دارومدار اور تمام اعمال کی صحت کا انحصار ہے اسی اہمیت کی بنا پر علما اسلام نے اسے خصوصی توجہ کا مرکز قرار دیا۔اس پر سیر حاصل بحثیں کیں اور تحقیقی و استدلالی کتابیں تحریر میں لائے اگر چہ ان سب کی کاوشیں قابل قدر ہیں مگر حضرت علیؑ وہ حکیم عالم اسلام ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسائل الٰہیہ میں عقلی و فلسفی استدلال کی طرح ڈالی دقیق گتھیوں کو آسان لفظوں میں سلجھایا اور ایک ایک مسئلہ پر ایسے لطیف انداز میں روشنی ڈالی کہ اس سے بہتر پیرایہ بیان وطرزِ استدلال ممکن نہیں ہے آپ نے الٰہیاتی حقائق کے ان گوشوں کو بے نقاب کیا جو متکلمین کی نظروں سے اوجھل اور حکما و فلاسفہ کی فکری و ذہنی پرواز سے بلند تر تھے۔ اگر چہ حکماء یونان سقراط اور افلاطون اور ارسطو نے الٰہیاتی و مابعد الطبعیاتی مسائل پر بحث کی ہے اور فطرت کی داخلی شہادت اور حادث کے لئے موجود کی ضرورت سے ایک ایسی ہستی کا اثبات کیا ہے جو تغیر و تبدل سے بری ہر اعتبار سے کامل و اکمل اور کائنات کی

محرک اول و سرچشمہ وجود ہے کے کلمات خدا شناسی، وحدت ذات، عینیت صفات اور تنزیہ و تقدیس کے سلسلے میں اپنا جواب نہیں رکھتے اور اس کثرت سے حقائق و مطالب لئے ہوتے ہیں کہ قدیم حکما و فلاسفہ کے کلام کو صرف ان کے مبادیات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سید مرتضیٰ علم الھدیٰ فرماتے ہیں:

إِعْلَمْ ان اصول التوحید و العدل ماخوذۃ من کلام۔ امیر المومنین علیہ السلام و خطبة فانہا تتضمن من ذلك مالك زیادۃ علیہ ولا غایة وراہ ومن تامل الماثورہ وذلك من کلامہ علم ان جمیع ما اسھب المتکلمون من بعد فی تصنیفہ وجمعہ انما ھو تفصیل لتلك الجمل و شرح لتلك الاصول۔ (۵)

ترجمہ: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ توحید وعدل کے اصول امیر المومنینؑ کے کلمات وخطبات سے ماخوذ ہیں کیونکہ وہ تمام الٰہی مطالب پر حاوی ہیں ان میں نہ اضافہ ممکن ہے اور نہ ان سے آگے کوئی حد ہے چنانچہ جو شخص آپؑ کے کلام پر نظر کرے وہ یہ جان لے گا کہ آپؑ کے بعد متکلمین نے جن تفصیلی مباحث کی تالیف وتدوین کی وہ آپ ہی کے بیان کردہ مجملات کی تفصیل اور آپؑ ہی کے پیش کردہ اصول کی تشریح وتوضیح ہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے خطبات میں دلائل بھی ہیں اور ہر شکوک وشبہات کے جوابات بھی ہیں اور ذات باری تعالیٰ پر ہر اعتراض کو رد بھی کیا ہے آپؑ نے وحدت کو کثرت کی آمیزش سے منزہ کر کے توحید کو واضح طور پر بیان کیا ہے توحید ذاتی اور صفاتی کو اجاگر کیا ہے اور دوئی کے نظریہ کو رد کیا ہے۔ غلط تصورات کو دلائل سے باطل قرار دیا ہے بہرحال معرفت خداوندی و وجود باری تعالیٰ کے سلسلے میں آپ کے خطبات ایک دلیل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو غیب سے متعلق وجود ہستی کے کمال ذات وصفات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور خیالات کو اندھیروں میں بھٹکنے سے بچا لیتے ہیں مندرجہ ذیل خطبہ نمبر ۴۹ ان افکار وخیالات کی عکاسی کرتا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ بَطَنَ خَفِیَّاتِ الْاُمُوْرِ وَدَلَّتْ عَلَیْہِ اَعْلَامُ الظُّھُوْرِ وَامْتَنَعَ عَلٰی عَیْنِ الْبَصِیْرِ۔ فَلاَ عَیْنُ مَنْ لَّمْ یَرَہٗ تُنْکِرُہٗ

ترجمہ: تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے اس کے ظاہر وہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتہ دیتی ہی گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہی آتا۔ پھر بھی نہ دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کرسکتی۔

.وَلاَ قَلْبَ مَنْ اَثْبَتَهُ يُبْصِرُهُ سَبَقَ فِي الْعُلُوِ فَلاَ شَيئَ اَعْلٰى مِنْهُ وَقَرُبَ فِي الدُّنُوِّ فَلاَشَی ءَ اَقْرَبُ مِنْهُ فَلاَاسْتِعْلاَؤُهُ بَاعَدَهُ عَنْ شَيئٍ مِنْ خَلْقِهٖ.وَلاَ قُرْبُهُ سَاوَاهُمْ فِي الْمَكَانِ بِهٖ لَمْ يُطْلِعِ الْعُقُوْلَ عَلٰى تَحْدِيْدِ صِفَتِهٖ وَلَمْ يَحْجُبْهَا عَنْ وَاجِبِ مَعْرِفَتِهٖ فَهُوَ الَّذِیْ تَشْهَدُ لَهُ اَعْلاَمُ الْوُجُود عَلٰى اِقْرَارِ قَلْبِ ذِي الْجُحُودِ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشَبِّهُونَ بِهٖ وَالْجَاحِدُوْنَ لَهُ عُلُوًّا كَبِيْرًا(٦).

اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہوسکتی اور اتنا قریب سے قریب تر ہے کہ کوئی شے اس سے قریب تر نہیں ہے اور نہ اس کی بلندی نے اسے مخلوقات سے دور کر دیا ہے اور نہ اس کے قرب نے اسے دوسروں کی سطح پر لا کر ان کے برابر کر دیا ہے اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حدود نہایت پر مطلع نہیں کیا اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کئے وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح اس کی شہادت دیتے ہیں کہ (زبان سے) انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

علامہ شیخ محمد رضا مظفر عقائدِ امامیہ میں رقمطراز ہیں کہ:

''ہمارا عقیدہ ہے کہ جب خدا نے ہمیں غور وفکر کی قوت عطا فرمائی عقل دی تو ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کی مخلوق کے متعلق غور وفکر کریں اس کی خلقت کی نشانیوں کو غور سے دیکھیں۔ اس کی حکمت کے متعلق تدبر کریں اور دنیا اور اپنے اندر ہم اس کی آیات میں تدبر کرنے کا یقین پیدا کریں۔(۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۸)

ترجمہ: ہم عنقریب اپنی نشانیوں کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے نفس کے اندر دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق پر ہے۔

خدا نے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرنے والوں کی مذمت میں اس طرح فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۹)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا وہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے آباؤ اجداد بے عقل ہی رہے ہوں۔

اسی طرح گمان اور غیر روشن حدس کا عقیدہ رکھنے والوں کی مذمت میں فرمایا:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۱۰)

ترجمہ: وہ ظنون کے علاوہ کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ حقیقت میں ہمارا عقیدہ ہے کہ ہماری عقول نے ہم پر مخلوق اور خالق کون ومکاں کی معرفت کے متعلق غور وفکر کو لازمی قرار دیا ہے۔

علماء اسلام نے مسئلہ نظر کہ جس نظر سے معرفت کا ارتکاز ہوتا ہے، پر تفصیلی بحث کی ہے۔ مسلمانوں کے تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ اللہ کی معرفت واجب ہے کیونکہ یہ کمال دین اور اول واجبات میں سے ہے ہمارے لئے وہی کافی ہے جو علامہ حلی (قدس سرہ) نے شرح باب حادی عشر میں فرمایا ہے کہ ”علماء کافہ کا اجماع ہے کہ اللہ کی معرفت کا واجب ہونا۔ صفاتِ ثبوتیہ وسلبیہ، وہ چیزیں جو خدا کی ذات کے لئے صحیح ہیں اور وہ چیزی جو خدا کی ذات کے لئے صحیح نہیں ہیں۔ نبوت وامامت قیامت (ان سب) کا عقیدہ دلیل کے ساتھ ہو تقلید کے ساتھ نہ ہو۔

اسی طرح ہم پر مدعی نبوت کے دعوؤں اور اس کے معجزات پر غور وفکر کو لازم قرار دیا ہے اور ان مسائل میں دوسروں کی تقلید درست نہیں ہے اگر چہ وہ اونچے مرتبے کے مالک ہی کیوں نہ ہو۔ اکثر مسلمانوں کی اس علم میں کثیر تصنیفات، اس موضوع کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ نظر ومعرفت کے واجب ہونے کو دلیلوں کی چند

وجوہ سے حصر کیا جائے۔اس کے معجزات پر غور وفکر کو لازم قرار دیا ہے اور ان مسائل میں دوسروں کی تقلید درست نہیں۔

ا۔پہلی وجہ: عقلی دلیل:۔

اطمینان حاصل ہونے کے لئے خوف کا دور ہونا واجب ہے جس کا عقل تقاضہ کرتی ہے۔

''اس بحث واستدلال کا عقلی ہونا'' البتہ اگر ممکن ہو سکے تب اس قدر ہے کہ اس واقع کے کشف ہونے کے لئے ایک منارۂ نور ہے جس پر عمل پیرا ہو کر اس کے خطرات سے اجتناب اور اس کے منافع کے حصول کی سعادت چاہتے ہیں اس لئے کہ کسی عقیدہ پر استدلال کرنا خوف کے ختم ہونے کا موجب ہوتا ہے اور دفع خوف واجب عقلی ہے۔

۲۔دوسری وجہ: اخلاقی دلیل:۔

منعم کا شکر واجب ہے اور یہ (منعم) کی معرفت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔عقلاء کے نزدیک اس کا وجوب اس طرح ہے کہ اس کا ترک کرنا موجب عقاب ہے کیونکہ شکر کے لئے ضروری ہے کہ مشکور کے حال کے مناسب ہو۔ مختلف مذاہب اور میلانات کے عقلاء اس قانون اخلاقی کی تائید کرتے ہیں۔لہٰذا اس واجب اخلاقی کو قائم کرنے کے لئے بحث معرفت واجب ہے۔

۳۔تیسری وجہ: نقلی دلیل:۔

یہ پہلی دلیلوں کے بعد آئے گی تا کہ ہم اس دلیل شرعی کو اس سے تلاش کر سکیں جس کو دین نے فرض کیا ہے جیسا کہ شریعت اسلامی کے مصادر نے آیات قرآنیہ اور سنت مطہرہ میں اس کی ترجمانی کی ہے۔

پہلی بحث میں اس کا اضافہ کرتے ہوئے مسلمان علماء متوجہ ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ بڑے بڑے فلاسفر کے نزدیک ملانے والا نقطہ معرفت کا صحیح دلیل کے ذریعہ حصول ہے۔اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ معرفت اور پہچان کی اساس و بنیاد بدیہات عقلیہ ہوں یا معارف تجربیہ ہو۔ (۱۰)

قرآن مجید میں غور وفکر اور علم معرفت کی پیروی پر زور دیا گیا ہے اور بے شک عقلوں کی فطری آزادی کے بارے میں واضح طور سے بیان جو عقلاء کی آراء کے مطابق اور نفوس کی تنبیہ معرفت وتفکیر کی جبلی استعداد پر اذہان کی کنجی اور طبیعت عقول جس کا تقاضہ کرتے ہیں اس کا چہرہ ہے۔(۱۱) اسی وجہ سے اللہ کا یہ فرمان ہے کہ:

قُلْ سِيْرُوا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ
يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ۔اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔(۱۲)
ترجمہ:اے رسول کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں سیر کرو اور فکر کرو
سوچو کہ خدا نے کس طرح خلقت کا آغاز کیا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (۱۳)
ترجمہ:اے رسول کہہ دیجئے کہ غور وخوص کرو جو کچھ زمین وآسمان میں ہے۔

سورۂ الغاشیہ آیات نمبر ۱۷ تا ۲۱ تک میں پروردگار عالم اس طرف متوجہ کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ

اَفَلَا يَنْظُرُونَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ. وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ.وَاِلَى الْجِبَالِ
كَيْفَ نُصِبَتْ، وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ۔(۱۴)
ترجمہ: کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑ کو کس طرح نصب کیا گیا اور زمین کو کس طرح بچھایا گیا (لہذا) تم نصیحت کرتے رہو کہ تم صرف کرنے والے ہو۔

اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ معبودِ حقیقی کو پہچانیں اور دلیل کے ساتھ پہچانیں۔

چند آیات درج ذیل ہیں:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي اَنْفُسِهِمْ ۔مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَاَجَلٍ مُسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ۔(۱۵)
ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اپنے نفس میں (اتنا بھی) غور نہیں کیا کہ خدا نے سارے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں اور دونوں کے درمیان میں ہیں بس بالکل ٹھیک اور ایک مقرر میعاد کے واسطے پیدا کیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ بہتیرے لوگ تو اپنے پروردگار (کی بارگاہ) کے حضور

(قیامت) ہی کو کسی طرح نہیں مانتے۔

فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَکُمۡ وَمَثۡوٰکُمۡ۔ (۱۶)

ترجمہ: تو سمجھ لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور (ہم سے) اپنے اور ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور خدا تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے سے (خوب) واقف ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ ہٰذَا ذِکۡرُ مَنۡ مَّعِیَ وَ ذِکۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡحَقَّ فَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۔ (۱۷)

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس کے علاوہ اور خدا بنا لئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے ذرا اپنی دلیل لے آؤ۔

توحیدِ خداوندی

ہمارا اعتقاد ہے کہ ہر جہت سے خداوند کریم کی توحید ہم پر لازم ہے جس طرح اس کو ذاتی طور پر واحد مانتے ہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی واحد و یکتا ہے کیونکہ اس کی صفات عین ذات ہیں۔اس کا کوئی شریک نہیں، وہ عالم ہے، قادر ہے اس کا کوئی مثل نہیں وخلاق ورزاق عالم ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔توحید افعالی یہ ہے یہ کائنات اس کا فعل ہے اور پروردگار عالم اس کا فاعل ہے یعنی جو فعل بھی ہوتا ہے وہ اس کی مرضی اور ارادے سے صادر ہوتا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔توحید ذاتی یہ ہے کہ اس کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا بلکہ وہ واحد و یکتا ہے۔قرآن مجید کا موضوع توحید ہے پورا قرآن سراپائے علم و ہدایت ہے۔ بعد از پیغمبر حضرت سے بڑھ کر کوئی مفسر قرآن نہیں خود حضرت علی نہج البلاغہ میں فرمارہے ہیں:

اَیُّهَا النّاسُ سَلُوْنِی قَبْلَ اَنْ تَفقِدُونِی فلاَنّا بطُرُقِ السَّمَآءِ

اَعْلَمُ مِنِّی بِطُرُقِ الاَرضِ (۱۸)

ترجمہ: اے لوگوں مجھے کھو دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لواور میں زمین کی

راہوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔

حضرت کے اس دعوی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ کا علم زمین کی سطح سے بلند آسمانوں تک پھیلا ہوا تھا لہٰذا آسمانی کتب کے علم کا احاطہ جو آپ نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے ان میں خطبات توحید اپنی مثال آپ ہے ہم یہاں استفادہ عام کے لئے حضرت کا وہ خطبہ توحید نقل کررہے ہیں جس کے بارے میں علامہ رضی رقمطراز ہیں ۔

یہ خطبہ توحید کے متعلق ہے اورعلم ومعرفت کی اتنی بنیادی باتوں پر مشتمل ہے کہ جن پر کوئی دوسرا خطبہ حاوی نہیں ہے۔

ومن خطبة له(عليه السلام)

في التوحيد تجمع هذه الخطبة من أصول العلوم ما لا تجمعه خطبة

مَا وَحَّدَهُ مَنْ كَيَّفَهُ، وَلاَ حَقِيقَتَهُ أَصَابَ مَنْ مَثَّلَهُ، وَلاَ إِيَّاهُ عَنَى مَنْ شَبَّهَهُ، وَلاَ صَمَدَهُ مَنْ أَشَارَ إِلَيْهِ وَتَوَهَّمَهُ.

كُلُّ مَعْرُوف بِنَفْسِهِ مَصْنُوعٌ وَكُلُّ قَائِم فِي سِوَاهُ مَعْلُولٌ. فَاعِلٌ لاَ بِاضْطِرَابِ آلَة، مُقَدِّرٌ لاَ بِجَوْلِ فِكْرَة، غَنِيٌّ لاَ بِاسْتِفَادَة. لاَ تَصْحَبُهُ الاْوْقَاتُ، وَلاَ تَرْفِدُهُ الاَْدَوَاتُ، سَبَقَ الاَْوْقَاتَ كَوْنُهُ، وَالْعَدَمَ وُجُودُهُ، وَالاِبْتِدَاءَ أَزَلُهُ. بِتَشْعِيرِهِ الْمَشَاعِرَ عُرِفَ أَنْ لاَ مَشْعَرَ لَهُ، وَبِمُضَادَّتِهِ بَيْنَ الاُمُورِ عُرِفَ أَنْ لاَ ضِدَّ لَهُ، وَبِمُقَارَنَتِهِ بَيْنَ الاَشْيَاءِ عُرِفَ أَنْ لاَ قَرِينَ لَهُ. ضَادَّ النُّورَ بِالظُّلْمَةِ، وَالْوُضُوحَ بِالْبُهْمَةِ، وَالْجُمُودَ بِالْبَلَلِ، وَالْحَرُورَ بِالصَّرَدِ

توحید خداوندی کے بارے میں جتنے بھی پہلو ہیں ان کا احاطہ اس خطبہ میں کیا گیا ہے اور قطعی طور پر کسی بھی شرکت اور آمیزش سے منزہ قرار دیا گیا ہے اور یہ بات واضح کی کہ اس کو پہچاننے کے لئے کسی دوسری مخلوق کے سہارے کی ضرورت نہیں۔حضرت فرماتے ہیں:

جس نے اسے مختلف کیفیتوں سے متصف کیا اس نے اسے یکتا نہیں سمجھا، جس نے اس کا مثل ٹھہرایا اس نے اسکی حقیقت کو نہیں پایا، جس نے اسے کسی چیز سے تشبیہہ دی اس نے اس کا قصد نہیں کیا، جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا اور اپنے تصور کا پابند بنایا۔ اس نے اس کا رخ نہیں کیا جو اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ مخلوق ہوگا اور جو دوسرے کے سہارے پر قائم ہو، وہ علت کا محتاج ہوگا۔ وہ فاعل ہے بغیر آلات کو حرکت میں لائے وہ ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے۔ بغیر فکر کی جولانی کے وہ تونگر وغنی ہے بغیر دوسروں سے استفادہ کئے نہ زمانہ اس کا ہم نشین اور نہ آلات اس کے معاون و معین ہیں، اس کی ہستی زمانہ سے پیشتر اسکا وجود عدم سے سابق اور اس کی ہمیشگی نقطۂ آغاز سے بھی پہلے سے ہے اس نے جو احساس و شعور کی قوتوں کو ایجاد کیا اسی سے معلوم ہوا کہ وہ خود حواس و آلات شعور نہیں رکھتا اور چیزوں میں ضدیت قرار دینے سے معلوم ہوا کہ اس کی ضد نہیں ہوسکتی اور چیزوں کو جو اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رکھا ہے، اسی سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں، اس نے نور کو ظلمت کی روشنی کی اندھیرے کی خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد قرار دیا ہے۔

مُؤَلِّفٌ بَیْنَ مُتَعَادِیَاتِهَا، مُقَارِنٌ بَیْنَ مُتَبَایِنَاتِهَا، مُقَرِّبٌ بَیْنَ مُتَبَاعِدَاتِهَا، مُفَرِّقٌ بَیْنَ مُتَدَانِیَاتِهَا

لاَ یُشْمَلُ بِحَدٍّ، وَلاَ یُحْسَبُ بِعَدٍّ، وَإِنَّمَا تَحُدُّ الْأَدَوَاتُ أَنْفُسَهَا، وَتُشِیرُ الْآلاَتُ إِلَی نَظَائِرِهَا، مَنَعَتْهَا مُنْذُ الْقِدْمَةَ، وَحَمَتْهَا قَدُ الْأَزَلِیَّةَ، وَجَنَّبَتْهَا لَوْلاَ التَّکْمِلَةَ بِهَا تَجَلَّی صَانِعُهَا لِلْعُقُولِ، وَبِهَا امْتَنَعَ عَنْ نَظَرِ الْعُیُونِ.

لاَ یَجْرِی عَلَیْهِ السُّکُونُ وَالْحَرَکَةُ، وَکَیْفَ یَجْرِی عَلَیْهِ مَا هُوَ أَجْرَاهُ، وَیَعُودُ فِیهِ مَا هُوَ أَبْدَاهُ، وَیَحْدُثُ فِیهِ مَا هُوَ أَحْدَثَهُ؟! إِذاً لَتَفَاوَتَتْ ذَاتُهُ، وَلَتَجَزَّأَ کُنْهُهُ،

ترجمہ: وہ ایک دوسرے کی دشمن چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا، متضاد چیزوں کو باہم قریب لانے والا اور باہم پیوستہ چیزوں کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ وہ کسی حد میں محدود نہیں اور

نہ گننے سے شمار میں آتا ہے۔ جسمانی قوتیں جسمانی ہی چیزوں کو گھیرا کرتے ہیں اور اپنے ہی ایسوں کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں انہیں لفظ ''منذ'' نے قدیم ہونے سے روک دیا ہے اور لفظ ''قد'' نے ہمیشگی سے منع کر دیا ہے اور لفظ ''لولا'' نے کمال سے ہٹا دیا ہے انہی اعضاء و جوارح اور حواس و مشاعر کے ذریعہ ان کا موجد عقلوں کے سامنے جلوہ گر ہوا ہے اور ان ہی کے تقاضوں کے سبب سے آنکھوں کے مشاہدہ سے بری ہو گیا ہے۔

حرکت و سکون اس پر طاری نہیں ہو سکتے۔ بھلا جو چیز اس نے مخلوقات پر طاری کی ہو وہ اس پر کیوں کر طاری ہو سکتی ہے۔ اور جو چیز پہلے پہل اسی نے پیدا کی ہے وہ اس میں کیونکر پیدا ہو سکتی ہے اگر ایسا ہو تو اس کی ذات تغیر پذیر قرار پائے گی۔ اور اس کی ہستی قابل تجزیہ ٹھہرے گی۔

حضرت فرماتے ہیں کہ وہ اس سے مبراء ہے کہ سے کسی سمت میں حدود کیا جائے یا کسی جہت سے دیکھا جائے اس کے لئے ساری دلیلیں ہیں وہ کسی کے لئے دلیک نہیں ہے۔

وَلاَمْتَنَعَ مِنَ الْاَزَلِ مَعْنَاهُ، وَلَكَانَ لَهُ وَرَاءٌ إِذْ وُجِدَ لَهُ أَمَامٌ، وَلاَلْتَمَس التَّمَامَ إِذْ لَزِمَهُ النُّقْصَانُ. وَإِذاً لَقَامَتْ آيَةُ الْمَصْنُوعِ فِيهِ، وَلَتَحَوَّلَ دَلِيلاً بَعْدَ أَنْ كَانَ مَدْلُولاً عَلَيْهِ، وَخَرَجَ بِسُلْطَانِ الْاُمْتِنَاعِ مِنْ أَنْ يُؤَثِّرَ فِيهِ مَا يُؤَثِّرُ فِي غَيْرِهِ.

الَّذِي لاَ يَحُولُ وَلاَ يَزُولُ. وَلاَ يَجُوزُ عَلَيْهِ الْاُفُولُ لَمْ يَلِدْ فَيَكُونَ مَوْلُوداً وَلَمْ يُولَدْ فَيَصِيرَ مَحْدُوداً، جَلَّ عَنِ اتِّخَاذِ الْاَبْنَاءِ، وَطَهُرَ عَنْ مُلاَمَسَةِ النِّسَاءِ. لاَ تَنَالُهُ الْاَوْهَامُ فَتُقَدِّرَهُ، وَلاَ تَتَوَهَّمُهُ الْفِطَنُ فَتُصَوِّرَهُ، وَلاَ تُدْرِكُهُ الْحَوَاسُّ فَتُحِسَّهُ، وَلاَ تَلْمِسُهُ الْاَيْدِي فَتَمَسَّهُ.

ترجمہ: اور اس کی حقیقت ہمیشگی و دوام سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اگر اس کے لئے سامنے کی جہت ہوتی تو پیچھے کی سمت سے بھی ہوتی اور اگر اس میں کمی آتی تو وہ اس کی تکمیل کا محتاج ہوتا اور اس صورت میں اس کے اندر مخلوق کی علامتیں آ جاتیں اور جب کہ ساری چیزیں اس کی ہستی کی دلیل تھیں۔ اس صورت میں وہ خود کسی خالق کے وجود کی دلیل بن جاتا حالانکہ وہ اس امر مسلمہ کی رو سے کہ اس میں مخلوق کی صفتوں کا ہونا ممنوع اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیز اثر انداز ہو جو ممکنات میں

اثر انداز ہوتی ہے۔

وہ ادلتا بدلتا نہیں نہ زوال پذیر ہوتا ہے نہ غروب ہونا اس کے لئے روا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ورنہ محدود ہو کر رہ جائے گا۔ وہ آل اولاد رکھنے سے بالاتر اور عورتوں کو چھونے سے پاک ہے۔ تصورات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا اندازہ ٹھہرالیں اور عقلیں اس کا تصور نہیں کر سکتیں کہ اس کی کوئی صورت مقرر کرلیں۔ حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے کہ اسے محسوس کرلیں اور ہاتھ اس سے مس نہیں ہوتے کہ اسے چھولیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ وہ مادی تقاضاضوں سے ماوراء ہے کہ اس کو کسی شے میں محدود کیا جائے۔

وَلاَ يَتَغَيَّرُ بِحَالٍ. وَلاَ يَتَبَدَّلُ بِالْاَحْوَالِ. وَلاَ تُبْلِيهِ اللَّيَالِى وَالْاَيَّامُ. وَلاَ يُغَيِّرُهُ الضِّيَاءُ وَالظَّلاَمُ. وَلاَ يُوصَفُ بِشَيءٍ مِنَ الْاَجْزَاءِ وَلاَ بِالْجَوَارِحِ وَالْاَعْضَاءِ. وَلاَ بِعَرَضٍ مِنَ الاَعْرَاضِ. وَلاَ بِالْغَيْرِيَّةِ وَالْاَبْعَاضِ.

وَلاَ يُقَالُ: لَهُ حَدٌّ وَلاَ نِهَايَةٌ. وَلاَ انقِطَاعٌ وَلاَ غَايَةٌ. وَلاَ أَنَّ الْاَشْيَاءَ تَحْوِيهِ فَتُقِلَّهُ أَوْ تُهْوِيَهُ أَوْ أَنَّ شَيْئاً يَحْمِلُهُ. فَيُمِيلَهُ أَوْ يُعَدِّلَهُ.

لَيْسَ فِي الاَشْيَاءِ بِوَالِجٍ وَلاَ عَنْهَا بِخَارِجٍ. يُخْبِرُ لاَ بِلِسَانٍ وَلَهَوَاتٍ، وَيَسْمَعُ لاَ بِخُرُوقٍ وَأَدَوَاتٍ. يَقُولُ وَلاَ يَلْفِظُ. وَيَحْفَظُ وَلاَ يَتَحَفَّظُ، وَيُرِيدُ وَلاَ يُضْمِرُ. يُحِبُّ وَيَرْضَى مِنْ غَيْرِ رِقَّةٍ. وَيُبْغِضُ وَيَغْضَبُ مِنْ غَيْرِ مَشَقَّةٍ.

ترجمہ: وہ کسی حال میں بدلتا نہیں اور نہ مختلف حالتوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے نہ شب و روز اسے کہنہ کرتے ہیں، نہ روشنی و تاریکی اسے متغیر کرتی ہے اسے اجزاء و جوارح صفات میں سے کسی صفت اور ذات کے علاوہ کسی بھی چیز اور حصوں سے متصف نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے کسی حد اور اختتام اور زوال پذیری اور انتہا کو کہا نہیں جا سکتا اور نہ یہ کہ چیزیں اس پر حاوی ہیں کہ خواہ اسے بلند کریں اور خواہ پست، یا چیزیں اسے اٹھائے ہوئے ہیں کہ چاہے اسے ادھر ادھر موڑیں اور چاہے اسے سیدھا رکھیں۔ نہ وہ چیزوں کے اندر ہے اور نہ ان سے باہر، وہ ہے بغیر زبان اور تالو جبڑے کی حرکت کے وہ سنتا ہے بغیر کانوں کے سوراخوں اور آلات سماعت کے وہ بات کرتا ہے

بغیر تلفظ کے وہ ہر چیز کو یاد رکھتا ہے بغیر یاد کرنے کی زحمت کے وہ اردہ کرتا ہے بغیر قلب اور ضمیر کے وہ دوست رکھتا ہے اور خوشنود ہوتا ہے بغیر رقت طبع کے وہ دشمن رکھتا ہے اور غضبناک ہوتا ہے۔

حضرت کا مقصد یہ ہے کہ پروردگار اپنی قدرت سے جب چاہے جہاں چاہے وہ کسی بھی شی کو بغیر کسی محنت یا تکلیف کے وجود میں لاسکتا ہے کن فیکون کے کلمہ سے کسی چیز کو خلق کر سکتا ہے نہ اس میں وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی دقت کی ضرورت ہے حکم کن سے اس نے یہ پوری کائنات خلق کی۔

يَقُولُ لِمَا أَرَادَ كَوْنَهُ: (كُنْ فَيَكُونَ)، لاَ بِصَوْت يَقْرَعُ، وَلاَ بِنِدَاء يُسْمَعُ، وَإِنَّمَا كَلاَمُهُ سُبْحَانَهُ فِعْلٌ مِنْهُ أَنْشَأَهُ وَمَثَّلَهُ، لَمْ يَكُنْ مِنْ قَبْلِ ذلِكَ كَائِناً، وَلَوْ كَانَ قَدِيماً لَكَانَ إِلهاً ثَانِياً.

لاَ يُقَالُ: كَانَ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ، فَتَجْرِيَ عَلَيْهِ الصِّفَاتُ الْمُحْدَثَاتُ، وَلاَ يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فَصْلٌ، وَلاَ لَهُ عَلَيْهَا فَضْلٌ، فَيَسْتَوِيَ الصَّانِعُ والْمَصْنُوعُ، وَيَتَكَافَأَ الْمُبْتَدَعُ وَالْبَدِيعُ.

خَلَقَ الْخَلاَئِقَ عَلَى غَيْرِ مِثَال خَلاَ مِنْ غَيْرِهِ، وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَى خَلْقِهَا بِأَحَد مِنْ خَلْقِهِ.

وَأَنْشَأَ الْأَرْضَ فَأَمْسَكَهَا مِنْ غَيْرِ اشْتِغَال، وَأَرْسَاهَا عَلَى غَيْرِ قَرَار، وَأَقَامَهَا بِغَيْرِ قَوَائِمَ، وَرَفَعَهَا بِغَيْرِ دَعائِمَ،

ترجمہ: بغیر غم وغصہ کی تکلیف کے جسے پیدا کرنا چاہتا ہے اسے ہوجا کہتا ہے جس سے وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی ایسی آواز کے جو کان (کے پردوں) سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جا سکے بلکہ اللہ سبحانہ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے اور اس طرح کا کلام پہلے سے موجود نہیں ہوسکتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا ہوتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ وہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے کہ اس پر حادث صفتیں منطبق ہونے لگیں اور اس میں اور مخلوقات میں کوئی فرق نہ رہے اور نہ اسے اس پر

کوئی فوقیت و برتری رہے کہ جس کے نتیجہ میں خالق ومخلوق ایک سطح پر آ جائیں اور صانع ومصنوع برابر ہو جائیں۔اس نے مخلوقات کو بغیر کسی ایسے نمونہ کے پیدا کیا کہ جو اس سے پہلے کسی دوسرے نے قائم کیا ہو اور اس کے بنانے میں اس نے مخلوقات میں سے کسی ایک سے بھی مدد نہیں چاہی۔۔وہ زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھے ہوئے اسے برابر رو کے تھامے رہا اور بغیر کسی چیز پر ٹکائے ہوئے اسے برقرار کر دیا اور بغیر ستونوں کے اس نے قائم اور بغیر کھمبوں کے اسے بلند کیا۔

وَحَصَّنَهَا مِنَ الأَوَدَ وَالأَعْوِجَاجِ وَمَنَعَهَا مِنَ التَّهَافُتِ وَالانْفِرَاجِ، أَرْسَى أَوْتَادَهَا، وَضَرَبَ أَسْدَادَهَا، وَاسْتَفَاضَ عُيُونَهَا، وَخَدَّ أَوْدِيَتَهَا. فَلَمْ يَهِنْ مَا بَنَاهُ، وَلاَ ضَعُفَ مَا قَوَّاهُ. هُوَ الظَّاهِرُ عَلَيْهَا بِسُلْطَانِهِ وَعَظَمَتِهِ، وَهُوَ الْبَاطِنُ لَهَا بِعِلْمِهِ وَمَعْرِفَتِهِ، وَالْعَالِي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مِنهَا بِجَلاَلِهِ وَعِزَّتِهِ. لاَ يُعْجِزُهُ شَيْءٌ مِنْهَا طَلَبَهُ، وَلاَ يَمْتَنِعُ عَلَيْهِ فَيَغْلِبَهُ، وَلاَ يَفُوتُهُ السَّرِيعُ مِنْهَا فَيَسْبِقَهُ، وَلاَ يَحْتَاجُ إِلَى ذِي مَالٍ فَيَرْزُقَهُ. خَضَعَتِ الأَشْيَاءُ لَهُ، وَذَلَّتْ مُسْتَكِينَةً لِعَظَمَتِهِ، لاَ تَسْتَطِيعُ الْهَرَبَ مِنْ سُلْطَانِهِ إِلَى غَيْرِهِ فَتَمْتَنِعَ مِنْ نَفْعِهِ وَضَرِّهِ، وَلاَ كُفْؤَ لَهُ فَيُكَافِئَهُ،

ترجمہ: کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے اور پھٹنے سے اسے بچائے رہا۔اسکے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑا اور چٹانوں کو مضبوطی سے نصب کیا،اس کے چشموں کو جاری اور پانی کی گزرگاہوں کو شگافتہ کیا۔اس نے جو بنایا اس میں کوئی سستی نہ آئی اور جسے مضبوط کیا اس میں کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔

وہ اپنی عظمت وشاہی کے ساتھ زمین پر غالب،علم و دانائی کی بدولت اس کے اندرونی رازوں سے واقف اور اپنے جلال وعزت کے سبب سے اس کی ہر چیز پر چھایا ہوا ہے وہ جس چیز کا اس سے خواہاں ہوتا ہے وہ اس کے دسترس سے باہر نہیں ہوسکتی اور نہ اس سے روگردانی کر کے اس پر غالب آ سکتی اور نہ کوئی تیز رو اس کے قبضہ سے نکل سکتا ہے کہ اس سے بڑھ جائے اور نہ وہ کسی مال دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے روزی دے۔تمام چیزیں اس کے دامن عاجز اور اس کی بزرگی وعظمت

کے آگے ذلیل وخوار ہیں، اس کی سلطنت (وسعتوں) سے نکل کرکسی اورطرف بھاگ جانے کی ہمت نہیں رکھتیں کہ اس کے جودوعطا سے بے نیاز اوراس کی گرفت سے اپنے کومحفوظ سمجھ لیں۔

وَلاَ نَظِيرَ لَهُ فَيُسَاوِيَهُ. هُوَ الْمُفْنِي لَهَا بَعْدَ وُجُودِهَا، حَتَّى يَصِيرَ مَوْجُودُهَا كَمَفْقُودِهَا.

وَلَيْسَ فَنَاءُ الدُّنْيَا بَعْدَ ابْتِدَاعِهَا بِأَعْجَبَ مِنْ إِنْشَائِهَا وَاخْتِرَاعِهَا، وَكَيْفَ وَلَوِ اجْتَمَعَ جَمِيعُ حَيَوانِهَا مِنْ طَيْرِهَا وَبَهَائِمِهَا، وَمَا كَانَ مِنْ مُرَاحِهَ وَسَائِمِهَا، وَأَصْنَافِ أَسْنَاخِهَا وَأَجْنَاسِهَا، وَمُتَبَلِّدَةِ أُمَمِهَا وَأَكْيَاسِهَا، عَلَى إِحْدَاثِ بَعُوضَة، مَا قَدَرَتْ عَلَى إِحْدَاثِهَا، وَلاَ عَرَفَتْ كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَى إِيجَادِهَا، وَلَتَحَيَّرَتْ عُقُولُهَا فِي عِلْمِ ذلِكَ وَتَاهَتْ، وَعَجَزَتْ قُوَاهَا وَتَنَاهَتْ، وَرَجَعَتْ خَاسِئَةً حَسِيرَةً، عَارِفَةً بِأَنَّهَا مَقْهُورَةٌ، مُقِرَّةً بِالْعَجْزِ عَنْ إِنْشَائِهَا، مُذْعِنَةً بِالضَّعْفِ عَنْ إِفْنَائِهَا؟!

ترجمہ: نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جواس کے برابر اتر سکے نہ اس کا کوئی مثل ونظیر ہے جو اس سے برابری کر سکے وہی ان چیزوں کو وجود کے بعد فنا کرنے والا ہے یہاں تک کہ موجود چیزیں ان چیزوں کی طرح ہوجائیں کہ جوکبھی تھیں۔ہی نہیں اور یہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد نیست ونابود کرنا اس کے شروع شروع وجود میں لانے سے زیادہ تعجب خیز (ودشوار) نہیں اور کیوں کر ایسا ہوسکتا ہے جب کہ تمام حیوان وہ پرندے ہوں یا چوپائے رات کوگھروں کی طرف پلٹ کرآنے والے ہوں یا چراگاہوں میں چرنے والے جس نوع کے بھی ہوں اور جس قسم کے ہوں وہ اور تمام آدمی کسی بھی صنف سے ہوں یا زیرک وہوشیار سب مل کر اگر ایک مچھر کو پیدا کرنا چاہیں تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں گے اور نہ یہ جان سکیں گے اس کے پیدا کرنے کی کیا صورت اور اس جاننے کے سلسلہ میں ان کی عقلیں حیران وسرگردان اورقوتیں عاجز ودرماندہ ہوجائیں گی اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ شکست خوردہ ہیں اور یہ اقرار کرتے ہوئے کہ وہ اس کی ایجاد سے درماندہ ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ اس کے فنا کرنے سے بھی عاجز ہیں خستہ ونامراد ہوکر پلٹ آئیں گے۔

وَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ، يَعُودُ بَعْدَ فَنَاءِ الدُّنْيَا وَحْدَهُ لاَ شَيْءَ مَعَهُ، كَمَا كَانَ قَبْلَ ابْتِدَائِهَا، كَذٰلِكَ يَكُونُ بَعْدَ فَنَائِهَا، بِلاَ وَقْت وَلاَ مَكَان، وَلاَ حِين وَلاَ زَمَان، عُدِمَتْ عِنْدَ ذٰلِكَ الآجَالُ وَالأَوْقَاتُ، وَزَالَتِ السِّنُونَ وَالسَّاعَاتُ، فَلاَ شَيْءَ إِلاَّ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ الَّذِي إِلَيْهِ مَصِيرُ جَمِيعِ الأُمُورِ، بِلاَ قُدْرَة مِنْهَا كَانَ ابْتِدَاءُ خَلْقِهَا، وَبِغَيْرِ امْتِنَاع مِنْهَا كَانَ فَنَاؤُهَا، وَلَوْ قَدَرَتْ عَلَى الامْتِنَاعِ لَدَامَ بَقَاؤُهَا.

لَمْ يَتَكَاءَدْهُ صُنْعُ شَيْء مِنْهَا إِذْ صَنَعَهُ، وَلَمْ يَؤُدْهُ مِنْهَا خَلْقُ مَا بَرَأَهُ وَخَلَقَهُ، وَلَمْ يُكَوِّنْهَا لِتَشْدِيدِ سُلْطَان، وَلاَ لِخَوْف مِنْ زَوَال وَنُقْصَان، وَلاَ لِلاْسْتِعَانَةِ بِهَا عَلَى نِدٍّ مُكَاثِر، وَلاَ لِلاْحْتِرَازِ بِهَا مِنْ ضِدٍّ مُثَاوِر، وَلاَ لِلاْزْدِيَادِ بِهَا فِي مُلْكِهِ، وَلاَ لِمُكَاثَرَةِ شَرِيك فِي شِرْكِهِ،

ترجمہ: بلاشبہ اللہ سبحانہ دنیا کے مٹ مٹا جانے کے بعد ایک اکیلا ہوگا۔کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔جس طرح کہ دنیا کی ایجاد وآفرینش سے پہلے تھا۔یونہی اس کے فنا ہوجانے کے بعد بغیر وقت ومکان اور ہنگام اور کے ہوگا اس وقت مدتیں اوراوقات سال اور گھڑیاں سب نابود ہوں گی سوائے اس ءدائے واحد وقہار کے جس کی طرف تمام چیزوں کی بازگشت ہےکوئی چیز باقی نہ رہے گی ان کی آفرینش کی ابتدا ان کے اختیار وقدرت سے باہر تھی اوران کا فنا ہونا بھی ان کی روک ٹوک کے بغیر ہوگا اگران کوانکار پر قدرت ہوتی توان کی زندگی بقا سے ہمکنار ہوتی جب اس نے کسی چیز کو بنایا تو اس کے بنانے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور نہ جس چیز کو اس نے خلق وایجاد کیا اس کی آفرینش نے اسے خستہ ودرماندہ کیا اسنے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو استوار کرنے اورمملکت کے زوال اورعزت کے انحطاط کے خطرات (سے بچنے) اورکسی جمع جتھے والے حریف کے خلاف مدد حاصل کرنے اورکسی حملہ آور غنیم سے محفوظ رہنے اور ملک وسلطنت کا دائرہ بڑھانے اورکسی شریک کے مقابلہ میں اپنی کثرت پراترانے کے لئے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا

وَلاَ لِوَحْشَة كَانَتْ مِنْهُ، فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَأْنِسَ إِلَيْهَا. ثُمَّ هُوَ يُفْنِيهَا بَعْدَ تَكْوِينِهَا، لاَ لِسَأَم دَخَلَ عَلَيْهِ فِي تَصْرِيفِهَا وَتَدْبِيرِهَا، وَلاَ لِرَاحَة وَاصِلَة إِلَيْهِ، وَلاَ لِثِقَلِ شَيْء مِنْهَا عَلَيْهِ.

لاَ يُمِلُّهُ طُولُ بَقَائِهَا فَيَدْعُوَهُ إِلَى سُرْعَةِ إِفْنَائِهَا، لٰكِنَّهُ سُبْحَانَهُ دَبَّرَهَا بِلُطْفِهِ، وَأَمْسَكَهَا

بِأَمْرِهِ، وَأَتْقَنَهَا بِقُدْرَتِهِ. ثُمَّ يُعِيدُهَا بَعْدَ الْفَنَاءِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ إِلَيْهَا، وَلاَ اسْتِعَانَةٍ بِشَيْءٍ مِنْهَا عَلَيْهَا، وَلاَ لِانْصِرَافٍ مِنْ حَالِ وَحْشَةٍ إِلَى حَالِ اسْتِئْنَاسٍ، وَلاَ مِنْ حَالِ جَهْلٍ وَعَمًى إِلَى حَالِ عِلْمٍ وَالْتِمَاسٍ، وَلاَ مِنْ فَقْرٍ وَحَاجَةٍ إِلَى غِنًى وَكَثْرَةٍ، وَلاَ مِنْ ذُلٍّ وَضَعَةٍ إِلَى عِزٍّ وَقُدْرَةٍ. (۱۹)

ترجمہ: اور نہ اس نے تنہائی کی وحشت سے گھبرا کر یہ چاہا ہو کہ ان چیزوں سے جی لگائے پھر وہ ان چیزوں کو بنانے کے بعد فنا کردے گا اس لئے نہیں کہ ان میں ردوبدل کرنے اور ان کی دیکھ بھال رکھنے سے اسے دل تنگی لاحق ہوئی ہو اور نہ اس آسودگی وراحت کے خیال سے کہ جو انہیں مٹا کر اسے حاصل ہونے کی توقع ہو اور نہ اس وجہ سے کہ ان میں سے کسی چیز کا اس پر بوجھ ہو۔

اسے ان چیزوں کی طول طویل بقا آرزدہ و دل تنگ نہیں بناتی کہ یہ انہیں جلدی سے فنا کردینے کی اسے دعوت دے بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے لطف وکرم سے ان کا بندوبست کیا ہے اور اپنے فرمان سے ان کی روک تھام کر رکھتی ہے اور اپنی قدرت سے ان کو مضبوط بنایا ہے پھر وہ ان چیزوں کو فنا کے بعد پلٹائے گا نہ اس لئے کہ ان میں سے کسی چیز کی اسے احتیاج ہے اور ان کی مدد کا خواہاں ہے اور نہ تنہائی کی الجھن سے منتقل ہو کر دل بستگی کی حالت پیدا کرنے کے لئے اور جہالت و بے بصیرتی کی حالت سے واقفیت و تجربات کی دنیا میں آنے کے لئے اور فقر واحتیاج سے دولت وفراوانی اور ذلت وپستی سے عزت وتوانائی کی طرف منتقل ہونے کے لئے ان کو دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

اپنی ذات میں توحید خداوندی کو علامہ مفتی جعفر حسینؒ نے سیرت امیر المومنینؑ میں نہج البلاغہ کے خطبات کے اقتباسات کی روشنی میں توحید کی چار اقسام بیان کی ہیں:

توحید کے معنی

توحید کے معنی یہ ہے کہ خالق کائنات ایک ہے اور ہر اعتبار سے واحد و یکتا ہے نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ صفات میں اور نہ افعال میں خلق ورزق موت وحیات اور نظم عالم میں اسی کا عمل دخل ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی معبود اور عبادت کا سزاوار ہے اس لحاظ سے توحید کے

چار اقسام ہوں گے توحید فی الذات توحید فی الصفات، توحید فی الافعال اور توحید فی العبادات۔

توحید فی الذات کے بارے میں حضرت کا ارشاد ہے۔

وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ اَنَّه لَوْ كَانَ لِرَبِّكَ شَرِيْكٌ لَاتَتْكَ رُسُلُه وَلَرَاَيْتَ آثَارَ مُلْكِه وَ سُلْطَانِه وَ عَرَفْتَ اَفْعَالِه وَ صِفَاتِه وَ لٰكِنَّه اِلٰه وَاحِدٌ كَمَا وَصَفَ نَفْسَه لَا يُضَادَه فِي مُلْكِه اَحَدٌ وَلَا يَزُوْلُ اَبَدًا۔ (۲۰)

ترجمہ: اے فرزند یقین کرو کہ اگر تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے بھی رسول آتے اور اس کی سلطنت وفرمانروائی کے بھی آثار دکھائی دیتے اور اس کے افعال وصفات بھی کچھ معلوم ہوتے مگر وہ ایک اکیلا خدا ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیا ہے اس کے ملک میں کوئی اس سے ٹکر نہیں لے سکتا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

خداوند عالم کی وحدت و یکتائی پر یہ ایک کھلی ہوئی اور روشن دلیل ہے جس میں نہ اصطلاحی الفاظ صرف ہوئے ہیں اور نہ ترتیب مقدمات سے اخذ نتائج پر مبنی ہے بلکہ اتنی سادہ اور واضح ہے کہ ہر سطح کا ذہن اسے سمجھتا اور قبول کرتا ہے اس سے کسی فرد کو خواہ وہ کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو انکار نہیں ہوسکتا کہ ابتدائے آفرینش سے پیغمبر خاتم تک جتنے بھی انبیاء ورسل آئے سبھوں نے ایک ہی خدا کی نشاندہی کی اور ایک ہی خدا کا پیغام پہنچایا اگر اس ذات واحد کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہوتا تو اس کے واجب الوجود ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ علم وقدرت اور دوسرے صفاتِ کمالیہ رکھتا اور ان صفاتِ کمالیہ کا ظہور ہوتا اس کی قدرت کے آثار اور علم وحکمت کئے مظاہر دیکھنے میں آتے اور انبیاء ورسل کے ذریعہ اس کے احکام ہم تک پہنچتے ان میں سے کچھ ایک خدا کی طرف سے آتے کچھ دوسرے خدا کی طرف سے مبعوث ہوتے اور اپنے اپنے خدا کی نمائندگی کرتے۔ مگر اول سے آخر تک ہر نبی کی زبان سے بغیر کسی اختلاف کے ایک ہی آواز بلند ہوتی ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے اور ہم سب اسی ایک خدا کے فرستادہ ہیں جس کا کوئی شریک ومثیل نہیں ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (۲۱)

ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اسے وحی کے ذریعہ یہی تعلیم دیتے رہے کہ

میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا میری عبادت کرو۔

دنیا میں اور چیزوں کو بھی ایک کہا جاتا ہے مگر اللہ کی وحدت ان ایک کہی جانے والی چیزوں سے جداگانہ نوعیت رکھتی ہے وہ نہ گنتی میں سماتا ہے اور نہ شمار میں آتا ہے۔ پروردگار عالم اپنی ذات میں خود صفت ہے کوئی صفت الگ سے اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس کی ذات ہی عین صفت اور موصوف کا تعلق عارض اور معروض سے ہوتا ہے یعنی کبھی صفات موصوف میں پائی جاتی ہیں کبھی نہیں اور خدا ان چیزوں سے بری ہے۔

توحید فی الصفات کے بارے میں حضرت کا ارشاد ہے۔

فمن وصف الله سبحانه فقد قرنه و من قرنه فقد ثناه ومن ثناه فقد جزاه ومن جزاه فقد جهله۔ (۲۲)

ترجمہ: جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفات مانے اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا اس نے دوئی پیدا کی جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہو وہ اس سے بے خبر رہا۔

اللہ کے صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں بلکہ عین ذات ہیں بایں معنی کہ یہ صفتیں خارج سے اس پر طاری نہیں ہوتیں بلکہ خود اس کی ذات ہی ان صفات کمالیہ کا مبدا و منشا ہے اگر اس کے صفات زائد بر ذات قرار دیئے جائیں گے تو چونکہ اس کی ہر صفت قدیم ہے اس لئے جتنی صفتیں ہوں گی اتنے خدا اور ماننا ہوں گے اور اگر ذات و صفات کے مجموعہ کو وجوب قدامت سے متصف مانا جائے تو ذات خداوندی میں ترکیب لازم آئے گی اور یہ دونوں چیزیں توحید کے منافی ہیں لہٰذا ان صفات کو عین ذات ماننا ہی تقاضائے توحید ہے۔

پروردگار عالم اپنے تمام افعال میں واحد و یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے یہ کائنات اپنے ارادے سے خلق فرمائی ہے اگر غور کیا جائے تو پروردگار علت فاعلیہ ہے اور یہ کائنات اس کا فعل ہے۔توحید فی الافعال کے بارے میں حضرت کا ارشاد ہے۔

ذلك مبتدع الخلق ووارثه واله الخلق ورازقه والشمس والقمر دائبان فی مرضاته (۲۳)

ترجمہ: وہی مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور اس کا وارث و مالک ہے اور کائنات کا معبود اور ان کا رازق ہے سورج اور چانداسی کی منشا کے مطابق ایک ڈھرے پر بڑھے جانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ اپنے علم وقدرت سے ہر چیز پر علمی وعملی احاطہ کئے ہوئے ہے اور کوئی چیز اس کے دائرہ علم واحاطہ اختیار سے باہر نہیں ہے وہ ہر چیز کو جانتا اور ہر شے پر اقتدار تام رکھتا ہے اسے نہ کسی معاون کی ضرورت اور نہ کسی شریک کار کی حاجت ہے وہی خالق ورازق محیی وممیت اور مدبر وکارساز عالم ہے اس نے خلق ورزق احیا وَاماتت اور تدبیر عالم میں نہ کسی کو اپنا شریک ٹھہرایا ہے اور نہ یہ امور کسی کے سپرد کئے ہیں وہ جس طرح اپنی ذات میں کوئی شریک نہیں رکھتا اسی طرح اپنے افعال میں بھی دوسروں کی شرکت سے بے نیاز ہے چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے۔

أَللهُ الَّذِی خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ ذالِكُم مِنْ شَيْءٍ سُبْحَانَهُ وَتَعالى عَمَّا يُشْرِكُونَ (۲۴)

ترجمہ: خداوہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر وہی تمہیں مارے گا پھر وہی تمہیں جلائے گا کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے یہ لوگ جسے اس کا شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک ومنزہ ہے۔

ذات حق تنہا عبادت کے لائق ہے اس لئے کہ وہی ہمارا خالق ہے۔لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لئے اسی کی عبادت کریں کسی اور کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔

توحید فی العبادات کے بارے میں حضرت کا ارشاد ہے:

الذی لا تحق العبادۃ لغیرہ الا لہ۔ (۲۵)

عبادت کا استحقاق اللہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

اللہ معبود حقیقی ہے اور اس کے علاوہ سب اس کے بندے ہیں اس عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسی کی عبادت کریں اور اسی کے آگے سجدہ ریز ہوں۔ ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی امت کو خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم دی اور پیغمبر اسلام نے بھی عبادت کو مقصدِ حیات انسانی قرار دیتے ہوئے اسی کو عبادت کا سزاوار ٹھہرایا اور خود ساختہ بتوں کی پرستش سے بشدت منع کیا

توحید کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کو ایک مان لیا جائے بلکہ ایک ماننے کے ساتھ ہر بندگی اور ہر پرستش کو بھی اس کے لئے مخصوص کرنا ضروری و لازمی ہے اگر کوئی شخص اللہ کو ایک مانتا ہے مگر شعوری یا لاشعوری طور پر غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کرتا ہے وہ آخرت کی کامیابی و کامرانی سے محروم رہتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ (۲۶)

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (۲۷)

جو شخص اپنے پروردگار کی لقاء کا امیدوار ہے اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

معرفتِ خدا اور کائنات

جب اس کائنات پر ہم نظر ڈالتے ہیں اور خالق کائنات کی عطا کردہ انواع واقسام کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار یہ خیال آتا ہے کہ ان تمام نعمتوں کے عطا کرنے والے کو پہچانیں کہ آخر وہ کون ہے اور یہ احساس اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کی خواہش انسان کی فطرت میں موجود ہے۔
اس بزرگ وبرتر کائنات کے پوشیدہ رازوں کو جاننے کا اشتیاق ہر شخص کو ہوتا ہے ہمیں معلوم ہونا صاہئے یہ روشن نجوم سے پر یہ فلک خوب صورت مناظر سے بھری یہ دنیا اور اس میں بے شمار مخلوقات، بہتے آبشار، طائروں کی چہچہاھت، دوڑتے بھاگتے حیوانات سمندروں میں موجود انواع واقسام کی مچھلیاں، بہتے دریا، بلند قامت پہاڑ، درختوں سے بھرے جنگل، وسیع وعریض صحرا، رنگین پھولوں سے لدے باغات، یہ ساری چیزیں اپنے آپ پیدا ہوگئیں یہ کائنات کسی عظیم فاعل کا فعل ہے۔اور کسی قدرت مند طاقت کا شہکار ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔انسان جب اپنے نفس پر غور کرتا ہے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہم اس دنیا میں کس مقصد کے لئے آئے ہیں اور ہمیں واپس کہاں جانا ہے۔حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے:

رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَءً مَنْ عَلِمَه مِنْ اَیْنِ وَفِی اَیْنِ وَاِلٰی اَیْنِ (۲۸)

ترجمہ: خدا رحمت کرے اس شخص پر جو یہ جان لے کہ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں پر ہے؟ اور کہاں جانے والا ہے؟

ان سوالات کے جوابات کی تلاش میں انسان لگا رہتا ہے اور ہمارا شوقِ جستجو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم ان سوالات کے جوابات حاصل کریں یہ ہماری روح کی پیاس ہے جو ہمیں اس کائنات اور اپنے وجود کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل کرنے پر ابھارتی ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہماری زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا؟ آخر ہم کہاں جائیں گے اور ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں؟

انسان میں عقل کا جوہر ودیعت کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ زمین وآسمان اور کائنات کی وسعتوں پر غور وفکر

کرتا ہے اور اپنے ذہن کا رخ خالقِ کائنات کی طرف موڑ لیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قل انظروا ماذا فی السموات والارض ۔(۲۹)

ان سے کہو کہ زمین آسمان کی چیزوں پر نظر ڈالیں

دنیا میں مختلف مذاہب ہمیں اپنی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ہماری خوشبختی اور کامیابی کا دارومدار صحیح راستے کے انتخاب پر ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ہم غوروفکر کے ذریعے صحیح راستے کا انتخاب کریں اور ترقی و کامیابی کے راستے کو چن لیں۔

سورۂ زمر آیات نمبر ۱۷ اور ۱۸ اسے ہی افراد کو کامیاب قرار دے رہی ہیں

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰہِ لَهُمُ الْبُشْرٰی فَبَشِّرْ عِبَادِ۔ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(۳۰)

ترجمہ: اور خدا ہی کی طرف رجوع کی ان کے لئے (جنت کی) خوشخبری ہے تو (اے رسول) تم میرے (خاص) بندوں کو خوش خبری دے دو جو بات کو جی لگا کر سنتے ہیں اور پھر اس میں سے اچھی بات پر عمل کرتے ہیں یہی لوگ وہ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔

خدا کی معرفت کے فوائد

آیت اللہ مکارم شیرازی خدا کی معرفت کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) خدا کی معرفت کے فوائد:

فرض کیجئے کہ آپ کا ایک دوست آپ کو ایک کتاب کا تحفہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کتاب بہت دلچسپ ہے اس کا مصنف ایک نامور دانشور اور محقق ہے۔ اس نے برسوں کی تحقیق کے بعد یہ کتاب لکھی ہے یقیناً آپ اس کتاب کا سرسری مطالعہ نہیں کریں گے بلکہ اس کی ہر ہر سطر اور ہر ہر

لفظ کو نہایت توجہ سے پڑھیں گے اور اگر اس کا کوئی لفظ یا جملہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا تو گھنٹوں اس پر سوچ بچار کریں گے تا کہ اس کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے کیونکہ یہ کتاب کسی عام آدمی نے نہیں بلکہ ایک دانشور اور محقق نے لکھی ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر آپ سے کہا جائے کہ یہ کتاب اگر چہ بڑی نفیس ہے لیکن اس کے مصنف کا کوئی علمی قد کاٹھ نہیں ہے اور اس کتاب میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ آپ اس کتاب کا سرسری مطالعہ کریں گے اور جہاں پر بھی مفہوم واضح نہیں ہوگا اسے مصنف کی کم علمی سمجھیں گے یہ کائنات بھی ایک بہت بڑی کتاب کی طرح ہے اس کائنات کا ہر ذرہ کسی عظیم کتاب کے ایک لفظ یا جملے کی حیثیت رکھتا ہے اس کا ذرہ ذرہ ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے ایک باایمان انسان خدا پرستی کے نور کے سہارے تخلیق کے سربستہ رازوں کو سمجھنے کی جستجو کرتا ہے یہی سائنس اور انسانی علوم کی ترقی کا راز بھی ہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ اس کائنات کا خالق لامحدود علم اور قدرت رکھتا ہے۔اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے اسی لئے وہ بہت باریک بینی سے کتاب کائنات کا مطالعہ کرتا ہے اور بہت سوچ بچار سے کام لیتا ہے تا کہ قدرت کے رازوں پر سے پردہ اٹھا سکے۔'' (۳۱)

سب سے پہلا مرحلہ اپنے پروردگار کی معرفت ہے اور جب انسان معرفت خداوندی حاصل کر لیتا ہے تو اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور اس تک پہنچنے کے وسیلے کی تلاش شروع کر دیتا ہے۔اور بالآخر اسے پالیتا ہے۔اور اس پر ایمان اور پختہ ہو جاتا ہے۔اور وہ اپنے تمام امور اپنے خالق کے سپرد کر دیتا ہے اور اپنی تمام امیدوں اور آرزوں کا ملجا و ماویٰ اسی کو قرار دیتا ہے۔

(۲) خدا کی معرفت، تلاش اور امید:

جب انسان مشکلات کے گرداب میں پھنس جاتا ہے اور اس سے نکلنے کے تمام راستے بند پاتا ہے تو اسے اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگتا ہے ایسے موقع پر صرف خدا پر ایمان ہی اسے ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔

جولوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ خود کو تنہا اور بے سہارا نہیں سمجھتے۔ وہ مایوسی کا شکار بھی نہیں ہوتے۔انہیں کبھی بھی بے بسی کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا کی قدرت تمام مشکلات پر غالب ہے اور اس کی مدد سے سب مشکلات آسان ہوجاتی ہیں۔خدا کو ماننے والے اپنے خدا پر بھروسا کرتے ہیں اور اس کے کرم کی امید کے ساتھ مشکلات سے نبردآزما ہونے کے لئے کمر ہمت کس لیتے ہیں اور اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خدا کے بھروسے پر اپنی کوششیں جاری رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ مشکلات کے گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

جی ہاں !خدا پر ایمان ہر مشکل میں انسان کے لئے امید کی کرن ہے خدا پر ایمان استقلال اور استقامت کا ضامن ہے خدا پر ایمان مایوسی سے بچنے کا محفوظ راستہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ کبھی بھی خودکشی نہیں کرتے جن کا خدا پر ایمان پکا ہوتا ہے کیونکہ خودکشی مایوسی ،شکست اور مشکلات کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نام ہے لیکن باایمان لوگ نہ تو مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی شکست کا احساس کرتے ہیں۔'' (۳۲)

خدا کی معرفت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی قرب الٰہی میں اضافہ ہوجاتا ہے اور بندہ اپنے خالقِ حقیقی تو محبت کرتا ہے اس کی مخلوق سے بھی انس پیدا کرلیتا ہے۔ خاص طور پر انسان سے محبت کرنے لگتا ہے جولوگ باایمان ہوتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق پر رحم کرتے ہیں۔ان کی خدمت عبادت سمجھتے ہیں جبکہ بے ایمان لوگ غیر ذمہ دار اور ظالم ہوتے ہیں انہیں اللہ کے بندوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

(۳) خدا کی معرفت اور ذمے داری کا احساس:

''ہم بہت سے ایسے ڈاکٹروں کو جانتے ہیں کہ جب ان کے پاس کوئی غریب مریض آتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی فیس نہیں لیتے بلکہ اس کو مفت دوا بھی دیتے ہیں اور اگر مریض کی حالت زیادہ خراب ہوتو اس کے چھوٹے سے مکان میں رات بھر اس کے سرہانے جاگتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی خدا پرست ،اور باایمان ہوتے ہیں اور ہم ایسے ڈاکٹروں کو بھی جانتے ہیں جو فیس لئے بغیر مریض کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے کیونکہ ان کا ایمان پختہ نہیں ہوتا۔ وہ پیسے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

باایمان انسان خواہ کسی بھی پیشے سے وابستہ ہووہ اپنی ذمے داری کا احساس رکھتا ہے۔وہ فرض شناس، نیک اورنرم خوہوتا ہے وہ اس بات کوبخوبی جانتا ہے کہ اس پرایک نگران موجود ہے جو ہرآن اس کو دیکھ رہا ہے اس کے برعکس بے ایمان لوگ خود پسند، خودغرض اور خطرناک ہوتے ہیں۔وہ کسی بھی ذمے داری کا احساس نہیں کرتے، دوسروں پرظلم کرنا اوران کی حق تلفی کرنا بے ایمان لوگوں کے لئے معمولی بات ہے اور وہ نیک کام کرنے کے لئے بہت ہی کم آمادہ ہوتے ہیں۔(۳۳)

(۴) خدا کی معرفت اورسکون قلب:

پروردگارعالم کاارشاد ہے:

اَلَا بِذِ کْرِ اللّٰہِ تطمئن القلوب

ترجمہ: ذات حق پرایمان رکھنے والاشخص مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے۔

اس کا سارا ھم وغم اللہ کے لئے ہوتا ہے۔وہ صرف اللہ پر بھروسہ کرتا ہے برے حالات میں بھی توکل علی اللہ کرتا ہے۔

علم نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں نفسیاتی بیماریاں اور ذہنی پریشانیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان بیماریوں کی بڑی وجہ مستقبل کی پریشانی یا غربت، جنگ اورموت کا خوف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ انسان کی روح کوان پریشانیوں اورفکروں سے ''خدا پرایمان'' ہی بچاسکتا ہے کیونکہ جب بھی پریشانیاں اورخوف پیدا کرنے والے عوامل اس کی روح کومتاثر کرنا چاہتے ہیں تو''خدا پرایمان'' اسے ان سے متاثر نہیں ہونے دیتا۔

وہ مہربان خدا جوبن مانگے روزی دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب آگاہ ہے اور جب اس کے بندے اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو وہ ان کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا بلکہ ان کی جھولی بھردیتا ہے یہی وجہ ہے کہ سچے مومن پرسکون اور مطمئن ہوتے ہیں۔انہیں کوئی ذہنی پریشانی نہیں ستاتی کیونکہ ان کا ہرکام خدا کے لئے ہوتا ہے اگر کبھی انہیں کوئی نقصان

پہنچ بھی جائے تو وہ اس کی تلافی کے لئے خدا کی پناہ تلاش کرتے ہیں یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری رہتی ہے۔"(۳۴)

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسوَا اِيْمَانُهُمْ بِظُلْمٍ اُولَئِكَ لَهُمُ الاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ۔ (۳۵)

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا، سکون اور امن ان ہی کے لئے ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

معرفت خدا اور کائنات کے سلسلے میں مذکورہ مطالب کی تائید میں ہم حضرت علیؑ کا ایک جامعہ خطبہ ذیل میں تحریر کر رہے ہیں:۔

اَنْشَاءَ الْخَلْقَ اِنْشَاءً وَابْتَدَاهُ ابْتَدَاءً بِلاَرَوِيَّةٍ اَجَالَهَا۔ وَلاَ تَجْرِبَةً اسْتَفَادَهَا وَلاَ حَرَكَةً اَحْدَثَهَا۔ وَلاَ هَمَامَةِ نَفْسٍ اضْطَرَبَ فِيْهَا اَحَالَ الْاَشْيَاءَ لِاَوْقَاتِهَا وَلاَمَ بَيْنَ مُخْتَلِفَاتِهَا وَغَرَّزَ غَرَائِزَهَا وَاَلْزَمَهَا اَشْبَاحَهَا عَالِمًا بِهَا قَبْلَ ابْتِدَائِهَا مُحِيْطًا بِحُدُوْدِهَا وَاَنْتِهَائِهَا عَارِفًا بِقَرَائِنِهَا وَاَحْنَائِهَا ثُمَّ اَنْشَاَ سُبْحَانَهُ فَتْقَ الاَجْوَاءِ وَشَقَّ الْاَرْجَاءِ وَسَكَائِكَ الْهَوَاءِ فَاَجْرَى فِيْهَا مَاءً مُتَلاطِمًا تَيَّارُهُ مُتَرَاكِمًا زَخَّارُهُ حَمَلَهُ عَلٰى مَتْنِ الرِّيْحِ الْعَاصِفَةِ وَالزَّعْزَعِ الْقَاصِفَةِ فَاَمَرَهَا بِرَدِّهِ وَسَلَّطَهَا وعَلٰى شَدِّهِ وَقَرَنَهَا اِلٰى حَدِّهِ الْهَوَاءُ مِنْ تَحْتِهَا فَتِيْقٌ

ترجمہ: اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بے تاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا ان کی حدود و نہایت پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضا کو پہچانتا تھا پھر یہ کہ اس نے

کشادہ فضا و وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابندر کھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی جس کا چلنا بانجھ بے ثمر تھا پھر اسے اس کے مرکز پر قرار رکھ کر اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور دراز تک پھیلا دی۔

وَالْمَآءُ مِنْ فَوْقِهَا دَفِيْقٌ ثُمَّ اَنْشَا سُبْحَانَهٗ رِيْحًا اعْتَقَمَ مَهَبَّهَا وَاَدَامَ مَرَبَّهَا وَاَعْصَفَ مَجْرَاهَا، وَاَبْعَدَ مَنْشَاهَا فَاَمَرَهَا بِتَصْفِيْقِ الْمَآءِ الزَّخَّارِ وَاِثَارَةِ مَوْجِ الْبِحَارِ۔ فَمَخَضَتْهُ مَخْضَ السِّقَاءِ وَعَصَفَتْ بِهٖ عَصْفَهَا بِالْفَضَاءِ تَرُدُّ اَوَّلَهٗ اِلٰى آخِرِهٖ وَسَاجِيَهٗ اِلٰى مَائِرِهٖ حَتّٰى عَبَّ عِبَابُهٗ، وَرَمٰى بِالزَّبَدِ رُكَامُهٗ فَرَفَعَهٗ فِيْ هَوَاءٍ مُنْفَتِقٍ وَجَوٍّ مُنْفَهِقٍ فَسَوّٰى مِنْهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ جَعَلَ سُفْلَاهُنَّ مَوْجًا مَكْفُوفًا وَعُلْيَاهُنَّ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَسَمْكًا مَرْفُوعًا بِغَيْرِ عَمَدٍ يَدْعَمُهَا وَلَادِسَارٍ يَنْظِمُهَا ثُمَّ زَيَّنَهَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَضِيَاءِ الثَّوَاقِبِ وَاَجْرٰى فِيْهَا سِرَاجًا مُسْتَطِيْرًا وَقَمَرًا مُّنِيْرًا فِيْ فَلَكٍ دَائِرٍ، وَسَقْفٍ سَائِرٍ وَرَقِيْمٍ مَائِرٍ ثُمَّ فَتَقَ مَابَيْنَ السَّمٰوٰتِ الْعُلَا فَمَلَاَهُنَّ اَطْوَارًا مِّنْ مَلَائِكَتِهٖ مِنْهُمْ سُجُودٌ لَايَرْكَعُونَ وَرُكُوعٌ لَايَنْتَصِبُونَ وَصَافُّونَ لَايَتَزَايَلُونَ وَمُسَبِّحُونَ لَايَسْاَمُونَ

ترجمہ: پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اچھالے اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے ڈھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے

آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت پھران کو ستاروں کی سج دھج اور روشن ستاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضو پاش چراغ اور جگمگا تا چاند رواں کیا جو گھومنے والے فلک چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔کچھ ان میں سر بسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے کچھ رکوع میں ہیں، جو سیدھے نہیں ہوتے کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کررہے ہیں جو اکتائے نہیں،

لاَ يَغْشَاهُمْ نَوْمُ الْعَيْنِ وَلاَسَهْوُ الْعُقُوْلِ وَلاَ فَتْرَةُ الْاَبْدَانِ وَلاَ غَفْلَةُ النِّسْيَانِ وَمِنْهُمْ اَمَنَاءُ عَلٰى وَحْيِهِ، وَالْسِنَةٌ اِلٰى رُسُلِهِ وَمُخْتَلِفُونَ بِقَضَائِهِ وَاَمْرِهِ وَمِنْهُمْ الْحَفَظَةُ لِعِبَادِهِ وَالسَّدَنَةُ لِاَبْوَابِ جِنَانِهِ وَمِنْهُمْ الثَّابِتَةُ فِي الْاَرْضِيْنَ السُّفْلٰى اَقْدَامُهُمْ وَالْمَارِقَةُ مِنَ السَّمَآءِ الْعُلْيَا اَعْنَاقُهُمْ وَالْخَارِجَةُ مِنَ الْاَقْطَارِ اَرْكَانُهُمْ وَالْمُنَاسِبَةُ لِقَوَآئِمِ الْعَرْشِ اَكْتَافُهُمْ نَاكِسَةٌ دُوْنَهُ اَبْصَارُهُمْ متَلَفِّعُوْنَ تَحْتَهُ بِاَجْنِحَتِهِمْ مَضْرُوبَةٌ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَنْ دُوْنَهُمْ حُجب الْعِزَّةِ وَاَسْتَارُ الْقُدْرَةِ لاَيَتَوَهَّمُونَ رَبَّهُمْ بِالتَّصْوِيْرِ وَلاَ يُجْرُونَ عَلَيْهِ صِفَاتِ الْمَصْنُوْعِيْنَ وَلاَ يَحُدُّوْنَهُ بِالْاَمَاكِنِ وَلاَ يُشِيْرُوْنَ اِلَيْهِ بِالنَّظَائِرِ ۔ (۳۶)

ترجمہ: نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے۔نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی وکاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان برحق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں

اوران میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و
صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں
نہ اسے محل ومکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں نہ اشتباہ ونظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت کے مذکورہ خطبے سے کائنات کی خلقت کے ذریعے خالق کو پہچاننا اور آسان ہو گیا ہے جس میں آپ نے بڑے مدلل انداز میں مخلوقات کی خلقت کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے اور سب سے پہلے انسان کی خلقت کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح پروردگار عالم نے انسان کو وجود بخشا اور کتنے منظم انداز میں اس کو خلق فرمایا اس کی صورت گری کی اور ہر ایک کو مختلف خدوخال رنگ اور جنسوں میں پیدا کیا مختلف طبعتوں اور مزاج کا حامل بنایا کسی انسان کی شکل ایک دوسرے سے نہیں ملتی ہر ایک کی صورت مختلف حتی کہ کسی انسان کی انگلیوں کے پور کے نشان بھی ایک جیسے نہیں ہوتے ہر ایک کی شناخت الگ ہے۔خود انسان اپنی خلقت پر غور کرے تو وہ صانع عالم کی تعریف کئے بغیر اور اس کی حمد وتسبیح کئے بغیر نہیں رہ سکتا خود اپنے وجود میں غور فکر کرے تو اپنے رب کی معرفت حاصل کر سکتا ہے کہ پروردگار نے کس طرح اپنی حکمت بالغہ قدرت کاملہ سے ایک تنظیم وترتیب کے تحت کارفرمائی کی ہے۔حضرتؑ کا قول ہے:

الحمد للہ الدال علی وجودہ بخلقہ و بمحدث خلقہ علی ازلیتہ (۳۷)

ترجمہ: تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو خلق کائنات سے اپنے وجود کا اور پیدا شدہ مخلوقات سے
اپنے قدیم وازلی ہونے کا پتہ دینے والا ہے۔

انسان کو جو ہر عقل عطا کیا ہے اور حضرت علیؑ نے انسان کا فطری ہونے کا باوجود عقل کو معرفت خالق کائنات کا معیار قرار دیا ہے اور قدرتی آثار اور خلقت کائنات سے اس کے وجود کو ثابت کیا ہے اور ان دلائل کی بنیاد انسان کا وہ علم وایقان ہے جو کائنات کی وسعت میں تفکر ونظر سے انسان کے شعور میں اجاگر ہوتا ہے چنانچہ ایک سطحی علم رکھنے والا شخص اثر سے موثر کا پتہ لگا سکتا ہے اور اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ کسی راہرو کے بغیر قدم کے نشان نہیں ابھرتے اور نہ ہی کسی معمار کے بغیر کوئی عمارت تعمیر ہوتی ہے کوئی بھی مصنوع چیز کسی صانع کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی کوئی خلق شدہ چیز کسی خلق کرنے والے کے بغیر کیسے وجود میں آسکتی ہے چاہے خالق نظروں کے سامنے ہو یا پنہاں اپنی صنعت سے پہچانا جاتا ہے۔

لہٰذا پروردگار عالم جو کہ ہمارا خالق و مالک ہے اس کے وجود کے اثبات کے لئے ضروری ہے کہ کائنات اور اس کے عجائبات کا بغور مطالعہ کیا جائے اور سوچا جائے کہ کوئی عمل بغیر عامل یا کوئی فعل بغیر فاعل کے کیونکہ ہوسکتا ہے۔

پروردگار عالم نے کائنات میں غور وفکر کا حکم دیا ہے تا کہ جس کے نتیجہ میں اس کی ہستی کو ثابت کیا جا سکے۔ارشاد قدرت ہے:

قل انظروا ماذا فی السموات والارض۔ (۳۸)

ترجمہ:ان سے کہو کہ وہ زمین وآسمانوں کی چیزوں پر نظر ڈالیں۔

جب انسان اس کائنات پر نگاہ ڈالے گا غور وفکر کرے گا تو یقیناًاس نتیجہ پر ضرور پہنچے گا کہ کوئی چیز جب بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آسکتی تو یہ پوری کائنات بغیر کسی صانع کے کیسے بن سکتی ہے لہٰذا اس کائنات کا کوئی موجد ہو جو بذات خود وجود رکھتا ہو اور اپنے وجود ہستی میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

حدیث میں درج ہے:

من عرف نفسه فقد عرف ربه (۳۹)

ترجمہ:جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرلی۔

اگر انسان اپنے وجود کا بغور مطالعہ کرے تو وہ یہ جان لے گا کہ قدرت کی کارفرمائی کا کرشمہ خود اس کے اندر پنہاں ہے ہر ادنیٰ سے اعلیٰ شی اس کے وجود سے واضح وروشن دلیل ہے ایک معمولی کیڑے سے لے کر آفاق میں پھیلے ہوئی اشیاء اس کا کلمہ پڑھ رہی ہیں۔

یہ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیاں پیکر انسانی میں پنہاں ہیں گویا کائنات ایک مفصل کتاب ہے اور انسان اس کائنات کا ایک مجمل صفحہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اتزعم انك جرم صغیر وفیك الطوی العالم الاکبر (۴۰)

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم ایک چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تمہارے وجود میں ایک عالم اکبر سمویا ہوا ہے۔

کائنات میں غور کرنے کے ساتھ انسان کو اپنے نفس میں غور کرنا چاہئے تا کہ وہ اس بات کو درک کرے کہ اس نفس میں کیا کرشمہ قدرت ہے جس کے ذریعے اپنے خالق کی معرفت اور آسان تر ہو جائے گی خداوند کریم کا ارشاد ہے:

سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتی یتبین انه الحق۔ (۴۱)

ترجمہ: ہم اپنی نشانیاں آفاق اور خود ان کے نفسوں میں دکھاتے ہیں

تا کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یقیناً وہی برحق ہے۔

''یہ انسان جو ایک چھوٹی سی کائنات ہے جسم اور نفس پر مشتمل ہے جسم میں گھٹاؤ بڑھاؤ

ہوتا رہتا ہے چنانچہ جب تک قوت نمو باقی رہتی ہے۔ ہڈیاں گوشت پوست اور اس کے ساتھ قدوقامت بڑھتا رہتا ہے اور جب زمانہ نمو ختم ہو جاتا ہے تو اعضا تحلیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ہڈیوں پر سے گوشت تک اتر جاتا ہے ڈھانچہ بدل جاتا ہے اور صورت وہیت کچھ کی کچھ ہو جاتی ہے مگر وہ خود بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا ہر دور میں وہی رہتا ہے جو بدو خلقت سے تھا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ بچپن میں کوئی اور ہو جوانی میں کوئی اور ہو بڑھاپے میں کوئی اور اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا وجود و تشخص اس کے اعضا سے نہیں بلکہ اس کے نفس سے وابستہ ہے جو شروع سے آخر تک ایک حالت پر باقی رہتا ہے۔ اگرچہ یہ نفس نہ آنکھ سے دکھائی دیتا ہے نہ حاسوں کی گرفت میں آتا ہے نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کہاں پر ہے اور کس سمت میں ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کہاں نہیں ہے مگر ہے اس لئے کہ اعضاء کی حرکت اور دوسرے آثارِ حیات اس کے وجود کی گواہی دیتے ہیں اور انہی آثار سے مردہ و زندہ میں تفریق کی جاتی ہے اسی نفس کے زیر اثر اعضا میں حس و حرکت ہوتی ہے اور عقل و فکر کی قوتیں کام کرتی ہیں اگر انسان اپنے جسم اور اس میں اپنے نفس کی کارفرمائی پر غور کرے تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب اس چھوٹی سی کائنات کا نظام ایک متصرف و نگراں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تو اس عظیم کائنات کا نظم و نسق جس کی وسعتیں انسانی حد تصور سے باہر ہیں کسی مدبر و حکیم اور خبیر و علیم ہستی کے بغیر کیونکر باقی رہ سکتا ہے۔'' (۴۱)

روح و نفس انسانی قدرت کا ایک حسین شاہکار جس میں ایک کائنات پوشیدہ ہے اگر اس پر انسان غور کرے تو خدا تک پہنچ جائے گا۔

نفس شناسی و خداشناسی میں چند وجوہ مماثلت یہ ہیں۔

۱۔ جس طرح نفس محرک و مدبر بدن ہے اسی طرح اللہ محرک و مدبر عالم ہے۔

۲۔ جس طرح نفس اپنے ارادہ و اختیار سے تدبیر بدن کرتا ہے اسی طرح اللہ اپنے ارادہ و اختیار سے تدبیر عالم کرتا ہے۔

۳۔ جس طرح بدن میں نفس ایک ہوتا ہے اسی طرح اللہ واحد و یکتا ہے۔ اگر بدن میں دو نفس ہوتے تو ان میں باہمی ٹکراؤ ہوتا اور اس کے نتیجہ میں نظام بدن قائم نہ رہتا۔ اسی طرح اگر ایک کے علاوہ کوئی اور بھی خدا ہوتا تو نظم عالم درہم

برہم ہو کر رہ جاتا اور تمام کائنات تباہ و برباد ہو جاتی جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

لو کان فیهما آلهته الا الله لفسدتا (۴۲)

ترجمہ: اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو زمین و آسماں دونوں تباہ و برباد ہو جاتے۔

۴۔جس طرح نفس تحریک و تدبیر بند پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح اللہ نظم و نسقِ کائنات پر قادر ہے۔

۵۔جس طرح نفس بدن کے ہر حصہ پر نظر رکھتا ہے اور جسم کی کوئی کیفیت اس سے مخفی نہیں ہے اسی طرح اللہ کائنات کے ایک ایک ذرہ کا عالم و نگراں ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۶۔جس طرح نفس تمام اعضاء بدن سے مساوی تعلق رکھتا ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا فلاں حصہ جسم سے قریب اور فلاں حصہ جسم سے دور ہے اسی طرح اللہ تمام کائنات سے یکسا نسبت رکھتا ہے اور اس کا علم و قدرت سب پر یکساں محیط ہے۔

۷۔جس طرح نفس بدن سے پہلے موجود تھا اور بدن کے بعد موجود رہتا ہے اسی طرح اللہ ابدی و ازلی ہے اور ہر شے سے پہلے موجود اور ہر شے کے بعد موجود رہے گا۔

۸۔جس طرح نفس کی کیفیت کو جانا نہیں جاسکتا اسی طرح اللہ کی کنہ ذات کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔

۹۔جس طرح نفس کی جگہ متعین نہیں کی جاسکتی اسی طرح اللہ کے ئے محل و مقام تجویز نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰۔جس طرح نفس ہمارے لمس کی گرفت میں نہیں آتا اسی طرح اللہ کو چھوا نہیں جاسکتا۔

۱۱۔جس طرح نفس دیکھنے میں نہیں آتا لیکن اس کا وجود قابلِ رویت اشیاء سے بھی واضح تر ہے اسی طرح اللہ کا وجود غیر مری ہونے کے باوجود ہر چیز سے بدیہی و روشن تر ہے۔

۱۲۔جس طرح نفس متعدد صفات و ملکات کا حامل ہے اور پھر ایک ہے اسی طرح خدا تمام صفات کمالیہ کا مبداء و منشا ہونے کے باوجود یگانہ و بسیط ہے۔

۱۳۔جس طرح ہم اپنے نفس کا علم و ادراک رکھتے ہیں اور یہ علم و ادراک کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ حضوری طور پر معلوم و منکشف ہے اسی طرح خالق کائنات کا وجود بدیہی اور دلیل کی احتیاج سے بالاتر ہے۔ (۴۳)

نہج البلاغہ اور معرفتِ الٰہی

نہج البلاغہ میں معرفتِ الٰہی کے حوالے سے متعدد خطبات موجود ہیں جن کا احاطہ کرنا اپنے مقالہ میں ممکن نہیں البتہ خطبات کے چند اقتباسات مع شرح کے یہاں رقم کرنا مقصود ہے تاکہ حضرت کے علم معرفت الٰہی سے استفادہ کیا جا سکے۔

کائنات میں جو بھی موجود ہے وہ اپنے آثار سے خود اپنے وجود کی عکاسی کرتا ہے جیسے جسم کا متحرک ہونا اعضاء و جوارح کی حرکت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی طاقت اس جسم میں موجود ہے جو اسے حرکت دے رہی اور انسان کی روح ہے حالانکہ روح نہ دکھائی دیتی ہے اور نہ اسے کسی بھی محسوس کیا جا سکتا ہے اس کے باوجود ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی غیر مری شے ہے جو اس جسم کو حرکت دے رہی ہے اور وہ روح انسانی ہے جس کے بارے میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي
وَمَا اُوتِيتُم مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلا۔(۴۳)

ترجمہ: اور اے رسول تم سے لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم (ان کے جواب میں) کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوتی ہے) اور تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے (اس کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے)

خالق کائنات کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے لیکن مذکورہ آیت کے مطابق ہمیں تو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے جب پروردگار عالم روح انسانی کے بارے میں فرما رہا ہے کہ یہ اس کا امر ہے جس کی معرفت ایک عام آدمی کے امکان میں نہیں تو اس پروردگار عالم کی معرفت کیونکر حاصل ہو سکتی جو ہماری روح کا خالق ہے اور اس کے امر کے نتیجے میں ہماری روح وجود میں آتی ہے معرفتِ الٰہی ہم پر اسی حد تک لازم ہے جس حد تک ہمارا علم محدود ہے جیسا کہ روایت میں ہے کہ:

ایک ضعیفہ چرخہ کات رہی تھی اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس خدا کے وجود کی کیا دلیل ہے تو اس نے جواب دیا یہ چرخہ میرے لئے معرفت الٰہی کی بہترین دلیل ہے جب میں یہ چرخہ اپنے ہاتھ سے چلاتی ہوں تو چلتا ہے اور جب ہاتھ روک لیتی ہوں تو یہ رک جاتا ہے جب میرے ارادہ کے بغیر یہ چرخہ نہیں چل سکتا تو یہ پورا کارخانۂ قدرت یہ وسیع و عریض کائنات کا نظام بغیر کسی چلانے والے مدبر کے کیسے چل سکتا ہے۔ بس ہمارے لئے اپنے پروردگار کی اتنی ہی معرفت واجب ہے جتنی ہماری وسعت ہے البتہ اس کے لئے ایک اور مثال دی جا سکتی ہے کہ سوئی کو اگر سمندر میں ناکہ کی طرف سے ڈبو یا جائے تو جتنا اس کا ظرف ہے اتنا پانی

تو اس میں سما جائے گا بس یہی ہماری معرفت کا درجہ ہے کہ اپنی عقل کو معرفت الٰہی کے بحر بیکراں میں ڈبو دیں جتنا ظرف عقل ہوگا اتنی معرفتِ الٰہی ہو جائے گی اور انسان اسی معرفت کا مکلف ہے جتنا اس کا علم ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے ایک صحابی مفضل کو معرفت کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں بندوں کو معرفت حاصل کرنے کی اسی قدر تکلیف دی گئی ہے جس قدر اس کے امکان میں ہے اور جہاں تک پہونچے کی طاقت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کے وجود ذی جود کا یقین کریں اس کے اوامر ونواہی پر عمل کریں۔ انہیں یہ تو تکلیف نہیں دی گئی کہ اس کی صفات وذات پر احاطہ حاصل کریں۔ چنانچہ کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو اس بات کے جاننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ وہ جانیں کہ بادشاہ بلند قامت ہے یا پست قامت، گورا ہے یا گندمی رنگت کا ہے۔ صرف اس بات کا ان کو مکلف کرتا ہے کہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے اصول پر عمل کریں۔ دیکھو! اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کے دروازے پر آ کر کہے کہ اپنے تئیں میرے سامنے پیش کرو تا کہ میں تجھے اچھی طرح پہچان لوں ورنہ تیرا حکم نہ مانوں گا تو اس نے اپنے تئیں سزا دلوائی (لامحالہ اس جرات پر بادشاہ اس کی سزا دے گا) اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تو خالق کے وجود کا اقرار ہی نہ کروں گا جب تک اس کی رویت نہ ہو جائے اور اس کی کنہ حقیقت کو معلوم نہ کرلوں گا تو وہ خدائے تعالیٰ کو اپنے سے ناراض کرتا ہے۔

بہر حال معرفت الٰہی کے حوالے سے ہم یہاں نہج البلاغہ کی ترتیب کے لحاظ سے سب سے پہلے خطبہ کا ابتدائی حصہ ذیل میں درج کر رہے ہیں اور علماء نے اس کی شرح بیان کی ہے اس کو بھی زیر بحث لائیں گے۔

اَوَّلُ الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهُ وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيْقُ بِهِ.وَ كَمَالُ التَّصْدِيْقِ بِهِ تَوْحِيْدُهُ . وَ كَمَالُ تَوْحِيْدِهِ الْاِخْلَاصُ لَهُ. وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوفِ وَشَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهُ غَيْرُ الصِّفَةِ (۴۵)

ترجمہ: دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے۔ کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے، کمالِ تصدیق توحید ہے کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمالِ تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے۔

معرفت الٰہی اور اس کے مراتب:

آیت اللہ سید حبیب اللہ خوئی ؒ اپنی شرح منہاج البراعہ میں اس خطبہ کے ذیل میں معرفت الٰہی کے مراتب تحریر فرماتے ہیں جو اس خطبہ کی بہترین تفسیر ہے جس کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

''اول الدین معرفتہ'' یعنی دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے اول کے لغوی معنی کسی چیز کی ابتدا کے ہیں۔

دین کے معنی ہیں اطاعت فرمانبرداری، عبادت اور اسلام جیسا کہ خداوند متعال فرماتا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔(۴۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک بہترین دین اسلام ہے۔

علامہ طریحیؒ دین کی یوں تعریف فرماتے ہیں:

اَلدِّیْنُ وَضعٌ اِلٰھِیٌ لِاُولِی الاَلْبَاب یَتَنَالُ الاصُولَ والفُروعَ۔(۴۷)

ترجمہ: دین خدا کی طرف سے صاحبان عقل کے لئے وضع کردہ اصول وفروع ہیں۔

''معرفت'' کے معنی پہچاننا جس کی تفصیل اس فصل کے شروع میں گزر چکی ہے۔

جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے:

اَوَّلُ الدِّین مَعْرِفَتُہٗ۔

یعنی دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے یعنی طاعت اور عبادت کی ابتدا خدا کی معرفت ہے کیونکہ بندہ اس وقت ''عبد'' کہلا سکتا ہے جب اسے معبود مطاع کی معرفت ہو کیونکہ اگر معرفت نہیں ہوگی تو پھر اس کی اطاعت اور عبادت ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ سے کسی غیر مسلم عالم نے یہ سوال کیا آپ اپنے جس رب کی عبادت کرتے ہیں کیا اسے دیکھا بھی ہے۔ارشاد فرمایا:''افسوس ہے تم پر میں ایسے رب کی عبادت ہی نہیں کرتا جسے دیکھا نہ ہو۔ پوچھا اسے کیسے دیکھا فرمایا اسے آنکھیں اپنی نگاہوں کے ساتھ ادراک نہیں کرپاتیں بلکہ دل ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ ادراک کرتا ہے۔(۴۸)

مذکورہ قول حضرت امیرؑ کو ہم نہج البلاغہ کی عبارت کے طور پر سند مع ترجمہ کے یہاں نقل کررہے ہیں جس میں آپؑ نے خداوند کریم صفات بیان فرمائی ہیں:

وَقَدْ سَاَلَہٗ ذِعْلَبُ الْیَمَانِیُّ فَقَالَ ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤمِنِیْنَ؟فَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ:

اَفَاَعْبُدُ مَالَا اَرٰی؟فَقَالَ:وَ کَیْفَ تَرَاہُ؟قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ:

لَاتَرَاہُ الْعُیُونُ بِمُشَاھَدَۃِ الْعِیَانِ وَلٰکِنْ تُدْرِکُہُ الْقُلُوبُ بِحَقَآئِقِ الْاِیْمَانِ

قَرِيْبٌ مِنَ الْاَشْيَآءِ غَيْرُ مُلاَمِسٍ بَعِيْدٌ مِّنْهَا غَيْرُ مُبَايِنٍ مُتَكَلِّمٌ لاَبِرَوِيَّةٍ مُرِيْدٌ لاَبِهِمَّةٍ صَانِعٌ لاَبِجَارِحَةٍ لَطِيْفٌ لاَيُوْصَفُ بِالْخَفَاءِ كَبِيْرٌ لاَ يُوْصَفُ بِالْجَفَاءِ بَصِيْرٌ لاَ يُوْصَفُ بِالْحَاسَّةِ رَحِيْمٌ لاَيُوْصَفُ بِالرِّقَّةِ تَعْنُوا الْوُجُوهُ لِعَظَمَتِهِ وَتَجِبُ الْقُلُوبُ مِنْ مَخَافَتِهِ۔ (۴۹)

ذعلب یمنی نے آپ سے سوال کیا کہ یا امیر المومنینؑ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں؟ جسے میں نے دیکھا تک نہیں۔اس نے کہا کہ آپ کیوں کر دیکھتے ہیں تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

آنکھیں اسے کھلم کھلا نہیں دیکھتیں۔ بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اسے پہچانتے ہیں، وہ ہر چیز سے قریب ہے لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں وہ ہر شے سے دور ہے مگر الگ نہیں وہ غور وفکر کے بغیر کلام کرنے والا اور بغیر آمادگی کے قصد و ارادہ کرنے والا اور بغیر اعضاء کی مدد کے بنانے والا ہے وہ لطیف ہے لیکن پوشیدگی سے اسے متصف نہیں کیا جاسکتا وہ بزرگ و برتر ہے مگر تندخوئی و بدخلقی کی صفت اس میں نہیں وہ دیکھنے والا ہے مگر حواس سے اسے موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ رحم کرنے والا ہے مگر اس صفت کو نرم دلی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ چہرے اس کی عظمت کے آگے ذلیل و خوار اور دل اس کے خوف سے لرزاں و ہراساں ہیں۔

علمِ کلام و عرفان ایک بہت وسیع اور دقت طلب موضوع ہے۔ چنانچہ معرفت خالق کائنات اس کی صنعت میں غور وفکر کے بعد ہی ممکن ہے۔

اب ہم یہاں معرفت اور اس کے مراتب کو تفصیل کے ساتھ نقل کریں گے:

عرفان کے مراتب

غرض حضرت امیر علیہ السلام کے خطبہ اول میں ارشاد مبارک سے ''عرفان'' کے پانچ مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

ا:۔مرتبہ تصور۔اور یہ اس بات کو درک کرنا ہے کہ اس کائنات کے لئے ایک موثر ہے۔اور یہی وہ مرتبہ ہے کہ تمام مخلوق اسی فطرت پر خلق ہوئی اور اسی کی جبلت اور سرشت میں یہی چیز شامل ہے اور سرکار رسالتؐ پناہ کا یہ فرمان بھی اسی چیز کی نشاندہی کرتا ہے کہ:

"كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ اِلاَّ اَنَّ اَبَوَيْهِ يُهَوِّدَانِهٖ

اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ" (۵۰)

ہر بچہ فطرت الٰہی (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ

اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیں۔

۲:۔ مرتبہ تصدیق۔ یعنی براہین ساطعہ اور دلائل قاطعہ کے ساتھ اس کے وجود اور وجوب کا یقین کر لینا، جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

"اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضِ" (۵۱)

کیا اس اللہ کے بارے میں شک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

۳:۔ مرتبہ توحید۔ یعنی اسے ہر قسم کے شریک سے وحید و فرید سمجھنا جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" (۵۲)

کہہ دیجئے کہ اللہ یکتا و یگانہ ہے۔ یا

"قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ" (۵۳)

کہہ دو کہ میں تو تم جیسا بشر ہوں البتہ میری خصوصیت یہ ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے

کہ تمہارا معبود بس ایک ہی ہے۔

۴:۔ مرتبہ اخلاص۔ یعنی اسے ہر طرح کے عیب و نقص سے مبرا سمجھنا۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

"اَللّٰهُ الصَّمَدُ" (۵۴)

اللہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجت مند رخ کرتے ہیں یعنی وہ کون و فساد سے بلند و بالاتر ہے۔ یا

"لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" (۵۵)

نہ تو اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ یا اس کے لئے خالصانہ طور پر اعمال بجالائے جائیں،

جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے:

"فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ" (۵۶)

ترجمہ: پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح انجام دے اور کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے۔

۵:۔مرتبہ نفی صفات۔اور یہ عرفان کی آخری حد اور قوت انسان کا منتہائے مقصود ہے۔آپؑ کے اس ارشاد مبارک سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ پہلے چار مراتب میں سے ہر ایک بالترتیب دوسرے مرتبہ کے لئے مبداء کی حیثیت رکھتا ہے اور آخری چار مرتبے بالترتیب اپنے سے پہلے مرتبے کے لئے کمال کی حیثیت رکھتے ہیں اگر ان پانچوں مراتب کو ملا کر ایک مثال دی جائے تو اسے یوں سمجھئے جیسے اخروٹ کی چھال ہوتی ہے،اس کے بعد اس کا چھلکا ہوتا ہے،اس کے بعد گودا ہوتا ہے اس کے بعد گری ہوتی ہے اور آخر میں اس کے مغز سے نکلنے والا تیل ہوتا ہے پس پہلا مرتبہ ایسے ہے جیسے اخروٹ کی چھال ہوتی ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اگر اسے کھایا جائے تو اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے جسے دور پھینک دیا جاتا ہے،لیکن وہ اس کے بعد والے سخت چھلکے کی حفاظت ضرور کرتی ہے۔دوسرا رتبہ اس سخت چھلکے کی مانند ہے جو چھال کے نیچے ہوتا ہے اس کا فائدہ صاف ظاہر ہے کہ وہ گودے کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے مکمل طور پر پکنے تک اسے ہر طرح کی خرابی سے بچائے رکھتا ہے لیکن گودے کی نسبت اس کی وہ قدر و قیمت نہیں اور نہ ہی وہ گودے کا کسی طرح مقابلہ کرسکتا ہے تیسرا مرتبہ اس گودے کا ہوتا ہے جو گری کے اردگرد ہوتا ہے اور گری کے ساتھ ساتھ اسے بھی کھالیا جاتا ہے جب کہ چوتھا مرتبہ خود اس گری کا ہوتا ہے اور اس کا فائدہ اور مقام واضح اور صاف ظاہر ہے پانچواں اور آخری مرتبہ گری سے نکلے ہوئے تیل کا ہوتا ہے جو ہر قسم کے شائبہ سے پاک صاف اور خالص ہوتا ہے اس قدر صاف ستھرا اور چمکدار گویا اس سے نورانی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔(۵۷)

باب اول

معرفت خالق کائنات

خلاصہ

انسان روزانہ خوبصورت قدرتی مناظر، جاری وساری دریا، سرسبز وشاداب زمین، دلربا اور دلفریب جاذب نظر پھول، پودے، رنگ برنگے پرندے اور ان کی گوں نگون پرواز و آمد ورفت اور کانوں میں رس گھولتی آواز اور دلنواز چہچہاہٹ دریا کے کنارے کی بہترین آب وہوا اور دلربا موسم بہار کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی صدائیں سنتا ہے۔

دریا کے کنارے اور سورج غروب ہونے کا خوبصورت منظر چاندنی رات، ٹمٹماتے ستارے، مرطوب ومعطر ہوا، صبح کا خوشگوار منظر اور ان کے علاوہ کئی چیزوں کے نظارے سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے کے کس طرح ہر چیز اپنے نظم کے ساتھ برقرار ہے اپنی خوبصورتی اور مخصوص شادابی کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے مقام پر اپنی زندگی کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہوتا ہے۔انسان اپنے آپ سے کہتا ہے کہ واقعاً یہ تمام چیزیں خدائے بزرگ و برتر کے وجود کی نشانیاں ہیں۔وہی خدا ہے جس نے ایسے دلفریب اور خوشگوار مناظر کی منظرکشی کی ہے اور انہیں خلق فرمایا ہے۔وہی خدا ہے کہ جس نے اس کائنات کے نظم ونسق کو برقرار رکھا ہوا ہے اور باری تعالیٰ ہی کی ذات ہے کہ جس نے یہ آفتاب مہتاب کوہسار، دشت ودریا، پرندے اور خوبصورت ہرنوں کو خلق کیا ہے بے شک یہ عجیب وغریب قدرتی مناظر اس کے در ودیوار پر نقش ہیں سب اسی خدا کی نشانیاں ہیں جس نے ہم سب کو پیدا کیا۔بنابرایں جس نے بھی اس خدائے وحدہ لاشریک کی نشانیوں پر غور وفکر نہیں کیا وہ انہیں در ودیوار کے نقوش کی مانند ہو جائے گا۔

مذکورہ باب میں توحید، معرفتِ الٰہی اور اس کے وجود کی نشانیاں قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ وخطباتِ نہج البلاغہ کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے

اس کے وجود کے عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں اور کائنات کے وجود کو خالق کائنات کا فضل قرار دیا اور پروردگارِ عالم کا عظیم شاہکار {انسان} کی صفت کو خالق کی صفت سے مربوط کیا گیا ہے اور نہج البلاغہ کے وہ مطالب کئے گئے جو معرفتِ خالقِ کائنات سے متعلق ہیں جن میں عرفان کے مراتب بیان کئے گئے ہیں۔

باب اول

معرفتِ خالقِ کائنات

حوالہ جات

(۱)علامہ سید علی اکبر قرشی۔قاموس قرآن ج چہارم ص ۳۲۷ دار الکتب الاسلامیہ۔تہران ۔ ۱۳۷۸ ھ

(۲)ایضاً

(۳)ایضاً

(۴)سید حبیب اللہ خوئی۔منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۲۳۷ حق برادرز لاہور ۔ ۲۰۱۰ ء

(۵) علامہ مفتی جعفر حسین۔سیرت امیر المومنینؑ جلد دوم صفحہ ۱۳۱،امامیہ کتب خانہ لاہور ۔ ۱۹۸۷ ء

(۶) سید رضی۔نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۴۹ صفحہ ۱۹۲،امامیہ کتب خانہ لاہور

(۷)شیخ محمد رضا مظفر۔عقائد امامیہ۔صفحہ ۵۶ دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی ۔ ۲۰۰۰ ء

(۸)القرآن۔ ۴۱ : ۵۳

(۹)القرآن۔ ۲: ۱۷۰

(۱۰) القرآن۔ ۶: ۱۱۶

(۱۱)شیخ محمد رضا مظفر۔عقائد امامیہ۔ص ۵۷۔۶۱ دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی ۔ ۲۰۰۰ ء

(۱۲) القرآن۔ ۲۹: ۲۰

(۱۳) القرآن۔ ۱۰: ۱۰۱

(۱۴) القرآن۔۱۷: ۲۱

(۱۵) القرآن۔ ۳۰: ۸

(۱۶)القرآن۔۴۷ : ۱۹

(۱۷)القرآن۔۲۱:۲۴

(۱۸) سید رضی۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۷ صفحہ ۵۰۴،امامیہ کتب خانہ لاہور

(۱۹) سید رضی ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۴ صفحہ ۴۹۴، امامیہ کتب خانہ لاہور

(۲۰) سید رضی ۔ نہج البلاغہ وصیت نامہ ۳۱ صفحہ ۶۹۷، امامیہ کتب خانہ لاہور

(۲۱) القرآن۔۲۱: ۲۵

(۲۲) سید رضی ۔ نہج البلاغہ خطبہ اول صفحہ ۱۷، امامیہ کتب خانہ لاہور

(۲۳) سید رضی ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۸۸ صفحہ ۲۵۳، امامیہ کتب خانہ لاہور

(۲۴) القرآن۔ ۳۰:۴۰

(۲۵) مفتی جعفر حسین سیرت امیر المومنین جلد دوم صفحہ ۶۴ ۔ امامیہ کتب خانہ ۔ لاہور ۔ ۱۹۸۷ء

(۲۶) مفتی جعفر حسین سیرت امیر المومنین جلد دوم صفحہ ۶۴۔۶۸ ۔ " " " " ۔ " "

(۲۷) القرآن۔ ۱۸: ۱۱۰

(۲۸) ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ اصول عقائد، صفحہ ۱۵ مجمع علمی اسلامی کراچی ۔ ۲۰۱۰ء

(۲۹) القرآن۔۱۰:۱۰۱

(۳۰) القرآن ۳۹:۱۷۔۱۸

(۳۱) ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ۔ اصول عقائد صفحہ ۱۹۔۲۰ مجمع علمی اسلامی کراچی ۔ ۲۰۱۰ء

(۳۲) ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ۔ اصول عقائد صفحہ ۲۰۔۲۱ مجمع علمی اسلامی کراچی ۔ "

(۳۳) ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ۔ اصول عقائد صفحہ ۲۰۔۲۱ مجمع علمی اسلامی کراچی ۔ "

(۳۴) ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ۔ اصول عقائد صفحہ ۲۰۔۲۲ مجمع علمی اسلامی کراچی ۔ "

(۳۵) القرآن:۶:۸۲

(۳۶) سید رضی نہج البلاغہ خطبہ ا صفحہ ۱۷۔۲۷ امامیہ کتب خانہ لاہور

(۳۷) سید رضی نہج البلاغہ خطبہ ۱۵۰ صفحہ ۳۹۷ امامیہ کتب خانہ لاہور

(۳۸) القرآن۔۱۰:۱۰۱

(۳۹) مفتی جعفر حسین سیرت امیر المومنینؑ جلد دوم صفحہ ۷۳ امامیہ کتب خانہ لاہور ۔ ۱۹۸۷ء

(۴۰) مفتی جعفر حسین سیرت امیر المومنینؑ جلد دوم صفحہ ۷۳ امامیہ کتب خانہ لاہور ۔ "

(۴۱) القرآن۔۴۱:۵۳

(۴۲) القرآن۔۲۱:۲۲

(۴۳)القرآن۔۱۷:۷۵
(۴۴) افتخار مرزا۔توحید مفضل صفحہ ۱۷۱ قصر عباس راولپنڈی
(۴۵)سید رضی۔نہج البلاغہ خطبہ اول صفحہ۔۷۰ امامیہ کتب خانہ لاہور
(۴۶)القرآن۔۳:۱۹
(۴۷) حبیب اللہ ہاشمی خوئی۔منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۳۷ حق برادرز لاہور ۔ ۲۰۱۰ء
(۴۸) حبیب اللہ ہاشمی خوئی۔منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۳۸ حق برادرز لاہور ۔ ء
(۴۹)سید رضی نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۷ صفحہ ۴۶۸ امامیہ کتب خانہ لاہور
(۵۰)حبیب اللہ ہاشمی خوئی منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۴۱ حق برادرز لاہور ۔ ۲۰۱۰ء
(۵۱)القرآن ۱۴:۱۰
(۵۲)القرآن۔۱۱۲:۱
(۵۳)القرآن۔۱۸:۱۱۰
(۵۴)القرآن۔۱۸:۱۱۰
(۵۵)القرآن۔۱۱۲:۲
(۵۶)القرآن۔۱۸:۱۱۰
(۵۷)حبیب اللہ ہاشمی خوئی منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ صفحہ ۲۴۱ حق برادرز لاہور ۔ ۲۰۱۰ء

باب دوم

انسان بحیثیت اشرف المخلوق

مخلوقات کے مدارج

دنیا کی تمام مخلوقات کو ہم چار بڑے گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ درجہ بندی کے لحاظ سے سب سے نچلے درجے پر جمادات اسکے بعد نباتات اس سے اوپر حیوانات اور سب سے بلند درجہ پر انسان آتا ہے۔

کائنات کا پورا نظام حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے اس ارشاد کی روشنی میں ایک اصول کے تحت چل رہا ہے کہ:

لَا یَجْرِیْ لِاَحَدٍ اِلاَّ جَرٰی عَلَیْہِ وَلَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ اِلاَّ جَرٰی لَہٗ۔ (۱)

ترجمہ: ''جس کا کچھ حق ہے اس کے ذمہ کچھ فرض بھی ہے اور جس کے ذمہ کچھ فرض ہے اس کا کچھ حق بھی ہے''

یعنی اللہ نے کسی کے لئے فریضہ نہیں رکھا مگر یہ کہ اسی کے ہم وزن کے لئے ایک حق رکھا ہے اور کسی کے لئے حق نہیں رکھا لیکن یہ کہ اسی کے ہم وزن کے لئے فریضہ رکھا ہے یعنی فرض اور حق ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے اگر کسی کا حق ہے تو اس حق کے ساتھ فرض بھی ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

مَلْعُوْنٌ مَنْ اَلْقٰی کُلَّہٗ عَلَی النَّاسِ(۲)

ترجمہ: وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور ملعون ہے جو اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالتا ہے۔

یعنی حقوق سے تو استفادہ کرتا ہے مگر اپنا فرض انجام نہیں دیتا۔

اب آیئے ہم جمادات، نباتات اور حیوانات کو دیکھتے ہیں ہمیں نظر آتا ہے کہ نباتات زمین سے اپنا حق وصول کرر ہے ہیں زمین (جمادات) اپنے اجزاء کو درختوں (نباتات) کی نشونما کے لئے قربان کرر ہی

ہے اور یہ ہی اجزاء درختوں میں زندگی بن کر دوڑنے لگتے ہیں لیکن خدا نے حق کے ساتھ ساتھ انکا فریضہ بھی رکھا ہے تو اب درختوں کو حق یہ ہے کہ اپنے سے کم درجے یعنی جمادات سے اپنا حق لیں تو ان کا فریضہ یہ ہے کہ اپنے سے بلند درجے یعنی حیوانات کے لئے غذا بن جائیں اور خوشی خوشی اپنے آپ کو قربان کردیں اور اب حیوانات بھی اسی اصول کے تحت اپنے سے اوپر درجے یعنی انسان کے لئے قربان ہوتے ہیں اور ان کی غذا اور دیگر ضروریات پوری کررہے ہیں نہ صرف حیوانات بلکہ نباتات، جمادات سب مل کر انسان کی خدمت کرتے ہیں کیونکہ انسان ان سب سے بلند درجے پر فائز ہے جمادات اپنے سے بلند مقصد کے لئے نباتات پر قربان ہوتے ہیں اور فنا نہیں ہوتے بلند درجے کی غذا کا حصہ بن کر نباتات کی نشونما و زندگی کا سبب بن کر بقا حاصل کر لیتے ہیں یعنی وہ جمادات سے ترقی کر کے نباتات کی صورت میں دوام حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح نباتات حیوانات کی غذا بن کر فنا نہیں ہوتے بلکہ دوسری صورت میں تبدیل ہو کر بقا حاصل کر لیتے ہے اور حیوانات کا حصہ بن جاتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں علی ھذا القیاس۔جانور بھی انسان کی غذا بن کر اپنے سے بلند مقصد کے لئے قربان ہوتے ہیں اور دوام حاصل کر لیتے ہیں اور اسی نظام پر چلتے ہوئے انسان خدا کی راہ میں قربانی دیتا ہے اور شہید ہو کر ہمیشہ کے لئے زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا خلق کیا ہے کہ جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے بعض دوسری مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ امکانات اور سہولت کا حامل ہے اور اس کے امکانات کی ترکیب، تنظیم اچھے انداز سے ہوئی ہے یعنی خداوند عالم کی طرف سے انسان بہت زیادہ سہولتوں اور توانائی کا حامل ہے اسی لئے انسان اپنی سہولتوں، امکانات اور بھرپور توانائی سے کام لیتے ہوئے بھرپور انداز میں ترقی کے منازل طے کرتا چلا جارہا ہے۔

کون سی ایسی چیز نہیں جو آج بندہ بشر کی دسترس میں نہیں وہ بیماریاں جو ایک زمانے میں لاعلاج سمجھی جاتی تھیں آج انسان نے ان کا علاج اپنی علم فراست سے ڈھونڈ نکالا ہے۔ یہ زمین جس پر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور جس کا خلیفہ بنایا گیا آج انسان کی ملکیت ہے جغرافیائی طور پر اگر مشاہدہ کیا جائے تو زمین کا ایک بڑا حصہ انسان کی دسترس میں ہے جہاں جہاں زندگی پائی جاتی ہے وہاں انسان موجود ہے اسی زمین سے انسان کھیتی باڑی کر کے اپنے لئے غذا فراہم کرتا ہے باغات لگا کے مختلف انواع کے ثمرات حاصل کررہا ہے اور خدا کی ان نعمات سے استفادہ کررہا ہے اسی زمین سے مختلف قسم کی معدنیات کا انکشاف کر چکا ہے چاہے وہ ٹھوس کی شکل میں ہو جیسے سونا،

چاندی پیتل، تانبا،لوہا چاہے مائع کی شکل میں ہو جیسے تیل جومختلف صورتوں میں توانائی کے کام آ رہا ہے چاہے گیس کی شکل میں ہوجس سے مختلف قسم کے کارخانے اور فیکٹریاں چل رہی ہیں آج انسان کے قبضے میں ہیں یہ بڑے بڑے پہاڑ کی چوٹیاں جن کوانسان سر کر چکا ہےان پہاڑوں میں زندگی بسر کر رہا ہے یہ دریا جو بہہ رہے ہیں ان سے بھی انسان نہ صرف یہ کہ اپنی پیاس بجھاتا ہےان کے ذریعے بڑے بڑے بند باندھ کر بجلی پیدا کر رہا ہے جن سے وہ اپنے گھر، دفاتر، پارک، ملیں، کارخانے اور فیکٹریاں روشن کر رہا ہے اور توانائی کے ذریعے گھریلو استعمال کی ساری چیزیں فرج، ٹی وی، واشنگ مشین، اوون، جوسر، استری، پنکھے، ائرکنڈیشنڈ وغیرہ استعمال کر رہا ہے حتی کہ الیکٹرک ٹرینیں بھی بجلی سے دوڑ رہی ہیں خاص طور پر حج کے موقعے پر حاجی حضرات کوعرفات سے منی تک پہنچانے کے لئے الیکٹرک ٹرین کا جدید نظام متعارف کرایا گیا ہے جسمیں بیک وقت ٧٠ ہزار حاجی سفر کرتے ہیں۔

دنیا کا ایک تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے جس میں بڑے بڑے سمندر موجود ہیں جو آج انسان کے اختیار میں ہے انسان اپنے ہاتھوں سے بڑے بڑے پانی کے جہاز بنا کر سمندروں میں چھوڑ دیتا ہے جو تجارت کا سامان و مال برداری کے کام آتے ہیں۔

فضائی راستوں کو بھی انسان نے استوار کیا ہے ایک نظام کے تحت انسان کے ساختہ ہوائی جہاز مسافر بردار اور جنگی امور میں استعمال ہونے والے جہاز ہوا میں اڑتے پھرتے ہیں انسان نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ وہ خلاؤں کو مسخر کر چکا ہے چاند اور دوسرے سیاروں پر پہنچ چکا ہے اور کہکشاؤں تک رسائی حاصل کرنے کی فکر میں ہے یعنی سائنس ترقی کے ذریعے فکری طور پر اتنی بلند ہوگئی ہے کہ اس نے زمین کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور سیاروں کی تگ و دو دوسری کہکشاؤں پر کمند ڈال رہا ہے۔

برقی ریڈائی لہروں کے ذریعے ڈش، انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے پوری دنیا سے مربوط ہے غرض یہ کہ یہ جسم صغیر ایک عالم کبیر پر تصرف کرتا چلا جارہا ہے یعنی مادی زندگی میں تو وہ کامیاب ہے تمام اشیاء پر اس کا کنٹرول ہے لیکن معنوی طور پر تنزلی کی طرف جارہا ہے جس قدر وہ دنیا کی طرف مائل ہو رہا ہے آخرت سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔اگرچہ انسان ایک ایسا موجود ہے کہ ایک ابدالآباد زندگی کے لئے خلق کیا گیا ہے جو موت سے فنا نہیں ہوتا بلکہ منتقل ہوتا ہے اس کی عارضی زندگی کا آخری دن اس کی ابدی زندگی کا پہلا دن ہوتا ہے لیکن عالم بالا میں اس کی سعادت اس کے ایمان و اعمال صالح کی بنیاد پر ہوگی۔آیت اللہ مطہری نے اپنی کتاب اسلام اور کائنات میں

انسان کے کمال اور بلندی کے جو معیارات بتائے ہیں وہ قابل غور ہیں۔

وہ اپنی اس مایہ ناز کتاب میں لکھتے ہیں کہ"انسان خود ایک طرح کا حیوان ہے لہٰذا دوسرے جانداروں کے ساتھ اس کی متعدد چیزیں مشترک ہیں ۔لیکن اس کی بعض چیزیں ہم جنسوں سے مختلف بھی ہیں جو اسے دیگر جانداروں سے ممتاز کرتی ہیں اور ان ہی امتیازات نے انسان کو اعلیٰ واشرف بنا دیا ہے جن میں کوئی جاندار اسکا رقیب نہیں۔انسان کا دوسرے جانداروں کے ساتھ بنیادی فرق دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۱)ادراکات(۲)رجحانات۔

انسان کا دودوسرے جانداروں کے ساتھ بنیادی فرق دو صورتوں میں واضح ہوتا ہے:

(۱)ادراکات(۲)رجحانات

یہی فرق انسانیت کا معیار اور انسانی تمدن وثقافت کا سرچشمہ ہے۔

عام طور پر جاندار نعمت سے بہرہ مند ہیں کہ اپنے آپ اور باہر کی دنیا کو جان سکیں۔ جاندار اپنی اسی آگاہی اور شناخت کے تحت اپنی آرزؤں اور خواہشات کے حصول کی تگ ودو کرتا ہے۔انسان بھی دوسرے جانداروں کی خواہشات اور آرزؤں کا حامل ہے لہٰذا یہ بھی اپنی معرفت کے مطابق ان تک پہنچنے کی جدو جہد کرتا ہے البتہ اس کا دوسرے جانداروں کے ساتھ فرق یہ ہے کہ اس کی آگاہی ومعرفت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اسی طرح اس کی خواہشات اور آرزوئیں بھی اعلیٰ وارفع ہیں، یہی چیز انسان کو ممتاز کرتی ہے عظمت عطا کرتی ہے اور دیگر تمام جانداروں سے جدا کرتی ہے۔

مزید آپ حیوان کی آگاہی اور خواہشات کی سطح کے بارے تفصیل سے یوں بیان کرر ہے ہیں کہ

"اس دنیا کے بارے میں حیوان کی آگاہی فقط ظاہری حواس ہی کے ذریعہ ہوتی ہے

بنابرایں:

ا۔یہ آگاہی سطحی اور ظاہری ہے، اشیاء کے اندر اور ان کے اندرونی روابط سے اس کا کوئی سروکار

نہیں۔

۲۔ یہ آگاہی انفرادی اور جزوی ہوتی ہے۔کلیت اورعمومیت سے تہی دامن ہے۔

۳۔ یہ خاص علاقہ تک محدود ہوتی ہے حیوان کی زندگی کے دائرے تک محدود رہتی ہے، اس کے اپنے محدود محیط سے باہر نہیں جاتی۔

۴۔ یہ آگاہی حال سے متعلق ہے فقط زمان حال سے مربوط ہے ماضی و مستقبل سے منقطع ہے۔ حیوان اپنی تاریخ سے آگاہ ہے نہ تاریخ عالم سے آشنائی رکھتا ہے، مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے نہ اس کے لئے کوئی ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

حیوان شعور کے اعتبار سے ظواہر، انفرادیت، جزویت، محیط زندگی کے ماحول اور زمان حال کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتا۔حیوان ان چاروں زندانوں میں ہمیشہ کے لئے قید ہے۔ اگر کبھی اس قید و بند سے باہر نکلے تو شعور و آگاہی اور اختیار کے ساتھ باہر نہیں آتا بلکہ غیر شعوری طور پر جبلت وطبیعت کے تحت مجبوراً باہر نکلتا ہے۔

جس طرح کائنات کے بارے میں حیوانی شناخت محدود ہے اسی طرح حیوانی خواہشات بھی خاص حدود ہی کے اندر مقید ہیں۔

اولاً: یہ خواہشات مادی ہیں کھانے، پینے، کھیلنے، سونے، گھر بنانے اور جنسی لذت کے حصول تک محدود ہیں، حیوان کے لئے اخلاقی و معنوی اقدار معنی نہیں رکھتیں۔

ثانیاً: ذاتی اور انفرادی خواہشات ہیں جو اس کے اپنے ساتھ ہی مربوط ہیں یا زیادہ سے زیادہ اس کے اپنے جوڑے اور اولاد کے اردگرد گھومتی ہیں۔

ثالثاً: ایک خاص علاقہ تک محدود ہیں اور اس کی زندگی کے دائرے میں ہیں۔

رابعاً: زمان حال ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ (۳)

انسانی امتیاز کا معیار

آیۃ اللہ مطہری دیگر مخلوقات سے انسان کا موازنہ کرتے ہوئے اسکے بلند معیار کے حصول تک کاوشوں کا

اس طرح تذکرہ کرر ہے ہیں کہ

''کائنات کے بارے میں انسان کی وسیع آگاہی اجتماعی بشری کاوشوں ہی کی بدولت ہے۔اس آگاہی کی تکمیل میں صدیوں کی انتھک محنت کارفرما ہے، خاص قواعد وضوابط اور منطقی اصولوں کے خمیر سے حاصل ہونے والی اس آگاہی وشناختی کو''علم'' سے موسوم کیا جاتا ہے یہاں علم سے مراد ہے کائنات سے متعلق وہ تمام بشری افکار کا مجموعہ جو انسان کی اجتماعی کوششوں کا ثمر ہے۔اور ایک خاص منطقی نظم وترتیب سے آراستہ ہے۔

انسان کی مختلف تعریفیں ہوئی ہیں۔مثلاً حیوان ناطق (عقل،فکر سے کام لینے والا،کمال کا طالب،لامتناہی،عقیدے کا تمنائی،اقدار کا متلاشی،مافوق الفطرت حیوان،سیر نہ ہونے والا، غیر معین،ذمہ داری اٹھانے والا،دوراندیش،آزادوخودمختار،گناہگار،سماجی،قانون کا پابند،حسن کا شیدائی،انصاف پسند،دوغلا،حامل فرائض،عاشق،باضمیر،بےخبر،ایجادوتخلیق کرنے والا،تنہا، مضطرب،عقیدہ پرست،آلات ساز،مہم جو،خیال تراش،روحانی اور دروازہ روحانیت وغیرہ۔یہ بات واضح ہے کہ ان میں ہرایک برتری اپنے مقام پر ٹھیک ہے لیکن اگر ہم کوئی جامع اصطلاح یا عبارت پیش کرنا چاہیں جو ان تمام تعریفات کی جامع ہوتو پھر شاید''علم وایمان'' کی بنیاد پر ممتاز ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی ارتقاء کا سلسلہ حیوانیت سے شروع ہوتا ہے اور انسانیت کے کمال تک جا پہنچتا ہے یہ اصول ایک ایک فرد پر بھی پورا اترتا ہے اور معاشرہ پر بھی صادق آتا ہے۔

انسان اپنے وجود کی ابتداء میں ایک مادی جسم ہوتا ہے۔جوہری تکامل کے ساتھ ساتھ روح یا جوہر روح میں تبدیل ہوجاتا ہے۔انسانی روح جسم کے دامن میں آنکھ کھولتی ہے، پروان چڑھتی ہے اور آزادی کی دولت سے مالا مال ہوجاتی ہے۔

انسانیت کی حیوانیت بھی اس گھونسلے اور آشیانے کے مترادف ہے جس میں اس کی انسانیت پروان چڑھ کر کمال حاصل کرتی ہے،کمال کی خاصیت یہ ہے کہ وجود مکمل جس قدر بھی

کمال حاصل کرتا جائے گا۔ مستقل، آزاد قائم بالذات اور اپنے محیط پر حاکم اور موثر ہوتا چلا جائے گا۔لہٰذا انسان کی انسانیت فرد میں یا معاشرے میں جس قدر کمال حاصل کرے گی۔ استقلال اور تمام جوانب پر حاکمیت کی جانب گامزن رہے گی۔ کمال حاصل کرنے والا انسان ایک ایسا فرد ہے جو اندرونی و بیرونی ماحول کے تسلط و حاکمیت سے مبرا ہو اور عقیدہ و ایمان سے وابستہ ہو۔ معاشرے کی تکمیل بھی عیناً اسی طرح وقوع پذیر ہوتی ہے جیسے تکمیل روح جسم کے دامن میں اور فرد کی انسانیت کی تکمیل اس کی حیوانیت کے دامن میں انجام پاتی ہے انسانی معاشرہ زیادہ تر اقتصادی شعبوں کے خمیر سے ہی پروان چڑھتا ہے۔ معاشرے کے ثقافتی اور روحانی پہلو معاشرے کی روح کی طرح ہوتے ہیں جیسے جسم اور روح ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اسی طرح معاشرے کی روح اور بدن ایک دوسرے پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یعنی مادی شعبوں کے درمیان ایسے ہی روابط ہوتے ہیں۔ جیسے فرد کے تکامل کا سفر روح کی زیادہ سے زیادہ آزادی، استقلال اور حاکمیت کی جانب ہوتا ہے۔ معاشرے کی تکمیل بھی اس نہج پر ہوتی ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہیے زندگی پر آزادی و حاکمیت اور ثقافتی زندگی کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔

اب ہم یہاں پر انسان کی خلقت کے بارے میں حضرت علیؑ کا نہج البلاغہ سے ایک خطبہ کا جز نقل کرتے ہیں۔

مِنۡهَا) اَیُّهَا الۡمَخۡلُوۡقُ السَّوِیُّ ، وَالۡمُنۡشَأُ الۡمَرۡعِیُّ فِیۡ ظُلُمَاتِ الۡاَرۡحَامِ ،وَمُضَاعَفَاتِ الۡاَسۡتَارِ بُدِئۡتَ مِنۡ سُلَالَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ وَوُضِعۡتَ فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ، اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ، وَاَجَلٍ مَّقۡسُوۡمٍ تَمُوۡرُ فِیۡ بَطۡنِ اُمِّكَ جَنِیۡنًا لَاتُحِیۡرُ دُعَآءً وَّلَا تَسۡمَعُ نِدَآءً ثُمَّ اُخۡرِجۡتَ مِنۡ مَّقَرِّكَ اِلٰی دَارٍ لَّمۡ تَشۡهَدۡهَا وَلَمۡ تَعۡرِفۡ سُبُلَ مَنَافِعِهَا فَمَنۡ هَدَاكَ لِاجۡتِرَارِ الۡغِذَآءِ مِنۡ ثَدۡیِ اُمِّكَ وَعَرَّفَكَ عِنۡدَ الۡحَاجَةِ مَوَاضِعَ طَلَبِكَ وَاِرَادَتِكَ هَیۡهَاتَ اِنَّ مَنۡ یَّعۡجِزُ عَنۡ صِفَاتِ ذِی الۡهَیۡئَةِ وَالۡاَدَوَاتِ فَهُوَ عَنۡ صِفَاتِ خَالِقِهٖ اَعۡجَزُ وَمِنۡ تَنَاوُلِهٖ بِحُدُوۡدِ الۡمَخۡلُوۡقِیۡنَ اَبۡعَدُ. (۵)

ترجمہ: خطبہ کا ایک جزیہ ہے: اے وہ مخلوق کہ جس کی خلقت کو پوری طرح درست کیا گیا ہے اور جسے شکم کی اندھیاریوں اور دہرے پردوں میں بنایا گیا ہے اور ہر طرح سے اس کی نگہداشت کی گئی ہے تیری ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اور تجھے جانے پہچانے ہوئے وقت طے شدہ مدت تک ایک جماؤ پانے کی جگہ میں ٹھہرایا گیا تو جنین ہونے کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پھرتا تھا نہ تو کسی پکار کا جواب دیتا تھا اور نہ کوئی آواز سنتا تھا پھر تو اپنے ٹھکانے سے ایسے گھر میں لایا گیا کہ جو تیرا دیکھا بھالا ہوا نہ تھا اور نہ اس سے نفع حاصل کرنے کے طریقے پہچانتا تھا کس نے تجھ کو ماں کی چھاتی سے غذا حاصل کرنے کی راہ بتائی اور ضرورت کے وقت طلب مقصود کی جگہ پہنچوائیں بھلا جو شخص ایک صورت واعضاء والی کے پہچاننے سے بھی عاجز ہو وہ اس کے پیدا کرنے والے کی صفات سے کیسے عاجز و درماندہ نہ ہوگا اور کیوں کر مخلوقات کی سی حد بندیوں کے ساتھ اسے پالینے سے دور نہ ہوگا۔

انسان کی خلقت وطبعیت:

ادیان الٰہی کی تعلیمات اور دانش وروں کے آثار میں انسان کا روح وجسم کا مرکب ہونے کے اثبات میں بہت سی عقلی ونقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں قرآن مجید بھی وجودِ انسانی کے دو پہلو ہونے کی تائید کرتا ہے،ہم سب سے پہلے انسان کے جسمانی پہلو اور اس کے بعد روحانی پہلو پر قرآن کی آیات کی روشنی میں تحقیق کریں گے۔

انسان کا جسمانی (مادّی) پہلو:

بہت سی قرآنی آیات انسانوں کی نسل حضرت آدمؑ سے قرار دیتی ہیں کہ موجودہ نسل حضرت آدمؑ اور ان کی زوجہ سے شروع ہوئی اور ان کی خلقت خاک سے شروع ہوئی۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔(٦)

''اے لوگو! اپنے پالنے والے سے ڈرو (وہ پروردگار) جس نے تم سب کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کی ہمسر (بیوی) کو پیدا کیا اور انہیں دو سے بہت سے مرد وعورت

(زمین میں) پھیل گئے۔

اس آیت میں ایک ہی انسان سے سبھی لوگوں کی خلقت کو بہت ہی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ O ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ O۔ (۷)

''وہ (قادر) جس نے جو چیز بنائی خوب (درست بنائی) اور انسان کی ابتدائی خلقت مٹی سے کی پھر اس کی نسل گندے پانی سے ہوئی۔''

اس آیت میں بھی انسان کا نکتہ آغاز مٹی ہے اور اس کی نسل کو مٹی سے خلق ہوئے انسان کے نجس قطرے سے بتایا ہے یہ آیت ان آیات کے ہمراہ جو حضرت آدمؑ کی خلقت کو (سب سے پہلے انسان کے عنوان) خاک و مٹی سے بیان کرتی ہے موجودہ نسل کے ایک فرد (حضرت آدمؑ) تک منتہی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

نظریہ تکامل اور اس کے ترکیبی عناصر کے ضمن میں بہت پہلے یہ نظریہ بعض دوسرے مفکرین کی طرف سے بیان ہو چکا تھا لیکن ڈارون نے ایک عام نظریہ کے عنوان سے اسے پیش کیا۔ جو ڈاروں کے زمانے اور اس کے بعد بھی سخت متنازع اور تنقید کا شکار رہا۔

Charles Robert Darwin نے انسان کی خلقت کے سلسلے میں اپنا نظریہ یوں پیش کیا ہے کہ انسان اپنے سے پست حیوان سے ترقی کر کے موجودہ صورت میں خلق ہوا ہے اس کا کہنا تھا کہ مختلف نباتات و حیوانات کی اقسام اتفاقی دھیرے دھیرے تبدیلی کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں جو کہ ایک نوع کے بعض افراد میں فطری عوامل کی بنیاد پر پایا جاتا ہے۔ جو تبدیلیاں ان افراد میں پیدا ہوئی ہیں وہ وراثت کے ذریعے بعد والی نسل میں منتقل ہوگئی ہیں اور بہتر وجود۔ فطری انتخاب اور بقا کے تنازع میں محیط کے مطابق حالات ایک جدید نوعیت کی خلقت کے اسباب مہیا کرتے ہیں وہ اسی نظریہ کی بنیاد پر معتقد تھا کہ انسان کی خلقت بھی تمام اقسام کے حیوانات کی طرح سب سے پست حیوان سے وجود میں آئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان گزشتہ حیوانوں کی اقسام میں سب سے بہتر ہے۔

یہاں پر یہ میں ضرور کہنا چاہوں گا کہ انسان کی خلقت سے مربوط قرآنی آیات کے مفاہیم انسان کی خلقت کے سلسلہ میں Darwin کی تھیوری مطابقت نہیں رکھتی۔

قرآن مجید نے بہت سی آیات نسل آدمؑ کے بارے میں گفتگو کی ہے اور ان کی خلقت کے مختلف مراحل بیان کئے ہیں جیسے سورۂ مریم کی آیت نمبر ۶۷ میں ارشاد فرما رہا ہے کہ:

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۔(۸)

ترجمہ: کیا انسان بھول گیا کہ ہم نے اس وقت اسے خلق کیا جب وہ کچھ نہ تھا۔

مادہ کے بغیر انسان کی خلقت نہیں ہے اس لئے کہ بہت سی آیات میں ابتدائی مادہ کی بنا پر انسان کی خلقت کی تاکید ہوئی ہے، اس آیت میں یہ نکتہ مورد توجہ ہے کہ انسان کا مادہ و خاکہ، انسانی وجود میں تبدیل ہونے کے لئے ایک دوسرے (روح یا انسانی نفس و جان) کے اضافہ کا محتاج ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ابتدائی مادہ انسان کے مقابلہ میں روح کے بغیر قابل ذکر و قابل اہمیت نہیں ہے اسی بنا پر ہم سورۂ ''انسان'' کی پہلی آیت میں پڑھتے ہیں:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا(۹)

''کیا انسان پر وہ زمانہ نہیں گزرا جس میں وہ قابلِ ذکر شے بھی نہ تھا۔''

دوسرے گروہ کی آیات میں انسان کی خلقت کے ابتدائی مادہ کو:

زمین

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۱۰)

ترجمہ: اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین (کی مٹی) سے پیدا کیا۔

خاک

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ(۱۱)

ترجمہ: ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔

مٹی

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ(۱۲)

ترجمہ: اور انسان کی ابتدائی خلقت مٹی سے کی۔

چپکنے والی مٹی

اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ لَّازِبٍ (۱۳)

ترجمہ: ہم نے ان لوگوں کو لیسدار مٹی سے پیدا کیا۔

بدبودار مٹی (کیچڑ) خمیر

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ (۱۴)

ترجمہ: بیشک ہم ہی نے آدمی کو (خمیر دی ہوئی) سڑی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھن کھن بولنے لگے پیدا کیا۔

ٹھیکرے کی طرح خشک مٹی

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ (۱۵)

ترجمہ: اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

بعض آیات

انسان کے تخلیقی مادے کو پانی بتاتی ہے جیسے:

وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ۔ (۱۶)

ترجمہ: ''وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا۔''

اور پانی سے مراد ہی پانی ہے، جو عرف عام کی اصطلاح میں ہے لیکن ان آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو انسان یا نسلِ آدمؑ کی خلقت کو

نجس

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ (۱۷)

ترجمہ: کیا ہم نے تم کو ذلیل پانی (منی) سے پیدا نہیں کیا۔

یا آب جہندہ

ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ (۱۸)

ترجمہ: پھر اس کی نسل (انسانی جسم کے) خلاصہ یعنی (نطفہ کے سے) ذلیل پانی سے بنائی۔

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ۔(۱۹)

ترجمہ: وہ اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے۔

سے بیان کرتی ہیں ان سے اس احتمال کو قوت ملتی ہے کہ اس آیت میں پانی سے مراد انسانی نطفہ ہے، اور آیت شریفہ نسل آدمؑ کی ابتدائی خلقت کے نطفہ کو بیان کر رہی ہے۔لیکن ہر مقام پر اس کی خصوصیات میں سے ایک ہی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے منجملہ خصوصیات میں سے جو قرآن میں اس نطفہ کو انسانی نسل کی خلقت کے نطفہ آغاز کے عنوان سے ذکر کیا ہے وہ مخلوط ہوتا ہے جسے علم بشر کم از کم ۱۸ ویں صدی سے پہلے نہیں جانتا تھا۔

سورۂ دہر کی دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے:

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا(۲۰)

ترجمہ:''ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں (اسی لئے) تو ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔''

وہ آیات جو انسان کی جسمانی خلقت کے مختلف مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہیں ان میں سورۂ حج آیت نمبر ۵ سورۂ مومنون آیت نمبر ۶۷ سورۂ غافر آیت نمبر ۳۸ کی آیات نمایاں ہیں جو مضعہ ہڈیوں کی خلقت ہڈیوں پر گوشت کا آنا اور دوسری چیزوں کی خلقت اور آخر میں روح پھونکنا یہ وہ مراحل ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نطفہ کے رشد کے لئے بیان ہوئے ہیں۔

سورۂ مومنون کی ۱۲ سے ۱۴ ویں آیات جو انسان کی جسمانی خلقت کے مراحل کو ذکر کرنے کے بعد انسانی روح پھونکے جانے کے مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ(۲۱)

''اور ہم نے آدمی کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (عورت کے رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم ہی نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر ہم ہی نے منجمد خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم ہی نے اس کو (روح ڈال کر) ایک دوسری صورت میں پیدا کیا (سبحان اللہ) خدا بابرکت ہے جو سب بنانیوالوں سے بہتر ہے۔''

سورۂ سجدہ کی نویں آیت بھی انسان کے اندر روح کے حقیقی وجود کے بارے میں گفتگو کرتی ہے۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ قَلِيۡلاً مَّا تَشۡكُرُوۡنَ(۲۲)

ترجمہ:''پھر اس (کے پتلے) کو درست کیا اور اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تم لوگوں کے (سننے کے) لئے کان اور (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لئے) دل بنائے (اس پر بھی) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔''

سورۂ سجدہ کی دسویں اور گیارہویں آیات جو وجود روح کے علاوہ موت کے بعد اس کی بقا کو ثابت کرتی ہیں۔

وَقَالُوۡۤا ءَ اِذَا ضَلَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ ءَ اِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ بَلۡ هُمۡ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝ قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ(۲۳)

ترجمہ:''اور ان لوگوں نے کہا کہ جب تم مر گئے زمین میں ناپید ہو گئے تو کیا ہم پھر نیا جنم لیں گے یہ لوگ اپنے پروردگار کے حضور ہی سے انکار رکھتے ہیں تو تم کہہ دو کہ ملک الموت جو تمہارے اوپر تعینات ہے وہ تمہاری روحیں قبض کرے گا اس کے بعد تم سب کے سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

مذکورہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے وقت جو چیز مشاہدہ ہوتی ہے وہ چیز انسان کی اصل اور حقیقت ہے جو بے حرکت اور احساس وفہم سے عاری جسم کے علاوہ ہے۔

ڈاکٹر عبید احمد خان اپنے تحقیقی مقالہ ''اسرار قرآنی کے حصول میں باطنی حواس کا کردار'' میں جسم انسانی کے عناصر اربعہ روح انسانی کے پانچ لطائف پر بہت خوبصورت گفتگو کرتے ہوئے مومن

کی فراست اور روح کی طاقت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

''اس لطیفے میں اپنے صانع سبحانہ وتعالیٰ کی وہ عجیب وغریب نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں جو دوسری کسی مخلوق میں ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن (یعنی نہ میری زمین مجھ کو سما سکتی ہے اور نہ میرا آسمان سما سکتا ہے لیکن میرے مومن بندے کا دل مجھ کو سما سکتا ہے)۔

(۱) جسمِ انسانی: جسم انسانی یعنی مادی جسم عناصرِ اربعہ سے تخلیق پاتا ہے۔ جنہیں لطائف بھی کہتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں: ۱۔ مٹی ۲۔ آگ ۳۔ پانی ۴۔ ہوا ۵۔ لطیفہ نفسِ (امارہ) اور جسمِ انسانی کے پانچ ظاہری حواس ہیں:

۱۔ قوتِ باصرہ (آنکھوں سے مشاہدہ کی قوت کو کہتے ہیں) ۲۔ قوت لامسہ (چھونے کی قوت) ۳۔ قوتِ شامہ (ناک کے ذریعہ سونگھنے کی قوت کو کہتے ہیں) ۴۔ قوتِ ذائقہ (لسان سے چکھنے کی قوت کا نام ہے) ۵۔ قوتِ سامعہ کانوں سے سننے کی قوت

(۲) روحِ انسانی: روحِ انسانی جسمِ لطیف کے پانچ لطائف ہوتے ہیں: ۱۔ قلب ۲۔ روح ۳۔ سر ۴۔ خفی ۵۔ اخفی اور باطن یعنی روح کے چھ حواس ہوتے ہیں:

۱۔ حسِ مشترک: حواسِ ظاہری سے اخذ کی گئی معلومات کو عقل پر نقش کرنے کا کام انجام دیتا ہے اس کو لوح النفس بھی کہتے ہیں۔

۲۔ حسِ خیال: حسِ مشترک کے ذریعہ جذب کئے گئے علوم کو حسِ خیال اپنے اندر بصورتِ تصویر محفوظ کر لیتی ہے۔

۳۔ حسِ واہمہ: یہ حس جمع کئے گئے علوم کو باطنی شکل وصورت میں ادراک کر کے محفوظ کر لیتی ہے۔

۴۔ حسِ حافظہ: حسِ حافظہ حسِ واہمہ سے لے کر معنوی وجود یعنی مفہوم کو ان ظاہری شکل وصورت کو محفوظ کر لیتی ہے۔

۵۔ حسِ متصرفہ: یہ حس تمام معلومات کو باہم ملا کر ایک خاص نقطے تک پہنچا دیتی ہیں جہاں پر

ادراک علم میں بدل جاتا ہے۔

یہ ظاہری حواس سے حاصل کی گئی معلومات کو منتقل کرتے ہیں باطنی حواس بیداری کے بعد از خود ظاہری معلومات کی حقیقت کو جذب کر کے علمِ معرفت عطا کرتے ہیں۔اسی لئے مومن کی فراست سے بچنے کا کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''(۲۴)

معلوم ہوا کہ روح یعنی نفس کو پہچاننا ہی دونوں جہاں کی نیک بختی ہے۔حد کمال کو حاصل کرنا ہے تو روح کو پہچانو حضرت رسول خداؐ سے منقول ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔(۲۵)

ترجمہ:''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے بہ تحقیق اپنے پروردگار کو پہچان لیا''

اور جب آدمی اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے تو اس کو تحصیل کمالات کا شوق ہوتا ہے وہ اخلاق کی تہذیب اور برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور بتدریج اپنی منزل کو حاصل کر لیتا ہے اور یہ ہی چیز انسان کو دیگر تمام مخلوقات پر قابل فخر بناتی ہے۔اللہ تعالیٰ بھی تمام مخلوقات پر انسان کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا۔(۲۶)

یعنی ہم نے فرزندان آدمؑ کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔یہ روح وہ جوہر باطنی ہے جس کی وجہ سے انسان ہوشیار اور بیدار رہتا ہے تمام علوم وصنعتوں کو پہچانتا ہے۔ایک لمحہ میں اس کی فکر زمین سے آسمان تک پہنچتی ہے اور انسان سعادت اور خوش بختی کا راستہ اپناتا ہے اور اس طرح انسانی معاشرہ نیکی اور شرافت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

علامہ احمد نراقی اپنی کتاب عروج السعادۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت امیر المومنین علیہ السلام قرآن کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان اپنی حقیقتِ نفس کے باعث تمام حیوانات پر ممتاز ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ذَانَفْسٍ نَاطِقَةٍ۔(۲۷)

یعنی:''انسان صاحب نفس خلق کیا گیا ہے اور اس کے معقولات کو معلوم کرتا ہے۔''

واضح ہو کہ آدمی کو اسی نفس کے سبب سے تمام حیوانات پر ترجیح دی گئی ہے۔یہ نفس جنسِ ملائکہ

مقدسہ سے ہے۔ بدن نفس کے لئے ایک مرکب ہے وہ اس پر سوار ہو کر عالمِ اصلی و وطنِ حقیقی سے اس عالم دنیا میں آیا ہے کہ اپنے لئے کوئی تجارت کرے، فائدہ آخرت اٹھائے۔ اپنے کو طرح طرح کے کمالات سے آراستہ کرے۔ صفاتِ حمیدہ و اخلاقِ پسندیدہ حاصل کرے۔ پھر اپنے وطنِ اصلی یعنی عالمِ بقا کی طرف واپس جائے۔ یہ بدن حیوانات کو بھی دیا گیا ہے۔ جو ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، سر، سینہ، تمام اعضاء سے بنایا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان حیوان پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ باعثِ فضیلت وہی نفسِ ناطقہ ہے جو حیوانات کو میسر نہیں ہے۔

واضح ہو کہ بدن فانی و بے بقا ہے بعد مرنے کے اس کے اجزاء ایک دوسرے سے متفرق وخراب ہو جاتے ہیں۔ دوسرے وقت خداوند عالم کے حکم سے تمام اجزء جمع ہو کر حساب وثواب و عتاب کے واسطے زندہ ہوں گے لیکن نفس کو بقا ہے۔ اس کو تن سے جدا ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہے۔ بدن کی خرابی اس کی خرابی وفنا کا باعث نہیں ہو سکتی۔

اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا ہے:

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَرَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (۲۸)

''جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

اِرْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ۔ (۲۹)

یعنی: ''اے نفس اپنے رب کی طرف رجوع وبازگشت کر جیسا کہ سابق میں اس کے پاس سے آیا ہے''

پیغمبر خداؐ جنگ بدر میں ندا فرماتے تھے:

هَلْ وَجَدْتُمْ مَاوَعَدَ كُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا۔

یعنی: اے شہدائے بدر جو کچھ پروردگار نے وعدہ فرمایا، تم نے حق ودرست پایا۔

پس بعض اصحاب نے اس وقت عرض کیا کہ:

یارسول اللہؐ! یہ لوگ مر گئے ہیں۔ آپؐ ان کو کیوں ندا فرماتے ہیں۔''

حضرتؐ نے فرمایا:

اِنَّھُمۡ اَسۡمَعُ مِنۡکُمۡ ۔ (۳۰)

''یہ لوگ تم سے زیادہ سننے والے ہیں۔ان کا فہم وادراک تم سے زیادہ ہے۔''

ظاہر ہے کہ اس وقت ان کا سننا اس بدن سے نہ تھا جو صحرائے بدر میں پڑا تھا۔ بلکہ وہ نفسِ پاک کے باقی رہنے سے سماعت کرتے تھے۔

آگے آپ انسان کے مقام ومنزلت کے بارے میں واضح کرتے ہیں کہ کسطرح انسان بذریعۂ نفس فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات وانوارِ الٰہیہ حاصل کرسکتا ہے

معلوم ہوا کہ انسان کے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ روحانی:

جس کو عالم ارواح وملائکہ مقدسہ سے مناسبت ہے۔

دوسرا حصہ جسمانی:

جس کو حیوانات وبہائم سے مشابہت ہے۔ اس کے ذریعہ سے یہ جز وجسمانی چند روز کے لئے اس عالمِ حس میں زندگی ومقام کرتا ہے اور جز وروحانی کے واسطہ سے عالم اعلیٰ کی طرف سفر کرکے وہاں کے باشندوں کے ساتھ مصاحبت کرتا ہے۔ بشرط یہ کہ دنیا میں اس قدر ترقی کر چکا ہو کہ جز وروحانی، جز وجسمانی پر غالب ہو۔ کدورت عالم سے اپنے کو دور رکھا ہو آثارِ روحانیت پیدا ہوئے ہوں۔ ایسا انسان دنیا میں ہی اپنے مقامات آخرت دیکھ لیتا ہے باوجود یہ کہ وہ دنیا میں ہے مگر ہر لحظہ فیضِ الٰہی حاصل کرتا ہے۔ نورِ الٰہی سے اس کا دل روشن رہتا ہے۔ اور جس قدر تعلق جسمانی کم ہوتا ہے، اسی قدر دل کی روشنی وصفائی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔''(۳۱)

انسان کی فطرت وطبیعت:

فطرتِ انسان کومختلف مفکرین اس کی مادّی ضرورتوں پر منحصر کردیتے ہیں مثلاً: کھانا پینا، خاندان، گھر بنانا، نومولود کی کفالت، انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کی کیفیت سماجی طبیعت اپنے وجود کو بچانا، تولیدِ نسل کرنا یہ فطری چیزیں جو حیوانات کے درمیان بھی موجود ہیں لیکن انسان کی مخصوص و بلند و بالا فطرت ہے۔انسان کی جستجو معرفت، خواہشات، توانائی کو استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھنا۔مدارج طے کرتے ہوئے نفس پر غالب آجانا انسان کی خصوصیات اور حیوانیت سے بالاتر فطرت ثابت کرتا ہے۔

انسان کی مخصوص فطرت وطبیعت اور حیوانات سے بالاتر گوشوں کو اس کی فہم، خواہش اور توانائی کے تین پہلوؤں میں تلاش کرنا چاہئے۔انسانوں کی مشترکہ فطرت کے وجود پر پہلی دلیل یہ ہے کہ انسان ایک مخصوص فہم معرفت کا مالک ہے اور انسان کا اس فہم وادراک کی مدد سے نتیجہ حاصل کرنا عقلی ادراک اور قواعد واصول پر استوار ہے سب سے پہلے انسان کا ذہن کسی چیز کیلئے آمادہ ہوتا ہے پھر اس کے حواس فعال ہوتے ہیں۔تصورات کے اسباب فراہم ہوتے ہی اس کی ذہنی قابلیت رونما ہوتی ہے اور اقسام قیاس کو ترتیب دیتے ہوئے انسان معلومات حاصل کرلیتا ہے اسی وجہ سے انسان حیوانات کے مقابلے میں معلومات کے نتائج وآثار سے بالاتر ہے۔علم وتعلیم ہو یا علم وٹیکنالوجی یہ انسان کے لئے ہی مخصوص ہے انسان ہر ماحول واجتماع میں تعلیم وتعلم میں چاہے کم سنی ہو یا ضعیفی وجود رکھتا ہے یہ انسان کی طبیعت میں ہمیشہ موجود ہے انسان کے اخلاق وکردار کی معرفت بھی مشترکہ فطرت کے اثبات کے لئے موافق ماحول فراہم کرتی ہے۔انسانوں کے تجربات۔شواہد اور بعض مشترکہ اخلاقی عقائد کا گذشتہ افراد کے اعمال میں تاریخی جستجو مثلاً انکا عدالت اور وفاداری کا اچھا ہونا۔ظلم اور امانت میں خیانت کا برا ہونا ان کے حسن اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور ہر انسان ایک مخصوص اخلاقی استعداد کی صلاحیت رکھتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ نکھرتی چلی جاتی ہے۔اور یہ چیز انسان میں عقل کی موجودگی کی اہمیت ظاہر کرتی ہے جس سے حیوانات محروم ہیں۔

مشترکہ فطرت کے وجود کی دوسری دلیل۔انسانوں کے درمیان حیوانیت سے بالا تمناؤں اور آرزوں کا وجود ہے۔علم طلبی اور حقیقت کی تلاش۔بلندی کی خواہش۔خوب صورتی کی آرزو، ہمیشہ باقی رہنے کی تمنا اور عبادت کا

جذبہ خوب سے خوب تر بننے کا جذبہ یہ ساری چیزیں انسان کی حقیقی اور فطری خواہشات کے نمونے ہیں اور ہر انسان فطری طور پر ان خواہشات سے بچپن سے ہی بہرہ مند ہوتا ہے اور زندگی کے آخری لمحات تک ذہن انسانی کی مختلف قوتیں اور طاقتیں ان فطری خواہشات کی تسکین کے لئے مفید وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔ انسان کی خوبصورتی کی خواہش اس کی فطرت و ذات سے تعلق رکھتی ہے اور پوری تاریخ انسانیت میں انسان کی تمام نقاشی کی تخلیقات اسی خوبصورت شناسی کی حس کی وجہ سے ہے۔

مشترکہ فطرت کی ایک اور دلیل خود انسان کی ذاتی قوت و توانائی ہے۔ معتبر علامتوں کے ذریعے سمجھنا سمجھانا، زبان سیکھنا، مختلف مدارج طے کرتے ہوئے عروج و بلندی حاصل کرنا۔ اور تہذیبِ نفس وغیرہ انسان کی ایسی قوتیں ہیں جو انسان کی فطرت میں شمار ہوتی ہیں جب سے انسان اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے یہ انسان کے ساتھ ہوتی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ترقی حاصل کرتی چلی جاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت انسان کی مشترکہ اخلاقی اور اعتباری فطرت کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور انسان کو کمال کے حصول کی دعوت دیتی ہے اور اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے انسان کی ذاتی قدرت کی موجودگی کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (۳۲)

ترجمہ: ’’قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا اور پھر اس کی بدکاری اور پرہیز گاری کو الہام کے ذریعہ اس تک پہنچایا‘‘

سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۰ انسان میں فطرت الٰہی کے وجود پر دلالت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی انسان ذاتی طور پر خدا سے آشنا ہے وہ فطرتِ الٰہی کے ساتھ خلق کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ (۳۳)

ترجمہ: ’’تو تم باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو یہی خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی فطرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی‘‘

یعنی انسان ایک ایک فطرت اور طبیعت کے ساتھ خلق ہوا ہے کہ جس میں قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

انسان کی ذات میں توحید کی طرف کشش پائی جاتی ہے اور وہ ذاتی طور پر خدا پرستی اور خدائی جستجو تلاش اس کی فطرتمیں موجود ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے منقول روایت کی وضاحت میں فرمایا:

كُلِّ مَوْلُودٍ يُولِدُ عَلَى الفَطرةِ۔(۳۴)

ترجمہ: ہر بچہ توحید فطرت پر متولد ہوتا ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

المعرفَةَ بِاَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ خَالقُه۔(۳۵)

یعنی ''ہر بچہ اس معرفت وآ گاہی کے ساتھ متولد ہوتا ہے کہ اللہ اس کا خالق ہے''

نہج البلاغہ میں دامادِ رسول حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

كلمة الاخلاص هى الفطر۔(۳۶)

خداوند عالم کو سمجھنا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے

انسان کے اندر موجود فطری اور طبعی امور چاہے وہ انسان کے حیوانی پہلو سے مرتبط ہوں جیسے خواہشات اور وہ چیزیں جو اس کی حیوانیت سے بالاتر اور انسانی پہلو سے مخصوص ہوں خلقت کے وقت ظاہر اور عیاں نہیں ہوتے بلکہ یہ وہ پوشیدہ اور مخفی صلاحیتیں ہیں جو آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہیں جیسے جنسی خواہش اور ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا وغیرہ وغیرہ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان بعض مشترکہ فطری عناصر سے استوار ہے بیرونی اسباب وعوامل اور ماحول انسان کی فطرت پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انسان فطری طبیعت کے اعتبار سے نیک اور خیر خواہ ہی نہیں بلکہ اس میں پستی اور ذلت کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔اسی لئے انسان کی مشترکہ فطرت کو ایسے عناصر کا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے کہ جس میں بعض فلاح وخیر کی طرف متوجہ ہیں لیکن منفی ماحول کا غلط تاثر یا مشترکہ طبیعت سے انسان کی غفلت اور انسان کے افعال میں تمام مؤثر عوامل کی وجہ سے یہ حصہ بھی اپنے ضروری ثمرات کھو دیتا ہے۔

قرآن مجید انسان کی فطرت کو ایک طرف تفکر خواہش اور توانائی کا مجموعہ بتاتا ہے جس کی بدولت افراد خداوند عالم کی تلاش ،معرفت اور عبادت کے فطری ہونے کی طرف متوجہ ہیں اور دوسری طرف قرآن خلقت سے

پہلے اور کے حالت نیز اجتماعی اور فطری ماحول سے چشم پوشی نہیں کرتا من جملہ ان کی تاثیر کے بارے میں آگاہ کرتا ہے اور آگاہ انسان کے ارادہ وانتخاب میں اثر انداز عنصر کو تسلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کا بھیجا جانا آسمانی کتب کا نزول، الٰہی قوانین واحکام کا لازم والا جراء ہونا اور دینی حکومت کی برقراری یہ تمام چیزیں انسان کو فعال رکھنے اور مشترکہ فطری عناصر کے مجموعہ سے آراستہ پروگرام سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں ہے چاہے مقصد رکھتی ہوں یا نہ رکھتی ہوں یا دوسرے اسباب کی وجہ سے ہوں اور انسان کی برائی غلط اثر اور غفلت کا نتیجہ ہے اور انسان کی اچھائی اور نیکی دینی اور اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں دیدہ ودانستہ کردار کا نتیجہ ہے۔

اب ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ انبیاء انسان کو حیوانی غفلت سے نجات دے کر انسانیت کے راستے پر گامزن کرتے ہیں اور دنیا میں نصیحتوں، تعلیمات اور اپنے کردار وعمل کے ذریعے انسان کو حقیقی سعادت سے ہمکنار کرنے میں مدد کرتے ہیں اور وہ صحیح راستے کو چن لیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان صالح اور کامیاب انسانوں کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

انسان کی مادّی زندگی

انسان کی مادّی زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جو مادّہ سے نسبت رکھتی اور مادّہ اسے کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی ترکیب کی جائے۔(۳۷)

مادّہ فانی شے ہے اسے دوام نہیں ایک خاص مدت کے لئے کوئی شے وجود میں آتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ چیز رفتہ رفتہ زوال پذیر ہو جاتی ہے دنیا کو اسی لئے فانی کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے فانی ہے اور آخرت کی ہر شے باقی ہے اسی لئے انسان کی دنیاوی زندگی کو مادّی زندگی اور اخروی زندگی کو معنوی زندگی کہا جاتا ہے۔

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی مادّی یعنی دنیاوی زندگی پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم دنیا کے معنی کی وضاحت کر دیں تا کہ ہمارا مطلب اور واضح ہو جائے لغت کے لحاظ سے دنیا موجودہ زندگی کو کہتے ہیں۔(۳۸)

یعنی عالم وجود میں جو زندگی انسان گزار رہا ہے وہ دنیاوی زندگی سے عبارت ہے اور یہ زندگی عارضی اور فانی ہے جب کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے۔ دنیا ادنیٰ کا مونث ہے اگر ہم اسے مادّہ دنی سے لیں تو اس کے معنی پست تر کے ہیں اور اگر مادّہ دنو سے اخذ کریں تو اس کے معنی نزدیک تر ہونے کے ہیں اور یہ دنیا صفت ہے جو اپنے موصوف کی محتاج ہے جیسے حیاتِ دنیا ، عذابِ دنیا، سعادت دنیا وغیرہ دنیا کی زندگی کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کی زندگی سے پست تر ہے یا اس حیثیت سے کہتے ہیں کہ یہ آخرت کی زندگی سے نزدیک تر ہے اور قرآن مجید میں دونوں معانی کے لئے استعمال ہوا ہے مثال کے طور پر ارشاد خداوندی ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ(۳۹)

ترجمہ:''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی۔ پس نہ ان کے عذاب ہی میں تخفیف کی جائے گی اور نہ وہ لوگ کسی طرح کی مدد دیے جائیں گے۔''

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

نّٰصِرِیْنَ(۴۰)

ترجمہ:''یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جن کا سارا کیا کرایا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا(۴۱)

ترجمہ:''(اے رسول) کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن کو جہاد کی آرزو تھی اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روکے رہو اور پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ دیئے جاؤ مگر جب جہاد ان پر واجب کیا گیا تو ان میں سے کچھ لوگ (بودے پن میں) لوگوں سے اسطرح ڈرنے لگے جیسے کوئی خدا سے ڈرے بلکہ اسے کہیں زیادہ اور (گھبرا کر) کہنے لگے خدایا تو نے ہم پر جہاد کیوں واجب کر دیا ہم کو کچھ دنوں کی اور مہلت کیوں نہ دی (اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ ان کی آسائش بہت تھوڑی سی ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے اس کی آخرت اس سے کہیں بہتر ہے اور وہاں تو ریشہ (بال) برابر بھی تم لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

لفظ دنیا المعجم مفہرس کے اعتبار سے ایک سو پندرہ (۱۱۵) مرتبہ قرآن میں آیا ہے اور ان تمام آیات میں صرت حالیہ زندگی ہے سوائے چار مقامات کے جس میں صفت آسمان اور صحرا کے کنارے سے مراد لیا گیا ہے۔

جیسے :اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ

عَلِيمٌ (۴۲)

ترجمہ: (یہ وہ وقت تھا) جب تم میدان جنگ میں مدینے کے قریب کے ناکے پر تھے اور کفار بعید کے ناکے پر اور قافلہ کے سوار تم سے نشیب میں تھے۔ اور اگر تم ایک دوسرے سے (وقت کی تقرری) کا وعدہ کر لیتے تو وہ وقت پر گڑ بڑ کر دیتے مگر خدا نے تم لوگوں کو اچانک اکٹھا کر دیا تاکہ جو بات شدنی تھی وہ پوری کر دکھائے تاکہ جو شخص ہلاک (گمراہ) ہو وہ حق کی حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کی حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے خدا یقینا سننے والا خبردار ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ (۴۳)

ترجمہ: اور (چاند سورج تارے) کے طلوع وغروب کے مقامات کا بھی مالک ہے۔

وَ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَ حِفْظاً ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (۴۴)

ترجمہ: ہم نے نیچے والے آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے مزین کیا اور شیطانوں سے محفوظ رکھا۔ یہ واقف کار غالب (خدا) کے مقرر ہوتے ہوئے اندازے ہیں۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (۴۵)

ترجمہ: اور ہم نے نیچے والے (پہلے) آسمان کو (تاروں) کے چراغوں سے زینت دی اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے دھکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جوھری نے صحاح میں لکھا ہے کہ دنیا نزدیک ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور قاموس میں اقرب نے کہا کہ دنیا نقیض آخرت ہے اور آخر میں کہتے ہیں کہ دنیا اسی زندگی کا نام ہے اور آخرت اس سے دور ہے۔(۴۶)

متاع حیات الدنیا اور اس کی حقیقت:

دنیا کے مطلب کی مختصر سی تعریف آور آیات کے استدلال کے بعد ہم انسان کی متاع حیات الدنیا کی حقیقت واضح کریں گے تا کہ حقیقت دنیا آشکار ہو جائے ۔ دنیا اسی کرہ ارض کو کہا جاتا ہے جس میں انسان اور دیگر مخلوقات زیست کی منزلیں طے کرتے ہیں اور اپنا اپنا حصہ لے کر دنیا سے آخرت کے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں ۔ روئے زمین پر جو بھی مخلوقات اور اشیاء پائی جاتی ہیں ان سب کا تعلق مادّیات سے ہے یہ ساری نعمات پروردگار نے انسان کے لئے فراہم کی ہیں اور خود انسان کو اپنے لئے خلق فرمایا۔قرآن کریم میں پروردگار نے انسان کی خلقت کا مقصد بھی بیان فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ(۴۷)

ترجمہ: اور جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں ۔

تمام مخلوقات اور پھر انسان جیسی بہترین مخلوق کے خلق کرنے کی وجہ سے وہ لائق حمد وثناء ہے۔خود پروردگار عالم ارشاد فرما رہا ہے:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ(۴۸)

ترجمہ: پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی کی شکل دی پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا، خدا بابرکت ہے جو سب بتانے والوں سے بہتر ہے۔

اور پھر اس کا مقصد تخلیق بھی بیان کر رہا ہے میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور دنیا کی ساری نعمات جن سے انسان بہرہ مند ہوتا ہے خود انسان کے لئے خلق فرمائی ہیں حالانکہ یہ لامتناہی نعمتیں جن کا شمار ممکن نہیں اس عارضی حیات دنیا کے لئے اس رب کریم نے فراہم کی ہیں ذرا تصور کریں کہ ابدی زندگی کے لئے جو نعمتیں خداوند عالم فراہم کرے گا وہ ہمارے وہم وگمان میں نہیں آ سکتیں دنیا سے مراد یہ زمین ہے جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں کیونکہ خداوند کریم نے ہمیں مٹی سے خلق فرمایا اسی لئے اس مٹی میں بھی زندگی کی بقا رکھی ۔ چنانچہ روئے زمین پر جتنی بھی اشیاء ہیں خواہ وہ زمین کے اوپر ہوں یا زمین کے اندر زمین پر موجود کھیت ، باغات اور مکانات ،حیوانات ،نباتات اور

زمین کے اندر جو معدنیات، لوہا، تانبہ، پیتل، سونا، چاندی یہ سب انسان کی زندگی کے سفر کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور اسلامی طرز فکر کے مطابق انسان اور کائنات کے کارآمد چیزوں کے درمیان گہرا تعلق موجود ہے اور قرآن کریم نے بار بار اس کی تشریح کی ہے کہ دنیا کی سب سے کارآمد چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں انسان اور اللہ کی مدتی نعمتوں کے درمیان اس وقت سے گہرا تعلق ہے جب ابھی انسان نے ان نعمتوں سے بہرہ مند ہونا شروع بھی نہیں کیا تھا قرآن کہتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۴۹)

ترجمہ: زمین میں جو کچھ ہے اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

تخلیق آدمؑ کے قصہ کی ابتداء میں ارشاد ہو رہا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ (۵۰)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کے لئے جگہ دی اور تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو''

یعنی تم جن نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو یہ ہم نے تمہارے لئے ہی پیدا کی ہیں۔ قرآن کی آیتوں کے ساتھ ساتھ ذرا خود بھی بنظر پورے تخلیقی نظام کو دیکھیں اور سمجھئے کہ انسان اور دنیا کی نعمتیں ایک دوسرے کے لئے پیدا کی گئی ہیں مثلاً ایک نوزائیدہ بچے اور اس کی ماں کے دودھ کے درمیان تعلق کی نوعیت تو دیکھیں کہ یہ دودھ اور اس کے بنانے کا پورا نظام بچے ہی کی خاطر وجود میں آیا ہے۔ جیسے جیسے بچے کی پیدائش کا وقت نزدیک آتا ہے آہستہ آہستہ حیرت انگیز طور پر بچے کے نظام ہضم کی مناسبت سے غذا وہاں بننا شروع ہو جاتی ہے اور جیسے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اس تیار شدہ غذا سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیتا ہے۔

''حکماء کی ایک اصطلاح ہے۔ وہ اس عالم کی تمام مخلوقات کو طبعی موجودات سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سات باپ ہیں، چار مائی اور تین بچے۔ سات باپوں سے مراد سات آسمان ہیں جن کے قدماء قائل تھے۔ چار ماؤں سے مارادعناصر اربعہ ہیں۔ قدماء کا خیال تھا کہ عناصر چار ہیں۔ پانی، مٹی، ہوا اور آگ اور تین بچوں سے مراد

اس دنیا کی مرکبات ہیں جن کی مجموعی طور پر تین اقسام قرار دی گئی ہیں یعنی جمادات، نباتات، حیوانات۔انسان بھی حیوانات میں شامل ہے۔باپ، ماں اور بچے کی تعبیر انہوں نے اس لئے اختیار کی تھی کہ ان کا کہنا تھا کہ اجرام فلکی عناصر اربعہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مرکبات یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات ظہور میں آتے ہیں اس لئے یہ مرکبات اجرام فلکی اور عناصر کے بچے ہوئے'' (۵۱)

قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات ملتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زمینی حالات کی تبدیلیاں اور انسانی ضروریات کے درمیان ایک معنوی تعلق قدیم آہنگی موجود ہے موسموں کا آنا جانا۔بادلوں کا اٹھنا، بارش برسنا وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ○ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (۵۲)

ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کے لئے پانی ملتا ہے اور وہ اس سے تمہارے لئے درخت اگاتا ہے اور ان درختوں کے پتوں سے تم کام لیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو سوچتے اور غور کرتے ہیں''

نظام عالم پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرر ہے ہیں مثال کے طور پر۔

(۱) دھاتوں سے انسان اوزار اور آلات اور مشینیں بناتا ہے۔سونا چاندی سے پہلے زمانے میں دینار اور درہم کے سکوں کے لئے استعمال کرتا تھا اور آج بھی اقتصادیات ومعاشیات کا دارومدار اسی سونا، چاندی پر ہے۔اسی کو سرمایا قرار دیتا ہے اسی طرح زمین کے اندر سے توانائی کے اسباب فراہم کرتا ہے جیسے تیل، گیس، کوئلہ وغیرہ ایندھن کے طور پر استعمال کرتا ہے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ(۵۳)

ترجمہ: ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں''

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا(۵۴)

ترجمہ: ''وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا۔''

(۲) نباتات کے ذریعے زراعت اور باغات کے ذریعے اپنے لئے غذا مہیا کرتا ہے اور اپنے لباس بھی کپاس وغیرہ کے ذریعے تیار کرتا ہے۔ انہی جڑی بوٹیوں کے ذریعے اپنی دوا بناتا ہے اور اپنے دکھ درد کا مداوا کرتا ہے۔

وَلَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَکُمۡ فِیۡهَا مَعَایِشَ قَلِیۡلاً مَّا تَشۡکُرُوۡنَ(۵۵)

ترجمہ: ''بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کے لئے جگہ دی اور تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔''

(۳) حیوانات کو اپنے مال برداری اور سواری کے کام میں لاتا ہے اور ان میں سے جو حلال جانور ہیں ان کا گوشت استعمال کرتا ہے جیسے اونٹ وگھوڑا، خچر، گدھا وغیرہ۔

وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلاً(۵۶)

ترجمہ: ''اور ہم نے یقیناً آدمؑ کی اولاد کو عزت دی اور خشک وتری میں ان کو جانوروں کچیوتو کے ذریعے لئے پھرے اور انہیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی کثیر مخلوق پر ان کو اچھی خاصی فضیلت دی''

(۴) انسان انسان ہی سے اپنے کاموں میں مدد حاصل کرتا ہے چاہے وہ صنعت وحرفت یا خذمت ہو وہ غلام و کنیزوں سے کام لیتا ہے اور اپنے سکون ولذت کی خاطر عورتوں سے نکاح کرتا ہے اور اپنی اولاد کے ذریعے نسل

بڑھاتا ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۵۷)

ترجمہ: ''دنیا میں لوگوں کو ان کی مرغوب چیزیں (مثلا) بی بیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ الفت بھلی کر کے دکھادی گئی ہے یہ سب دنیاوی زندگی کے چندروزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا ٹھکانہ تو خدا ہی کے ہاں ہے''

یہ ہے دنیا کی حقیقت اور وہ چیزیں جو دنیا میں پائی جاتی ہیں جو انسان کی زینت ہیں۔ دنیا کے بارے میں انسان دو قسم کی لذات سے بہرہ مند ہوسکتا ہے ایک جسمانی اور دوسرا روحانی

(۱) جسمانی وابستگی دل بستگی:

بعض انسان ایسے ہوتے ہیں جو صرف جسمانی تعلق کو زندگی سمجھتے ہیں یا شکم پری کو اپنا مطمع نظر سمجھتے ہیں اور صرف مادّی زندگی کو اپنی آخری حد سمجھتے ہیں ان کے ہاں علم کی کمی کی وجہ سے یا عمداً جزا وسزا کا کوئی تصور نہیں ہے انہوں نے اپنے جسم کو پروان چڑھانے اور جنسی لذت کو اپنا شعار بنالیا ہے۔ ایسے انسان کو مادّہ پرست کہا جاتا ہے۔ جو تصور الوہیت نہیں رکھتا سب کچھ مادّہ کو سمجھتا ہے۔ ایسا انسان آزاد ہے وہ کسی قانون شریعت کو نہیں مانتا۔ دنیا سے محبت کرنا مذموم نہیں ہے دنیا میں غرق ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا قابل مذمت ہے۔

(۲) روحانی زندگی وسیلۂ آخرت:

ایک قسم یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اور دنیاوی اشیاء کو وسیلۂ آخرت قرار دے یہ قسم بہت اچھی ہے

۔ایک موحد شخص جانتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس سے دل نہیں لگانا چاہئے بلکہ اسی دنیا میں اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کرنا چاہئے۔اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان لذات کرترک کردے اور بوریہ نشین ہوجائے خداوندکریم نے یہ نعمات انسان ہی کے لئے خلق فرمائیں ہیں لیکن انسان یہ سوچ کر استفادہ کرے کہ ایک دن آئے گا جب سب چھوڑ کر چلا جائے گا جس دن ایک ایک نعمت کا حساب دینا پڑے گا دنیا کی چند مثالیں کتب میں ملتی ہیں جس میں ایک صفت دوسری چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ان میں سے دومثالیں ہم یہاں بیان کریں گے۔

مثال نمبر ا:

خداوند عظیم نے کتاب کریم میں دنیا کی بے ثباتی وسرعتِ زوال کوایک گھاس سے تشبیہ دی ہے جوزمین سے اگتی ہے بسبب بارش کے اس میں چندتروتازگی پیدا ہوتی ہے پھر جب آفتاب اس پر چمکتا ہے تو وہ خشک ہوجاتی ہے اوراس کوہوامتفرق وپریشان کردیتی ہے۔نیز اسی صفت سرعتِ زوال کے متعلق بعض احادیث میں اس کی تشبیہ پل سے دی گئی ہے جس پر سے بہت جلد گزرجانا چاہئے۔(۵۸)

مثال نمبر ۲:

دنیا کوایک ایسے مکان سے مثال دی گئی ہے جوطرح طرح کے رنگارنگ پھولوں سے آراستہ ہواس مکان میں یکے بعد دیگرے ترتیب سے آدمیوں کی آمد ہو جب اس مکان میں داخل ہوں تو ان پھولوں کو دیکھیں خوش ہوں سونگھیں اور دوسروں کے واسطے جو بعد میں آنے والے ہیں چھوڑ کر چلے جائیں نہ یہ کہ ان پھولوں کواٹھا کراپنے ساتھ لے جائیں۔پس وہ اشخاص جوگمان کریں کہ یہ سب ہم کودیئے گئے ہیں اس لئے ان سے محبت کریں خوش ہوں لیکن جب وہ مجکان سے باہر لے جانا چاہتے ہیں تو ان سے واپس لے لئے جاتے ہیں اس وقت وہ رنجیدہ و غمگین ہوتے ہیں ان کی خوشی غمی میں بدل جاتی ہے جوکوئی اس حقیقت کو جانتا ہے وہ ان سے نفع اٹھاتا ہے مالک مکان کی شکرگزاری کرتا ہے اورخوش خوش اس جگہ سے باہر جاتا ہے ایسا ہی جس

نے دنیا کو پہچانا اپنے آنے کے مقصد کو معلوم کیا تو جانتا ہے کہ وہ اس گھر کا مہمان ہے جس کو عالم آخرت کے مسافروں کے واسطے مہیا کیا گیا ہے پس جب اس منزل پر پہنچیں تو فائدہ اٹھا کر اسے چھوڑ دیں اور مقصد کی طرف روانہ ہوں۔ جو کوئی نادان و جاہل ہے حقیقت امر سے غافل ہے وہ گمان کرتا ہے کہ یہ میرا مال ہے اس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور جب اسے باہر کرتے ہیں جو کچھ اس نے جمع کیا ہے اس سے واپس لیتے ہی تو اس کی مصیبت سخت اور اس کی تکلیف بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔(۵۹)

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

بہترین عمل بغض دنیا ہے کہ دنیا کی محبت میں گناہ بے شمار رُخ نکلتے ہیں۔

ایک رخ تکبر ہے جس میں ابلیس مبتلا ہوا ایک حرص ہے جس کی وجہ سے حوا نے آدمؑ کو گندم کھانے کی دعوت دی۔ایک حسد ہے جس کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔اس کے بعد حب نساء، حب دنیا، حب ریاست، حب راحت، حب کلام، حب ثروت و بلندی وغیرہ ہے کہ جس میں حب دنیا تمام برائیوں کی اصل ہے(۶۰)

اسی صفحے پر امام زین العابدینؑ کا ایک اور حکمت آمیز طریقہ تحریر ہے کہ کیسے دنیا کی محبت دل سے نکال سکتے ہیں۔

''حب دنیا کا انجام رحمت خدا سے دوری اور آتش جہنم ہے۔محبت دنیا دل سے نکالنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں غور کرو کہ یہ کوئی عمدہ شے ہوتی تو رب کریم اپنے انبیاء و اولیاء کو اس سے محروم کیوں کرتا جب کہ ان کی عقلی سب سے زیادہ کامل تھیں اور وہ اس سے اس طرح الگ نہ رہتے جس طرح ہم لوگ شیر سے دور بھاگتے ہیں۔''(۶۱)

اس فصل کے آخر میں ہم اپنے موضوع کی تائید میں یہاں خلاصۃً حضرت علیؑ کا ایک جامعہ خطبہ جو دنیا کی بے ثباتی کے حوالے سے آپؑ نے بیان فرمایا نقل کرر ہے ہیں:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اُحَذِّرُکُمُ الدُّنْیَا فَاِنَّهَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ وَتَحَبَّبَتْ بِالْعَاجِلَةِ وَرَاقَتْ بِالْقَلِیلِ۔ وَتَحَلَّتْ بِالْاٰمَالِ، وَتَزَیَّنَتْ بِالْغُرُورِ لَاتَدُوْمُ حَبْرَتُهَا وَلَا

تُؤمَنُ فَجْعَتُهَا غَرَّارَةٌ ضَرَّارَةٌ حَائِلَةٌ زَآئِلَةٌ ۔نَافِدَةٌ بَآئِدَةٌ، اَكَّالَةٌ غَوَّالَةٌ ۔ لاَتَعْدُوا اِذَا تَنَاهَتْ اِلٰى اُمْنِيَّةِ اَهْلِ الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَالرِّضَاءِ بِهَا اَنْ تَكُوْنَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى سُبْحَانَهُ: كَمَآءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۔ لَمْ يَكُنِ امْرُؤٌ مِنْهَا فِيْ حَبْرَةٍ اِلاَّ اَعْقَبَتْهُ بَعْدَهَا عَبْرَةً، وَلَمْ يَلْقَ فِيْ سَرَّآئِهَا بَطْنًا اِلاَّ مَنَحَتْهُ مِنْ ضَرَّآئِهَا ظَهْرًا وَلَمْ تَطُلَّهُ فِيْهَا دِيْمَةُ رَخَآءٍ اِلاَّ هَتَنَتْ عَلَيْهِ مُزْنَةُ بَلَآءٍ وَحَرِيٌّ اِذَآ اَصْبَحَتْ لَهُ مُنْتَصِرَةً اَنْ تُمْسِيَ لَهُ مُتَنَكِّرَةً وَاِنْ جَانِبٌ مِّنْهَا اعْذَوْذَبَ وَ احْلَوْلٰى ۔ اَمَرَ مِنْهَا جَانِبٌ فَاَوْبٰى لاَيَنَالُ امْرُؤٌ مِنْ غَضَارَتِهَا رَغَبًا اِلاَّ اَرْهَقَتْهُ مِنْ نَوَآئِبِهَا تَعَبًا ۔

وَلاَ يُمْسِيْ مِنْهَا فِيْ جَنَاحِ اَمْنٍ اِلاَّ اَصْبَحَ عَلٰى قَوَادِمِ خَوْفٍ ۔غَرَّارَةٌ غُرُوْرٌ مَافِيْهَا فَانِيَةٌ فَانٍ مَنْ عَلَيْهَا لاَخَيْرَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ اَزْوَادِهَا اِلاَّ التَّقْوٰى ۔مَنْ اَقَلَّ مِنْهَا اسْتَكْثَرَ مِمَّا يُؤْمِنُهُ وَمَنِ اسْتَكْثَرَ مِنْهَا اسْتَكْثَرَ مِمَّا يُوْبِقُهُ ۔ وَزَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ عَنْهُ ۔ كَمْ مِنْ وَاثِقٍ بِهَا فَجَعَتْهُ وَذِيْ طُمَانِيْنَةٍ قَدْ صَرَعَتْهُ وَذِيْ اُبَّهَةٍ قَدْ جَعَلَتْهُ حَقِيْرًا وَذِيْ نَخْوَةٍ قَدْ رَدَّتْهُ ذَلِيْلاً ۔ سُلْطَانُهَا دُوَلٌ، وَعَيْشُهَا رَنِقٌ، وَعَذْبُهَا اُجَاجٌ وَ حُلْوُهَا صَبِرٌ وَغِذَاؤُهَا سِمَامٌ وَاَسْبَابُهَا رِمَامٌ ۔حَيُّهَا بِعُرْضِ مَوْتٍ وَصَحِيْحُهَا بِعُرْضِ سُقْمٍ ۔مُلْكُهَا مَسْلُوْبٌ ۔ وَعَزِيْزُهَا مَغْلُوْبٌ وَمَوْفُوْرُهَا مَنْكُوْبٌ وَجَارُهَا مَحْرُوْبٌ ۔ اَلَسْتُمْ فِيْ مَسَاكِنِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، اَطْوَلَ اَعْمَارًا وَاَبْقٰى اٰثَارًا وَاَبْعَدَا مَالاً ، وَ اَعَدَّ عَدِيْدًا ، وَاَكْثَفَ جُنُوْدًا ۔ تَعَبَّدُوا لِلدُّنْيَا اَيَّ تَعَبُّدٍ وَ اٰثَرُوْهَا اَيَّ اِيْثَارٍ ۔ ثُمَّ ظَعَنُوا عَنْهَا بِغَيْرِ زَادٍ مُبَلِّغٍ وَلاَ ظَهْرٍ قَاطِعٍ فَهَلْ بَلَغَكُمْ اَنَّ الدُّنْيَا سَخَتْ لَهُمْ نَفْسًا بِفِدْيَةٍ اَوْ اَعَانَتْهُمْ بِمَعُوْنَةٍ اَوْ اَحْسَنَتْ لَهُمْ صُحْبَةً ۔ بَلْ اَرْهَقَتْهُمْ بِالْفَوَادِحِ وَاَوْهَنَتْهُمْ بِالْقَوَارِعِ وَضَعْضَعَتْهُمْ بِالنَّوَآئِبِ وَعَفَّرَتْهُمْ لِلْمَنَاخِرِ، وَوَطِئَتْهُمْ بِالْمَنَاسِمِ، وَاَعَانَتْ عَلَيْهِمْ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۔فَقَدْ رَاَيْتُمْ تَنَكُّرَهَا لِمَنْ دَانَ لَهَا، وَاٰثَرَهَا وَاَخْلَدَ لَهَا ،حَتّٰى ظَعَنُوْا عَنْهَا لِفِرَاقِ الْاَبَدِ ۔وَهَلْ زَوَّدَتْهُمْ اِلاَّ السَّغَبَ، اَوْ اَحَلَّتْهُمْ اِلاَّ

الضَّنْكَ، اَوْ نَوَّرَتْ لَهُمْ اِلاَّ الظُّلْمَةَ، اَوْ اَعْقَبَتْهُمْ اِلاَّ النَّدَامَةَ؟ اَفَهٰذِهٖ تُؤْثِرُوْنَ اَمْ اِلَيْهَا تَطْمَئِنُّوْنَ؟ اَمْ عَلَيْهَا تَحْرِصُوْنَ؟ فَبِئْسَتِ الدَّارُ لِمَنْ لَّمْ يَتَّهِمْهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْهَا عَلٰى وَجَلٍ مِنْهَا فَاعْلَمُوْا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ بِاَنَّكُمْ تَارِكُوْهَا وَظَاعِنُوْنَ عَنْهَا وَ اتَّعِظُوْا فِيْهَا بِالَّذِيْنَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً، حُمِلُوْا اِلٰى قُبُوْرِهِمْ فَلاَ يُدْعَوْنَ رُكْبَانًا، وَاُنْزِلُوا الْاَجْدَاثَ۔ فَلاَ يُدْعَوْنَ ضِيْفَانًا ۔ وَجُعِلَ لَهُمْ مِنَ الصَّفِيْحِ اَجْنَانٌ، وَمِنَ التُّرَابِ اَكْفَانٌ، وَمِنَ الرُّفَاتِ جِيْرَانٌ فَهُمْ جِيْرَةٌ لاَيُجِيْبُوْنَ دَاعِيًا وَلاَ يَمْنَعُوْنَ ضَيْمًا، وَلاَ يُبَالُوْنَ مَنْدَبَةً اِنْ جِيْدُوْا لَمْ يَفْرَحُوْا وَاِنْ قُحِطُوْا لَمْ يَقْنَطُوْا جَمِيْعٌ وَهُمْ اٰحَادٌ، وَجِيْرَةٌ وَهُمْ اَبْعَادٌ۔ مُتَدَانُوْنَ لاَيَتَزَاوَرُوْنَ وَقَرِيْبُوْنَ لاَيَتَقَارَبُوْنَ ۔ حُلَمَآءُ قَدْ ذَهَبَتْ اَضْغَانُهُمْ ، وَجُهَلَآءُ قَدْ مَاتَتْ اَحْقَادُهُمْ لاَيُخْشٰى فَجْعُهُمْ وَلاَ يُرْجٰى دَفْعُهُمْ اسْتَبْدَلُوْا بِظَهْرِ الْاَرْضِ بَطْنًا، وَبِالسَّعَةِ ضِيْقًا، وَبِالْاَهْلِ غُرْبَةً، وَبِالنُّوْرِ ظُلْمَةً۔ فَجَآءُوْهَا كَمَا فَارَقُوْهَا حُفَاةً عُرَاةً۔ قَدْ ظَعَنُوْا عَنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ اِلَى الْحَيٰوةِ الدَّآئِمَةِ وَالدَّارِ الْبَاقِيَةِ ۔ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ، كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَآ اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْن۔(۶۲)

میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں ، اس لئے کہ یہ (بظاہر) شیریں و خوش گوار تر و تازہ و شاداب ہے نفسانی خواہشیں اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں، وہ اپنی جلد میسر آ جانے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اور اپنی تھوڑی سی (آرائشوں) سے مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ (جھوٹی) امیدوں سجی ہوئی اور دھوکے اور فریب سے بنی سنوری ہوی ہے نہ اس کی مسرتیں دیر پا ہیں اور نہ اس کی ناگہانی مصیبتوں سے مطمئن رہا جا سکتا ہے وہ دھوکے باز، نقصان رساں، اور بدلنے والی اور فنا ہونے والی ہے ختم ہونے والی اور مٹ جانے والی ہے، کھا جانے اور ہلاک کردینے والی ہے، جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں اور خوش ہونے والوں کی انتہائی آرزوؤں تک پہنچ جاتی ہے تو بس وہی ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے (اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے وہ پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا، تو زمین کا سبزہ اس سے گھل مل گیا اور

(اچھی طرح پھولا پھلا) پھر سوکھ کر تنکا تنکا ہو گیا جسے ہوائیں ادھر سے ادھر اڑاتے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو شخص اس دنیا کا عیش و آرام پاتا ہے تو اس کے بعد اس کے آنسو بھی بہتے ہیں اور جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے وہ مصیبتوں میں دھکیل کر اس کو اپنی بے رخی بھی دکھاتی ہے۔ اور جس شخص پر راحت و آرام کی بارش کے ہلکے ہلکے چھینٹے پڑتے ہیں اس پر مصیبت وبلا کی دھواں دھار بارشیں بھی ہوتی ہیں یہ دنیا ہی کے مناسب حال ہے کہ صبح کر کسی کی دوست بن کر اس کا (دشمن سے) بدلہ چکائے شام کو یوں ہو جائے کہ گویا کوئی جان پہچان ہی نہ تھی۔ اگر اس کا ایک جنبہ شیریں و خوشگوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلانگیز جو شخص بھی دنیا کی تر و تازگی سے اپنی کوئی تمنا پوری کرتا ہے تو وہ اس پر مصیبتوں کی مشقتیں بھی لاد دیتی ہے جسے امن و سلامتی کے پروبال پر شام ہوتی ہے تو اسے صبح خوف کے پروں پر ہوتی ہے وہ دھوکے باز ہے اور اس کی ہر چیز دھوکا وہ خود بھی فنا ہو جانے والی ہے۔

اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی زاد میں سوا زتقویٰ کے بھلائی نہیں ہے جو شخص کم حصہ لیتا ہے وہ اپنے لئے راحت کے سامان بڑھا لیتا ہے۔ اور جو دنیا کو زیادہ سمیٹتا ہے وہ اپنے لئے تباہ کن چیزوں کا اضافہ کر لیتا ہے (حالانکہ) اسے اپنے مال ومتاع سے بھی جلد ہی الگ ہونا ہے کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا پر بھروسہ کیا اور اس نے انہیں مصیبتوں میں ڈال دیا۔ اور کتنے ہی اس پر اطمینان کئے بیٹھے تھے جنہیں اس نے بچھاڑ دیا اور کتنے ہی رعب وطنطنہ والے تھے جنہیں حقیر و پست بنا دیا، اور کتنے ہی نخوت وغرور والے تھے جنہیں ذلیل کر کے چھوڑا۔ اس کی بادشاہی دست بدست منتقل ہونے والی چیز، اس کا سرچشمہ کا خوش گوار پانی کھاری، ل اس کی ملاقہ میں ایلوا (کے مانند تلخ) ہیں۔ اس کے کھانے زہر ہلاہل اور اس کے اسباب و ذرائع کے سلسلے بودے ہیں۔ زندہ رہنے والا معرض ہلاکت میں ہے اور تندرست کو بیماریوں کا سامنا ہے اس کی سلطنت چھن جانے والی، اس کا زبردست زیردست بننے والا، مالدار بدبختیوں کا ستایا ہوا اور ہمسایہ لٹا لٹایا ہوا ہے کیا تم انہیں سابقہ لوگوں کے گھروں میں نہیں بستے جو لمبی عمروں والے پائدار نشانیوں والے بڑی بڑی امیدیں باندھنے والے زیادہ گنتی وشمار والے اور بڑے لاؤلشکر

والے تھے وہ دنیا کی کس کس طرح پرستش کرتے رہے اور اسے آخرت پر کیسا ترجیح دیتے رہے پھر بغیر کسی ایسے زادوراحلہ کے جو انہیں راستہ طے کر کے منزل تک پہنچا تا۔چل دیئے۔کیا تمہیں کبھی یہ خبر پہنچی ہے کہ دنیا نے ان کے بدلہ میں کسی فدیہ کی پیشکش کی ہو یا انہیں کوئی مدد پہنچائی ہو یا اچھی طرح ان کے ساتھ۔سہی ہو بلکہ اس نے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے آفتوں سے انہیں عاجز و درماندہ کر دیا اور لوٹ لوٹ کر آنے والی والی زحمتوں سے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ناک کے بل انہیں خاک پر پچھاڑ دیا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا ،اوران کے خلاف زمانہ کے حوادث کا ہاتھ بٹایا۔تم نے تو دیکھا ہے کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے (اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی) اجنبیت اختیار کر لی یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو کر چل دیئے اور اس نے انہیں بھوک کے سوا کچھ زادِراہ نہ دیا اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی ٹھہرنے کا سامان نہ کیا اور سوا گھپ اندھیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دیا تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو یا اسی پر مرے جارہے ہو جو دنیا پر بے اعتماد نہ رہے اور اس میں بے خوف وخطر ہو کر رہے اس کے لئے یہ بہت بڑا گھر ہے جان لو اور حقیقت میں تم جانتے ہی ہو کہ ایک نہ ایک دن تمہیں دنیا کو چھوڑنا ہے اور یہاں سے کوچ کرنا ہے ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ ہم سے زیادہ قوت و طاقت میں کون ہے۔

انہیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا۔مگر اس طرح نہیں کہ انہیں سوار سمجھا جائے انہیں قبروں میں اتار دیا گیا مگر وہ مہمان نہیں کہلاتے پتھروں سے ان کی قبریں چن دی گئیں اور خاک کے کفن ان پر ڈال دیئے گئے اور گلی سڑی ہڈیوں کو ان کا ہمسایہ بنا دیا گیا ہے وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ جو پکارنے والے کو جواب نہیں دیتے۔اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں اور نہ رونے دھونے والوں کی پروا کرتے ہیں۔اگر بادل (جھوم کر) ان پر برسیں تو خوش نہیں ہوتے۔اور قحط آئے تو ان پر مایوسی نہیں چھا جاتی۔وہ ایک جگہ ہیں مگر الگ الگ وہ آپس میں ہمسائے ہیں مگر دور دور پاس پاس ہیں مگر میل ملاقات نہیں قریب قریب ہیں مگر ایک دوسرے کے پاس نہیں پھٹکتے وہ بردبار بنے ہوئے

ہیں بے خبر پڑے ہیں۔ ان کے بغض وعناد ختم ہو گئے اور کینے مٹ گئے نہ ان سے کسی ضرر کا اندیشہ ہے نہ کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے انہوں نے زمین کے اوپر کا حصہ اندر کے حصہ سے اور کشادگی اور وسعت تنگی سے اور گھر یا پردیس سے اور روشنی اندھیرے سے بدل لی ہے اور جس طرح ننگے پیر اور ننگے بدن پیدا ہوئے تھے ویسے ہی زمین میں (پیوند خاک) ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے جیسا کہ اللہ سبحانہ

نے فرمایا ہے جس طرح ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے اس وعدہ کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے۔

باب دوم

انسان بحیثیت اشرف المخلوق

مخلوقات کے مدارج

خلاصہ

دنیا میں تمام مخلوقات کی درجہ بندی ان کو حاصل توانائی، سہولتوں اور امکانات کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اور ہر ایک کے ذمہ کچھ حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔ اور ان ہی حقوق و فرائض کے اصول پر پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ دیگر مخلوقات کے مقابلے میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف قرار دیا ہے۔ انسان کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے وہ افضل نظر آتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے بھی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ امکانات اور سہولتوں اور توانائی کا حامل ہے۔ اس کے امکانات کی ترکیب اور تنظیم بڑے اچھے انداز میں ہوئی ہے جس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے انسان ترقی کے منازل طے کرتا چلا جارہا ہے۔ ایک طرف تو آسمانوں کی بلندیوں پر کمندیں ڈال رہا ہے تو دوسری طرف زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں موجود چھپے قیمتی خزانے بھی اس کی پہنچ میں ہیں۔ عقل و شعور کے باعث انسان حیوانات پر ممتاز قرار دیا گیا۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ذَانَفْسٍ نَاطِقَةٍ۔

ترجمہ: ''انسان صاحبِ نفس خلق کیا گیا ہے اور اس کے معقولات کو معلوم کرتا ہے'' (علامہ احمد نراقی۔عروج السعادۃ صفحہ ۳۲)

یہ نفس جنسِ ملائکہ مقدسہ سے ہے جس پر سوار ہو کر وہ اس عالم فانی میں آیا ہے۔ اسی نفس کے ذریعہ وہ فرشتوں سے مناسبت رکھتا ہے اور فیوضات انوارالٰہی حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن مجید متعدد آیات میں انسان کی خلقت کے مختلف مراحل بیان کئے گئے ہیں کہ کس طرح خلقت کے وقت خاص خیال رکھا گیا اور اسے قابلِ ذکر شے بنایا۔ اسے باطنی جوہر عطا کیا جس کی بدولت انسان ہوشیار اور بیدار رہتا ہے۔ تمام علوم اور صنعتوں کو پہچانتا ہے۔ ایک لمحے میں اس کی فکر زمین سے آسمان تک پہنچتی ہے

اور انسان سعادت وخوش بختی کا راستہ اپناتا ہے ہ اور اس طرح انسانی معاشرہ نیکی وشرافت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

کئی قرآنی آیات انسان کی ایسی فطری اخلاقی قوت وتوانائی کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے جیسے سورہ شمس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:''قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو الہام کے ذریعے اس تک پہنچایا''۔

اور پھر سورۂ والذاریات میں اس بہترین مخلوق کی تخلیق کا مقصد بھی بتایا جارہا ہے کہ:

ترجمہ:''اور جنوں اور انسانوں کو اسی مقصد سے خلق کیا گیا وہ میری عبادت کریں''

یعنی اے انسان اس دنیا کی نعمتوں میں غرق ہوکر اپنے خالق کو فراموش نہ کردینا اپنے مقصد تخلیق کو نہ بھلادینا یہ دنیا حقیقی زندگی کی طرف جانے کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمام مخلوقات میں اشرف واعلیٰ درجہ عطا کیا بہترین اخلاقی فطرت ودیعت کی۔روئے زمین پر موجود تمام اشیا تمہارے لئے کارآمد بنائیں اور تمہیں خدا نے اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے دیکھو یہ تمہاری تخلیق کا باعث ہے اسے ہر وقت ہر جگہ یاد رکھنا۔یہ زندگی کیسے گزارنی ہے ہر منزل پر خدا کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔اس کو اپنے عمل سے راضی رکھنا۔

اسلامی طرز فکر کے مطابق انسان اور کائنات کی کارآمد چیزوں کے درمیان گہرا تعلق موجود ہے۔ بلکہ انسان اور قدرتی نعمتوں کے درمیان اس وقت سے گہرا تعلق ہے جب انسان نے ان نعمتوں سے بہرہ مند ہونا شروع بھی نہیں کیا تھا جیسے سورۂ اعراف میں ہے کہ''بے شک ہم نے زمین پر اسے رہنے کے لئے جگہ دی اور تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا'' بلکہ یہ کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ زمینی حالات کی تبدیلیاں اور انسانی ضروریات کے درمیان بھی ایک معنوی ہم آہنگی موجود ہے۔سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۵ اس خوبصورت تعلق کی موجودگی اور ہم آہنگی کی طرف ہمیں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔کہ ارشاد ہوتا ہے:

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا جس سے تم کو پینے کے لئے پانی ملتا ہے اور وہ اس سے تمہارے لئے درخت لگاتا ہے اور ان درختوں کے پتوں سے تم کام لیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتوں، کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو سوچتے اور غور کرتے ہیں۔''

باب دوم

انسان بحیثیت اشرف المخلوقات

حوالہ جات

(۱) آیت اللہ مرتضیٰ مطہری۔سخن۔کراچی جامعہ تعلیماتِ اسلامی سنہ ۲۰۰۴ صفحہ ۳۹۶

(۲) آیت اللہ مرتضیٰ مطہری۔سخن۔کراچی جامعہ تعلیماتِ اسلامی سنہ ۲۰۰۴ صفحہ ۳۹۷

(۳) آیت اللہ مرتضیٰ مطہری۔اسلام اور کائنات ۔منہاج الصالحین۔لاہور سنہ ۲۰۰۰ صفحہ ۲۴

(۴) آیت اللہ مرتضیٰ مطہری۔اسلام اور کائنات ۔منہاج الصالحین۔لاہور سنہ ۲۰۰۰ صفحہ ۳۰

(۵) علامہ سید رضی۔نہج البلاغہ۔امامیہ کتب خانہ لاہور۔سنہ ۱۳۷۵ھ صفحہ ۴۲۶

(۶) القرآن۔ ۱:۴

(۷) القرآن۔ ۸:۳۲

(۸) القرآن۔ ۶۷:۱۹

(۹) القرآن۔ ۱:۷۶

(۱۰) القرآن۔ ۱۰:۱۱

(۱۱) القرآن۔ ۵:۲۲

(۱۲) القرآن۔ ۱۲:۳۲

(۱۳) القرآن۔ ۱۱:۳۷

(۱۴) القرآن۔ ۲۶:۲۲

(۱۵) القرآن۔ ۱۴:۵۵

(۱۶) القرآن۔ ۵۴:۵

(۱۷) القرآن۔ ۲۰:۷۷

(۱۸) القرآن۔ ۳۲:۸

(۱۹) القرآن۔۸۶:۶

(۲۰) القرآن۔۷۶:۲

(۲۱) القرآن۔ ۲۳:۱۲، ۱۴

(۲۲) القرآن۔ ۳۲:۹

(۲۳) القرآن۔ ۳۲:۱۰، ۱۱

(۲۴) ڈاکٹر عبید احمد خان۔ مقالہ اسرارِ قرآنی کے حصول میں باطنی حواس کا کردار

(۲۵) احمد نراقی علامہ، عروج السعادۃ۔ مکتبۃ ولی العصر لاہور۔ صفحہ ۲۶ - ۱۳۹۲ ھ

(۲۶) احمد نراقی علامہ، عروج السعادۃ۔ مکتبۃ ولی العصر لاہور۔ صفحہ ۲۷ - ٭

(۲۷) احمد نراقی علامہ، عروج السعادۃ۔ مکتبۃ ولی العصر لاہور۔ صفحہ ۳۲ - ٭

(۲۸) القرآن۔ ۳:۱۶۹

(۲۹) القرآن۔ ۸۹:۲۸

(۳۰) احمد نراقی علامہ، عروج السعادۃ۔ متکبۃ ولی العصر۔ لاہور صفحہ ۳۴ - ۱۳۹۲ ھ

(۳۱) احمد نراقی علامہ، عروج السعادۃ۔ متکبۃ ولی العصر۔ لاہور صفحہ ۳۵ - ٭

(۳۲) القرآن۔ ۹۱:۷، ۸

(۳۳) القرآن۔ ۳۰:۳۰

(۳۴) محمد یعقوب کلینی شیخ اصول کافی جلد ۲۔ ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی صفحہ ۱۳ - ۱۹۸۹ ء

(۳۵) محمد یعقوب کلینی شیخ اصول کافی جلد ۲۔ ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی صفحہ ۱۳ - ٭

(۳۶) سید رضی۔ نہج البلاغہ امامیہ کتب خانہ لاہور۔ صفحہ ۳۲۱

(۳۷) المنجد۔ دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی صفحہ ۹۵۱ - ۱۹۷۹ ء

(۳۸) المنجد۔ دارالاشاعت۔ اردو بازار۔ کراچی ۳۴۰ - ٭

(۳۹) القرآن۔ ۲:۸۶

(۴۰) القرآن۔ ۳:۲۲

(۴۱) القرآن۔ ۴:۷۷
(۴۲)القرآن۔۸:۴۲
(۴۳) القرآن۔۷ ۳:۶
(۴۴) القرآن۔ ۴۱:۱۲
(۴۵) القرآن۔۶۷:۵
(۴۶) سیدعلی اکبرقرشی۔قاموس قرآن۔دارالکتب الاسلامیہ۔طہران جلد ۲ ۔ ۱۳۷۸ ھ
(۴۷)القرآن۔۵۱:۵۶
(۴۸) القرآن۔ ۲۳:۱۴
(۴۹) القرآن۔ ۲:۲۹
(۵۰) القرآن۔۷:۱۰
(۵۱) شہید مرتضیٰ مطہری آیت اللہ۔سخن۔جامعہ تعلیمات اسلامی صفحہ ۳۹۰ ۔ ۲۰۰۴ ء
(۵۲) القرآن۔۱۶:۱۰
(۵۳) القرآن۔۴۵:۱۳
(۵۴)القرآن۔ ۲:۲۹
(۵۵) القرآن۔ ۷:۱۰
(۵۶) القرآن۔ ۱۷:۷۰
(۵۷) القرآن۔ ۳:۱۴
(۵۸)احمد نراقی علامہ،عروج السعادۃ۔مکتبہ ولی العصر۔لاہور صفحہ ۴۸۹ ۔ ۱۳۹۲ ھ
(۵۹) احمد نراقی علامہ،عروج السعادۃ۔مکتبہ ولی العصر۔لاہور صفحہ ۴۹۲ ۔ //
(۶۰)یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی۔ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی۔جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ ۔ ۱۹۸۹ ء
(۶۱)یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی۔ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی۔جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ ۔ //
(۶۲)سیدرضی علامہ،نہج البلاغہ۔امامیہ کتب خانہ۔لاہور خطبہ ۱۰۹۔صفحہ ۳۱۶

باب سوم

حیاتِ انسانی میں معاشرے کا تصور

معاشرتی زندگی کی ابتدا اور بنیاد:

انسان فطری طور پر سوشل ہے وہ ایک ایسے اجتماعی ماحول میں زندگی گزارنا چاہتا ہے جہاں افراد آپس میں مل جل کر رہتے ہیں انسان میں جو فطری استعداد موجود ہے اور جن کمالات کو حاصل کرنے کی انسان سے امید کی جاسکتی ہے اس کا فروغ معاشرتی زندگی میں بھی میسر آسکتا ہے انسان قدرتی طور پر معاشرتی زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہے جہاں مختلف افراد کے گروہ مل جل کر ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ اور معاشرہ میں ہر فرد اپنا مخصوص کام اس طرح انجام دیتا ہے جس طرح مختلف جسمانی اعضا انجام دیتے ہیں۔

البتہ انسان کا معاشرتی ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا لیکن انسان میں کچھ ایسی پوشیدہ صلاحیتیں موجود ہیں جو ضرورتیں ہیں جو اجتماعی زندگی کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں یہ ضرورتیں اور صلاحیتیں انسانی خلقت کا ایک حصہ ہیں اور یہی ضرورتیں اور صلاحیتیں انسان کو اجتماعی معاشرتی زندگی گزارنے کی بنیاد بنتی ہیں۔ اگر انسان تنہا زندگی کا بوجھ اپنے کاندھے پر اٹھا سکتا تو اپنی انفرادی زندگی کو اجتماعی قید و بند سے آزاد رکھتا۔ دراصل فطرت کے وسائل سے بھرپور فائدہ اجتماعی زندگی میں ہی ممکن ہے جہاں سب کی شراکت و تعاون سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ضروریات پوری ہونے اور فائدہ کی تقسیم کے تحت افراد کے درمیان فکر و نظر اور ان کے خیالات و خواہشات اخلاق و عادات میں ایک رنگی پیدا ہوجاتی ہے اور ان کو ایک دوسرے سے قریب لا کر ایک مشترک زندگی میں مربوط کردیتی ہے۔ مختلف مفکرین نے معاشرے کو جسم سے اور مختلف اعضا جسم کو معاشرے کے مختلف افراد اور گروہوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جسم اور معاشرے میں کئی اعتبار سے مشابہت پائی جاتی ہے مثلاً جس طرح جسم مختلف اعضا کا مرکب ہے اور اس میں ہر عضو اپنا مخصوص کام انجام دیتا ہے۔ اسی طرح معاشرے جن افراد سے مل کر تشکیل پاتا ہے یہ افراد کے درمیان وہ تمام امور تقسیم ہوجاتے ہیں جن کی ایک معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح جسم میں اعضا میں ہر عضو کا اپنا مقام اور درجہ ہوتا ہے کوئی حکم دیتا ہے کوئی قبول کرتا ہے کسی کا

درجہ بڑا ہوتا ہے کسی کا کم ہوتا ہے اسی طرح معاشرے میں صلاحیتوں کی مناسبت سے عہدے مختلف ہوتے ہیں کام مختلف ہوتے ہیں ایک شخص کسی ادارہ کا سربراہ ہوتا ہے وہ آڈر کرتا ہے دوسرا اس کے مطابق کام کرتا ہے کوئی اعلیٰ عہدے پر ذمہ داریاں پوری کر رہا ہے کوئی ادنیٰ عہدہ پر معاشرے کو کامیابی سے آگے بڑھانے کے لئے یہ تقسیم کار بہت ضروری ہے۔

معاشرے کو جسم سے خود رسول اکرمؐ نے تشبیہ دی ہے۔آپ ؐکا ارشاد مبارک ہے:

مَثَلُ الْمُؤ منِیْنَ فِی تَوَدِّهِمْ وَتَرَحُمهِمْ كَمَثَلَ الْجَسَدِ اِذَا شَتّٰى بَعْضٌ تَدَاعٰى لَهُ سَآئِرُ اَعْضَاءِ جَسَدِهٖ بِالْحُمّٰى وَسَهَرٍ۔ (۱)

مومنین میں آپس میں محبت و ہمدردی ہے اس کے لحاظ سے ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے۔ جب جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سب اعضا ایک دوسرے کو اس کی اطلاع دے دیتے ہیں اور بخار اور بے خوابی کی شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔

شیخ سعدی نے اپنے مشہور اشعار میں اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے:

بنی آدم اعضا یک پیکرند
کہ در آفرینش ز یک گوہرند
چو عضوے بد درد آورد روزگار
دگر عضوہا را ماند فرار

جس طرح جسم بیمار اور تندرست ہوتا ہے اسی طرح معاشرہ بھی تندرست اور بیمار ہوتا ہے جسم پیدا ہوتا ہے نشونما پاتا ہے۔ پھر اس کا انحطاط شروع ہوجاتا ہے اور آخر موت واقع ہوجاتی ہے یہی حال معاشرے کا ہے معاشرہ کو قائم اور صحت مند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ افراد باہمی تعلق یکسانیت، تنظیم، اتحاد اور ایک دوسرے پر انحصار کریں ایک دوسرے سے تعاون کریں وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوں آپس میں مل جل کر رہتے ہوں کیونکہ معاشرہ اجتماعی ماحول کا نام ہے جہاں افراد کی ضروریات ایک دوسرے کے تعاون سے پوری ہوتی ہیں معاشرہ کی ابتدائی شکل خاندان ہے پھر کئی خاندان متحد ہوئے تو گاؤں یا قبیلہ کی شکل اختیار کر گیا اور اس طرح کئی گاؤں یا قبیلے مل کر شہر اور پھر آگے ملک کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں غرض یہ کہ معاشرہ ایک ایسے گروہ کا تصور پیش کرتا ہے جو اپنی ضروریات میں خود کفیل ہو اور آپس میں مل جل کر رہتا ہو اور ان کے درمیان اتحاد و محبت اور باہمی اشتراک ہو۔

پروفیسر رائٹ (Prof: Wright) نے معاشرے کی واضح تعریف یہ کی ہے:

"Society is not a group of people , It is a system of realitonship that exist ,

between the andividual and the group" (2)

یعنی معاشرہ صرف لوگوں کا گروہ ہی نہیں بلکہ یہ افراد اور گروہ کے درمیان تعلقات کا نظام ہے۔
میک ایور (Maciver) کے نزدیک معاشرہ کی تعریف بہت واضح ہے۔

"Society is the system of social relationship through which we

live .It is web of social relationship and it is always changing." (3)

Maciver کے نزدیک معاشرہ سماجی تعلقات کا نظام ہے جس کے ذریعے ہم زندگی بسر کرتے ہیں یہ معاشرتی تعلقات کا ایک حال ہے اور یہ ہمیشہ تغیر پذیر ہے۔

Maciver معاشرے کی واضح شکل بتائی ہے اس نے معاشرے میں افراد کے باہمی تعلقات وافراد کی مختلف سرگرمیوں۔ پیشوں و معاشی و سماجی ، سیاسی سرگرمیوں کو شامل کیا ہے۔ اس نے افراد کے حقوق و فرائض اور انسانی زندگی کے متعدد پہلوؤں میں ان کے کردار کو شامل کیا ہے۔

معاشرتی علم کے ماہرین کے نزدیک اسی وقت قائم رہتا ہے۔ جب معاشرے کے اراکین ایک دوسرے سے واقف ہوں اور مشترکہ لوگوں کے اتحاد اور باہمی تعلقات پر قائم ہے۔ اور یہ ہی معاشرے کی روح ہے جو معاشرے کو صحت منداور زندہ رکھتی ہے۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فرق

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات یعنی احسنِ تقویم میں خلق کیا ہے وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت وشرف کا پیکر ہے اسے ملت میں اعلیٰ حیثیت بخشی اُسے پاک فطرت کا حامل قرار دیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ایک انسان کو دوسرے انسان سے بہتر سلوک کی تلقین بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پوری کائنات کو طرح طرح کی نعمتوں سے آراستہ کیا اور ان تمام چیزوں پر انسان کو مُسخر کیا اسے بے پناہ صلاحیتوں اور طاقتوں سے نوازا لیکن چونکہ انسان انفرادی طور پر اپنی خودغرضی اور مفاد پرستی کی وجہ سے بھٹک سکتا ہے اس لئے اسے اجتماعی ماحول کی ضرورت ہے جہاں اس کے مناسب تقاضوں اور خواہشات کا احترام کیا جائے اور انفرادیت کی نشونما کے لئے بہتر سے بہتر مواقع میسر آئیں جس سے اس کی فطری صلاحیتیں اور لیاقتیں آزادنہ فروغ پائیں تاکہ وہ شرف انسانیت سے ہمکنار رہے۔

فرد اپنی ضروریات کی تکمیل میں دوسروں کا محتاج ہے انفرادی طور پر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے دیگر افراد کے تعاون سے اہی فرد کو خوش حالی اور ترقی ملتی ہے ایک معاشرے یا جماعت کا رکن ہونا ہی انسان کو انسان بناتا ہے اس کے بغیر اس کی ذھنی اور روحانی قوتوں کی نشونما پوری ہو ہی نہیں سکتی۔انسان کا خود اپنی نوعوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا اس کی ایک فطری ضرورت ہے اس کا میلان اسے ایک اجتماعی زندگی گزارنے کی جانب راغب کرتا ہے اجتماعی میدان میں ہر فرد بعض ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی پر مامور ہے اور ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ خودغرضی اور مفاد پرستی سے نکلے اور ان ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا کرے اور اپنی ذات پر اجتماعیت کو فوقیت دے تاکہ معاشرے کا نظام صحیح طور پر چل سکے اور اس میں استحکام پیدا ہو سکے۔

انسان محض اس مادّی پیکر کا نام نہیں ہے بلکہ خوبی دانائی وزیبائی اور اقدار کی حامل ہستی ہے۔ایک انسان کا دوسرے انسانوں سے تعلقات، محبت، انسیت مہدوی اور باہمی تعاون کی بنیادوں پر استوار ہونا چاہئے لطیف جذبات و احساسات جو انسانوں کی روح کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں اور انسان اپنی اسی اعلیٰ فطرت کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ نیکیاں، ہمدردی، تعاون اور مدد کے ذریعے اپنی زندگی کو رونق بخشتے ہیں اور یہی احساسات دوسروں کو مشکلات سختی اور مصائب میں مبتلا دیکھ کر انسان کو ان کی مدد اور ہر قسم کی ایثار وقربانی پر ابھارتے ہیں۔ایسے افراد جو اپنی اجتماعی سرگرمیوں

میں اس بات کو بھی باہمی تعاون کو اہمیت دیتے ہیں وہ کمال کے درجے پر پہنچ جاتے ہیں۔

جس معاشرے میں افراد اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کا اور دوسروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں گے ان کے ہی جذبات و احساسات نہ صرف انھیں کمال انسانیت سے ہمکنار کریں گے بلکہ خود فرد کی زندگی کے لئے ایک صحت مند ماحول کی تشکیل میں بھی مددگار ثابت ہوں گے اور انسان فضیلتوں سے اپنی شخصیت کو نکھارتا چلا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر معاشرے کے افراد مندرجہ بالا احساسات و جذبات سے عاری ہوں تو ایسا معاشرہ بالکل اُس ڈوبتی ہوئی کشتی کی مانند ہے جس کے مسافر اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش میں کشتی کو ڈوبنے میں مدد دے رہے ہوں اور بالآخر ایسا معاشرہ تباہی کے دھانے پر کھڑا ہوتا ہے اور افراد اجتماعی سعادت سے اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ افراد کی اپنی زندگی کی سلامتی اور کامیابی دوسروں سے وابستہ ہے۔

باہمی تعاون (اجتماعی) زندگی گزارنے سے ایک دوسرے کی ذمہ داریاں بانٹنے سے انسان کو روحانی لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور وہ عام ماحول سے بلند بھی پرواز کرنے لگتا ہے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے اور اس اعلیٰ ترین احساس کے نتیجے میں خوش بختی اور سعادت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔

> ''لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔لوگوں کا ایک گروہ دوسروں کے لئے راحت و آسائش کی فکر میں رہتا ہے اور دوسرا گروہ اپنی آسائشوں کے لئے دوسروں کے رنج و الم کا سبب بنتا ہے۔ یہ گروہ اس حال میں کہ دوسروں کو بدبختی میں مبتلا کر دیتا ہے خود بھی بدبختی کے ہاتھوں محفوظ نہیں۔اس کے برعکس وہ گروہ جو دوسروں کی آسائش و راحت کا خیال رکھتا ہے دوسروں کے ساتھ ساتھ خود بھی سعادت و خوش بختی کی منزل حاصل کر لیتا ہے۔ جو کام دوسروں کی مدد و مساعدت کے لئے عمل میں آتے ہیں، ہر چند وہ چھوٹے اور معمولی ہوں لیکن عظیم اور غیر معمولی نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔'' (۴)

بعض افراد دوسروں کے مسائل سے بے خبر خود اپنی ہی ذات میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں عمومی خیر و سلامتی میں اپنا نفع دیکھنے تک کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اس طرح وہ اجتماعی ماحول سے اپنا معنوی رابطہ منقطع کر لیتے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ یہ افراد احساسات و جذبات سے عاری ہوتے ہیں دوسروں کے غم و خوشی کو محسوس کرتے ہیں لیکن خود پرستی کے حصار میں اس قدر محصور ہو چکے ہوتے ہیں کہ اپنے جیسے انسانوں سے محبت و دوستی کی خواہش تک کو فراموش کر بیٹھتے ہیں یعنی اپنی ''میں'' سے آگے بڑھ کر اپنی ذات کو نظر انداز کر کے ''ہم'' کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔

مشہور دانشور ''کارل'' کے بقول۔

''جو شخص عقل وشعور سے رہنمائی حاصل کرتا ہے رفتہ رفتہ اس میں گہری تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جب جسم وجان اپنی ساخت کے مطابق عمل کرتے ہیں تو زیادہ ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ زندگی کی حفاظت کرنے والے قوانین پر عمل، نسل کو جاری رکھنا اور روح کو بلند کرنا خود بخود تمام روحانی و جسمانی صلاحیتوں کو تقویت پہنچاتا ہے۔ یہ پیشرفت خاص طور پر اخلاق وفضائل کی پرورش، حسِ اخلاقی، حسِ مذہبی، انسان دوستی اور ایثار وفداکاری میں مشخص ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عقل بھی روشنی قبول کرتی ہے۔

جب آدمی یہ سمجھ لیتا ہے کہ زندگی کا مقصد مادّی فوائد کا حصول نہیں بلکہ خود زندگی ہے تو پھر اس کی توجہات خارجی دنیا تک منحصر نہیں رہتیں بلکہ وہ نہایت گہری نگاہ سے خود اپنی اور اپنے اردگرد رہنے والوں کی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اس پر یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ وہ دوسروں سے اور دوسرے اس سے وابستہ ہیں۔ اس طرح ہم پر ''روسو'' (Rousseau) کے نظریہ کا مصنوعی پن اور اجتماعیت کو لغو بے منطقی قرار دینے اور ''انفرادیت گردی'' کا خطرہ اور زندگی کے تمام مراحل میں خود اپنی ہی مانند دوسروں پر توجہ دینے کی ضرورت روشن ہوگی۔

خود پسندی اور اپنے ہم نوعوں سے محبت (جو سماجی زندگی کا لازمہ ہے) کے درمیان واضح تضاد پایا جاتا ہے۔ جسمانی نشونما کے لئے ماحول اور دوسرے افراد معاشرہ کی مدد درکار ہے۔ انسان بطن مادر میں زندگی کے دوران اپنی ماں کا دست نگر اور سن بلوغ کو پہنچنے تک خاندان اور معاشرہ کا محتاج ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں معاشرہ میں پائی جانے والی سہولتوں سے استفادہ کو اپنا مسلم حق سمجھنے کی عادت پختہ ہوجاتی ہے۔ انفرادیت کا بڑھتا ہوا رجحان تمام جانداروں میں پائے جانے والے ''خود خواہی'' کے غریزہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

دوسری طرف خود خواہی اور خود پسندی کے جذبہ کی بے انتہا زیادتی ایک حقیقی معاشرہ کی تشکیل کو ناممکن بنادیتی ہے لہٰذا اپنے ہم نوعوں سے محبت خود خواہی ہی کی طرح لازم ہے۔ ''میں'' اور ''ہم'' کے دو متضاد رجحانات کے درمیان اعتدال قائم ہونا چاہئے۔ یہ اعتدال کامیاب زندگی کے لئے ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمارے ہاتھ کی حرکات انگلیوں کی حرکت کے لئے معاون عضلات کی مرہونِ منت ہیں۔

''میں'' مختلف طریقوں سے ''ہم'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔''(۵)

بعض افراد جن کی فکر نظر اور سرگرمیاں محدود ہوتی ہیں ان کے پاس سے بے شمار وسائل و امکانات کے باوجود وہ صرف اپنی ذات کے لئے سوچتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ یہ تمام وسائل اپنے آپ کو اور زیادہ پر آسائش بنانے کے لئے استعمال کریں۔ اور دوسروں کے لئے اپنا وقت اور صلاحیتیں استعمال نہ کریں وہ کبھی بڑی اور عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر قادر نہیں ہوتے اور کسی میدان میں بھی ان کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے نہیں آتیں نہ کسی شعبہ کی نمایاں شخصیت بن پاتے ہیں۔

ایسے افراد کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ جو اپنی ذات سے آگے نکل کر اپنی صلاحیتیں، وسائل و امکانات انسانیت کے لئے سودمند کاموں میں صرف کرتا ہے اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جانب آگے بڑھتا ہے چاہے اس کے لئے اسے کتنے ہی نشیب و فراز اور مصائب سے گزرنا پڑے ایسے ہی افراد اپنی شخصیت کو نمایاں کرتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں اور دوسرے، لوگوں کے لئے اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی طرف راغب کرنے سو اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلام اور اجتماعی زندگی

اسلام نے روزِ اول سے ہی جب سے معاشرے کی بنیاد پڑی معاشرے کی امن وسلامتی اور نیکی و بھلائی کا خیال رکھا۔ اس کی تطہیر اور سلامتی کے لئے انبیا کرام اور رسولوں کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ اسلام سارے معاشرے کی فلاح و بہبود کا حامی ہے اسلام نے جہاں معاشرے میں قرآن وسنت کی پیروی کی ہدایت کی ہے وہاں اس نے دوسروں سے مل جل کر رہنے اور خدمتِ خلق کا درس بھی دیا ہے۔ اسلام نے معاشرے اور فرد کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت واجب کی ہے تو دوسری طرف معاشرے کے محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرنے فریضہ عائد کیا ہے دوسروں کی فلاح و بہبود کو ادا کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ معاشرہ جو دوسروں کے اتحاد و تعاون اور میل جول کا نتیجہ ہے اسلام نے اس کو زیادہ ملنسار اور زیادہ بہتر بنانے پر دس گنا نیکیوں کا ثواب قرار دیا ہے۔ اسلام حقوق اللہ وحقوق النفس اور حقوق العباد کی ادائیگی پر زور دیتا ہے اللہ نے فرد کو اپنے نفس کے حقوق بھی پورا کرنے کو کہا ہے لیکن اس نے دوسروں کے حقوق پورے کرنے پر جس قدر ترغیب دی ہے اس قدر اس نے اپنے اپنے حقوق کی ادائیگی اور نہ حقوق النفس کی ادائیگی پر ترغیبی اقدام کئے ہیں۔ اسلام نے معاشرے کی اجتماعی فطرت کو اپنی عبادات میں بھی سمو دیا ہے جیسے حج ایک اجتماعی فریضہ ہے ایک ہی دن سارے عالم کے مسلمان جمع ہو کر حج کرتے ہیں۔ معاشرہ جہاں انسانی فضائل و کمالات کی پرورش گاہ ہے وہیں باکثرت رذائل بھی پائے جاتے ہیں معاشرہ کا ارتقاو پاکیزگی وہاں جا کر جمود کا شکار ہو جاتی ہے جہاں اس کا ہر فرد اپنے فرائض و ذمہ داریوں سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے لئے اجتماعی فرائض کی ادائیگی کے لئے تعاون و ہمدردی کا تقاضہ کرتا ہے انسان کی تمام حرکات وسکنات کے لئے خاص وظائف معین کرتا ہے اور یہ زندگی کے ابتدائی مراحل سے لے کر اس کی انتہا تک وظائف و ذمہ داریوں کا تسلسل پایا جاتا ہے۔

کیونکہ اجتماعی وسماجی مسائل کے لئے دینی احکام وفرامین معاشرے کی ضرورت ہیں اور دین انسان کی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے اوصاف، خواص، جذبات واحساسات اور اس کی نفسانی خواہشات کے مطابق اس کے فرائض معین کرتا ہے اور اس کو معاشرے کا ذمہ ذمہ دار فرد بناتا ہے پس جس معاشرے میں احساسِ ذمہ داری کی روح حاکم ہو وہاں پاک و پاکیزہ قلوب نیک نیتی اور خوش رفتاری کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ایسے معاشرے میں پھر برائیاں جنم نہیں لیتی بلکہ معاشرہ • کا ہر فرد جرائم و برائیوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ڈٹ جاتا ہے اور معاشرے کو پاک و طاہر رکھتا ہے۔

اسلام اور معاشرتی روابط:

اسلام کا تربیتی و تعلیمی پروگرام اس نہج پر ترتیب دیا گیا ہے کہ • لوگوں کے افکار بلند ہوں اور ان میں تفکر و تعقل وک فروغ دیا جائے۔ کیونکہ جس قدر انسان کی فکر کا دامن وسیع اور اس کے افکار کی سطح بلند ہوگی اس قدر بہتر انداز میں وہ انفرادیت پسندی اور خودخواہی کی تاریکیوں سے باہر آئے گا۔

اسلام کا یہ تربیتی نظام اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ انفرادیت کی روح کی تقویت کے ساتھ ساتھ اجتماعت کی روح کو بھی موثر بناتا ہے۔ تا کہ انسان اپنی انفرادیت کی بھی حفاظت کرے اور اجتماعت کی بھی نیز معاشرہ کی تشکیل ایسے افراد کے ذریعہ ہو جو نہ تو بے شخصیت اور کھوکھلے ہوں اور نہ ہی خودخواہ اور ایک دوسرے سے بے تعلق۔

اسلامی معاشرہ کے افراد کی ایک دوسرے سے وابستگی خداوندِ عالم کے ساتھ پیوستگی سے مربوط ہے۔ اس معاشرہ کے افراد ایک دوسرے کو نیکی و تقویٰ اور اعمالِ خیر کی انجام دہی پر اکساتے ہیں اور ایک ایسا ماحول ایجاد کرنے کے لئے باہمی تعاون سے قدم آگے بڑھاتے ہیں جس میں ان کی نسلیں ایمان و عملِ صالح کے سائے میں زندگی بسر کرسکیں۔ مختصر یہ کہ لوگوں کی تمام قوتیں تعمیری و نیک کاموں پر صرف ہوتی ہیں شر و فساد کی راہ میں نہیں۔

یوں افرادِ معاشرہ کا ہدف اور ان کا عمل یکساں ہوجاتا ہے سب میں باہمی تعاون و ہمکاری کی حس بیدار ہوجاتی ہے۔ سب کے دل باہم جڑ جاتے ہیں اور سب انسانیت کی خدمت کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

اسلامی اخلاق کی بنیاد معاشرے کے دیگر افراد کی خدمت ہے اس سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد مبارک ہے:

"مَنْ اصبح و لا یتھم بامور المسلمین فلیس بمسلم" (٦)

ترجمہ: ''جو شخص صبح سو کر اٹھے اور مسلمانوں کے امور پر کوئی توجہ نہ دے تو وہ مسلمان نہیں''

اسلام نے انسانیت کے سامنے ایک ایسا مکتب پیش کیا جو فرد اور معاشرہ کے تمام شعبوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کہ لوگوں کے تعلقات پر کینہ پروری، جاہ طلبی، شہوت رانی وغیرہ کا راج تھا اسلام نے اس قوم کا تزکیہ نفس کیا انہیں تھذیب اخلاق سکھائے، انہیں نیکوکاری، مہربانی، ہمدردی اور باہمی دوستی کی دعوت دی۔ ہر فرد کو دوسرے کا بھائی بنا دیا اور لوگوں کے درمیان انتشار ، افتراق، بُغض حسد اور لاتعلقی اور کنارہ کشی کو دور کرنے کی کوششیں کیں آپؐ

جس معاشرے میں مبعوث ہوئے وہ اتنا پت اور ذلیل تھا کہ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو اس معاشرے میں نہ پائی جاتی ہو ذہنی اعتبار سے بھی پست تھے اور اخلاقی اعتبار سے بھی نہ کوئی عزت نہ احترام، نہ کوئی شرافت، بیٹیوں کو زندہ دفن کردینا شرف، عزیزوں کا خون بہادینا شجاعت، قبائل کو تہہ تیغ کردینا ہمت، قوموں کے درمیان فساد کرادینا عزت اور انسانیت کا خون بہادینا باعثِ امتیاز تھا۔

پیغمبر اکرمؐ کی راہ میں کانٹے بچھائے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ کی۔ان کی زندگی کے درپہ ہوگئے کیا وہ رحمت اللعالمین، وہ ایسا کریم النفس انسان کہ کبھی ان لوگوں کے لئے بددعا نہیں کی۔ پتھر مارنے والوں کو دعائیں دیں۔ کانٹے بچھانے والوں کو گلے لگایا۔ جان کے دشمنوں کو زندگی کا پیغام دیا۔ اخلاق کے مارے ہوئے افراد کو باکردار بنایا۔ بدکرداروں کو نیک کردار بنایا بیٹیوں کو زندہ فن کردینے والوں کو بیٹیوں کی تعظیم سکھائی بھائیوں کے قاتلوں کو مواخات کا سبق دیا۔ دشمنوں کو محبت کا خوگر بنایا۔

رسول اکرمؐ نے تعلیمات الٰہی اور اپنے کردار وعمل سے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد ڈالی جس میں ایمان و نیکوکاری اور خدمت خلق کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں معاشرہ کا ہر فرد دوسروں کی اصلاح کے سلسلے میں خود کو ذمہ دار اور شریک سمجھتا ہے اور ایک وقت وہ اجتماعی فلاح و بہبود کے سلسلے میں اس قدر محو ہوجاتا ہے کہ گویا پورے معاشرے کی ذمہ داری اسی کے کاندھے پر ہے ایسے معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے لوگ ایک دوسرے کے لئے انتہائی محبت ،اُلفت، ایثار، فداکاری کے جذبات سے معمور ہوتے ہیں اس طرح لائحہ عمل کے ذریعے اسلام نے ایک محکم اور بافضیلت معاشرہ کی بنیاد استوار کردی۔

قرآن کریم اس درخشاں اور عالی مرتبت رابطہ کی ان الفاظ میں توصیف کرتا ہے۔

"والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ" (۷)

''اور جن لوگوں نے دارالہجرت اور ایمان کو ان سے پہلے اختیار کیا تھا اور وہ ہجرت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اپنے دلوں میں اس کی طرف سے کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو''

قرآن کریم نیکوکاروں کو یوں پہچنواتا ہے:

"واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی

الرقاب....." (٨)

''(نیک وہ ہے جو) محبتِ خدا میں قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، غربت زدہ مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لئے مال دے۔''

دوسری طرف نہایت حساس نفسیاتی میدان میں بھی جب صاحبِ ثروت و متمول شخص کسی محتاج کی مدد کرے تو اسے نہایت درست اور نپی تلی روش اختیار کرتے ہوئے محتاج کی عزت نفس کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اسلام دولت مندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کری۔ ایسا نہ ہو کہ ضرورت مند کو دستِ طلب دراز کر کے حقارت میں مبتلا ہونا پڑے۔ یہ طریقہ دینے والے کو بھی غرور و نخوت سے محفوظ رکھتا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"احسن تواضع الاغنیاء للفقراء طلبا لما عندالله واحسن منه تیه الفقراء علی الاغنیاء اتکالاً علی الله" (٩)

''اللہ کے یہاں اجر کے لئے دولت مندوں کا فقیروں سے عجز و انکساری برتنا کتنا اچھا ہے اور اس سے اچھا فقرائی کا اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دولت مندوں کے ساتھ بے نیازی سے پیش آنا ہے۔''

واقعی اگر تمام مسلمان قرآن اور پیغمبرِ اسلامؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کی پیروی کریں اور دوسروں کے واسطے عملِ خیر کی انجام دہی کو اپنا فرض سمجھ کر ادا کریں تو اجتماعی زندگی کا پہیہ بغیر کسی رکاوٹ کے رواں دواں رہ سکتا ہے اور لوگوں کی بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

بارگاہِ خدا میں محبوبت کا معیار:

جب پیغمبرِ اسلامؐ سے پوچھا گیا کہ خدا کی بارگاہ میں محبوب ترین افراد کون ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

"انفع الناس للناس" (١٠)

''جو انسانوں کے لئے سب سے زیادہ مفید ہوں''

رسولِ مقبولؐ کا ارشاد ہے:

"من سمع رجلا ینادی یاللمسلین فلم یجبه فلیس بمسلم" (11)

''اگر کوئی شخص سنے کہ کوئی مسلمانوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہے اور اس کی مدد کو نہ پہنچے تو ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔''

صفوان (امام جعفر صادقؑ کے صحابی) ایک روز امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے۔ ناگاہ ایک حیران و پریشان شخص حاضر ہوا اور امامؑ کو اپنی مشکل سے آگاہ کیا۔ اس کی مشکل کا تعلق کچھ مالی مسائل سے تھا۔ امامؑ نے صفوان کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اپنے برادرِ ایمانی کی مشکل کو حل کرو۔ صفوان حکم کی تعمیل میں اٹھے اور اس کا مسئلہ حل کر کے واپس پلٹ آئے۔ امامؑ نے دریافت کیا: مسئلہ کیا ہوا؟ صفوان نے جواب دیا: خدا نے اس کی مشکل حل کر دی۔

امامؑ نے فرمایا:

''جان لو کہ مشکل کو حل کرنے کے سلسلے میں یہ عمل کہ جو بہت معمولی سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں بہت تھوڑا سا وقت صرف ہوا ہے۔ لیکن اس کا ثواب مسلسل ایک ہفتہ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے رہنے سے زیادہ ہے۔''

امامؑ نے مزید فرمایا کہ:

''ایک دن امام حسنؑ کی خدمت میں ایک شخص پہنچا۔ اس نے اپنی پریشانی امامؑ کے گوش گزار کی اور اس سلسلہ میں مدد کی درخواست کی۔ امامؑ فوراً اس کی مدد کو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ چل دیئے۔ درمیانِ راہ میں امامؑ کی نگاہ امام حسینؑ پر پڑی جو نماز میں مشغول تھے۔

امام حسنؑ نے فرمایا:

''تم نے حسینؑ سے مدد کی درخواست کیوں نہ کی۔ اس شخص نے جواب دیا: پہلے میرا ارادہ انہی کی خدمت میں جانے کا تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ حسین ابن علیؑ اعتکاف میں ہیں تو میرا ارادہ بدل گیا۔''

امام حسنؑ نے فرمایا:

''اگر وہ تمہاری مشکل حل کرتے تو اس کی اہمیت ان کے لئے ایک پورے مہینے کے اعتکاف سے زیادہ تھی۔'' (12)

معاشرتی ادارے

انسان کا معاشرے سے بہت گہرا تعلق ہے وہ بغیر اجتماعی زندگی کے زندہ نہیں رہ سکتا اور یہی اجتماعی زندگی اس میں معاشرتی شعور پیدا کرتی ہے پیدائش سے لے کر موت تک انسان کو قدم قدم پر دوسروں کے تعاون محبت کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے اور معاشرے میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معاشرتی تربیت ہو کیونکہ معاشرتی تربیت کے بغیر اس کی ذھنی اور روحانی قوتوں کی پوری طرح نشونما نہیں ہوسکتی لہٰذا فرد کو ایسے معاشرتی اداروں کی شدید ضرورت جہاں زندگی میں مختلف قسم کے دیگر اجتماعی گروہوں سے تعلق کی تربیت پاسکے۔ اور معاشرے سے ہم آہنگ کر سکے۔

معاشرے میں ایسے متعدد ادارے موجود ہوتے ہیں جو فرد پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثرات مرتب کرتے ہیں اور ان اداروں کے ذریعے ہی فرد یا افراد میں تمدنی، ثقافتی اور مذھبی شعور فروغ پاتا ہے۔

معاشرہ میں اداروں کی موجودگی سے گروہی کردار تشکیل پاتے ہیں اور گروہی کردا افراد کے مجموعہ کا وہ ردعمل ہے جو ایک مشترکہ اور گروہی محرکات کے تحت ظاہر ہو یعنی کسی گروہی کردار میں رجحانات، جذبات، ترغیبات میں وحدت اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ تمام معاشرتی اداروں کو ہم دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں کچھ رسمی ادارے ہیں اور کچھ غیر رسمی۔

غیر رسمی معاشرتی اداروں میں گھر، خاندان، پڑوس، ساتھیوں کا گروہ، سماجی انجمنیں وغیرہ جو ابتدائی اور بنیادی گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسمی اداروں میں، اسکول، مدرسہ، مسجد، کالج، یونیورسٹی وغیرہ شامل ہیں۔

بنیادی غیر رسمی معاشرتی ادارے

یہ ادارے کسی اصول وضوابط کے تحت کام نہیں کرتے نہ یہ ادارے کسی خاص سرگرمیوں کے پابند ہوتے ہیں یہ آزاد ہوتے ہیں لیکن یہ تمام کے تمام ادارے فرد پر معاشرتی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہ ادارے بلواسطہ ثقافتی، تمدنی، سیاسی و مذہبی قدرون کو ایک نسل سے دو دوسری نسل تک منتقل کرتے رہتے ہیں اور فرد کی شخصیت پر اپنا گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اور معاشرے کو اچھے یا برے افراد کو فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے خاندان آتا ہے۔

خاندان:

غیر رسمی اداروں میں سب سے اہم اور متاثر کرنے والا گروہ خاندان ہے ایک فرد خاندان میں رہ کر زندگی کا آغاز کرتا بنیادی تربیت حاصل کرتا ہے جو اس کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے اور اس کے رسم و رواج اور آداب زندگی کو اپناتا ہے یہ گروہ اسکی عادات اور کردار پر سب سے زیادہ اثر ڈالتا ہے۔انسان اپنے خاندان کے افراد کے طور طریقے تقلیدی جبلت کے تحت فوری طور پر سیکھتے ہیں۔اس میں خاندانی وجاہت اور توارث بھی شامل ہوتا ہے۔جسمانی و ذھنی خصوصیات ودیعت ہوتی ہیں اگر خاندان کے افراد اچھے کردار اور بہتر عادات کے حامل ہیں تو بچے میں اچھے اوصاف پیدا ہوں گے اگر اس گروہ کے افراد ناقص اور معیوب کردار کے حامل ہوں گے تو بچے پر اس کے مضر اثرات پڑیں گے تو اس میں بھی مجرمانہ عادتیں پیدا ہوں گی اور فرد منفی اوصاف کا حامل ہوگا۔اس کی معاشرتی نشونما ناقص ہوگی خاص طور پر کسی فرد کی رائے اور فیصلے پر اس کے خاندانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔فرد کوئی فیصلہ بھی خاندانی وجاہت اور اقدار کے برعکس نہیں کرسکتا اگر وہ خاندانی اقدار سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اسے خاندان کی حمایت حاصل نہیں ہوتی اور اس کو خاندان سے جدا سمجھا جاتا ہے۔بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے ہمیں خاندان کی روایات و اقدار سے مجبور ہو کر اپنے فیصلے یا رائے کو تبدیل کرنا پڑتا ہے۔

معاشرے کی تشکیل میں یہ پہلا اور ابتدائی گروہی ادارہ ہے جہاں بچے ماں، باپ، بہن بھائی اور قریبی و خونی رشتہ دار باہمی میل جول اور پیار و محبت سے رہتے ہیں۔(۱۳)

یہ فرد کی اولین تربیت گاہ خاص طور پر ماں کی گود اس کی شخصیت فرد کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے اور پوری زندگی وہ خاندان کے معاشرتی نظام میں جکڑا رہتا ہے۔فرد کا خاندان یا اپنے گھر سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی اور ماحول میں بھی چلا جائے مگر اپنے خاندانی اثرات کو فراموش نہیں کرتا وہ اس سے اپنا اتنا شدید جذباتی لگاؤ رکھتا ہے کہ وہ اسے ساری زندگی یاد رکھتا ہے اور خاندان اور گھر کی خواہش ہی فرد کو دوسروں سے تعلقات قائم کرنے پر مجبور کر دیتی ہے اور وہ اپنے خاندان کے تحفظ اور نسل کی بقا کی فکر کرتا ہے۔

> ’’فرد اپنے باپ بھائی و بہن اور دیگر خونی رشتہ داروں کے کردار و عادات کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کے اثرات قبول کرتا جاتا ہے غرض یہ کہ بچہ خاندان میں وہ ابتدائی کردار اور کام کرنے کے طور طریقے سیکھ لیتا ہے جو اس کی معاشرتی زندگی میں بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔(خاندان پہلا معاشرتی تربیت

دینے والا ادارہ ہے اور جو معاشرتی رہن سہن کی بنیادی باتیں اس ادارے میں سیکھ لی جاتی ہیں وہی فرد کو مستقبل میں راہ دکھاتی ہیں۔

خاندان فرد میں ایسے کردار و عادت کی تشکیل کرتا ہے جن سے معاشرتی مطابقت پیدا ہوتی ہے فرد اس ادارے میں سب سے پہلے یہ محسوس کرتا ہے کہ لوگ کس طرح مل جل کر باہمی طور پر کام کرتے ہیں۔ کس طرح مشترکہ مقاصد کے تحت ایک دوسرے سے تعاون کیا جاتا ہے۔ کس طرح لوگ اپنی اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے خاندان میں نظم وضبط قائم رکھتے ہیں۔ باہمی امداد و تعاون کا یہ احساس جو خاندان پیدا کرتا ہے۔فرد اس کے سہارے سے اپنے مستقبل میں معاشرتی مطابقت حاصل کرسکتا ہے۔(اس کے علاوہ مشترکہ مقاصد کے لئے مشترکہ جدوجہد کا جذبہ اور خاندان میں نظم وضبط قائم کرنے کا خیال فرد کو اخلاقی اور تمدنی زندگی کی بنیاد مہیا کرتا ہے) جہاں تک تمدنی زندگی کی مستحکم بنیادوں کا تعلق ہے تو اس کا انحصار خاندان کی روایات ، رسم و رواج ،عقیدے اور اس کے طرز معاشرت پر ہے اگر خاندان کے اراکین وسیع النظر ، کشادہ دل بہتر طور طریقے ، اعلیٰ کردار و سیرت اور بہتر تمدنی ورثے کے مالک ہیں تو بچوں کی تمدنی زندگی کی عمارت بہتر اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگی بچے کشادہ اور صاف و آزاد ماحول میں اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بخوبی بروئے کار لاسکتے ہیں۔اس کے برعکس اگر خاندان تنگ نظری اور سخت گیر تمدنی نظام کا حامل ہے تو بچے کی شخصیت بھرپور طور پر نشوونما نہیں پاسکتی۔ جبر و تشدد کا ماحول بچے کی انفرادیت اور شخصیت میں منفی کرداری نمونوں کو جنم دیتا ہے۔ بچے میں مثبت اور تعمیری صلاحیتیں فروغ نہیں پاتیں بچے کی ابتدائی زندگی میں خاندان ہی اپنے مؤثر اثرات کے تحت تعمیری کردار اور عادتوں کی تشکیل کرتا ہے۔ والدین کا حقیقی پیار و محبت اور بھائی بہن کا حُسنِ سلوک بچے کے دل میں ہمدردی ، محبت اور تعاون کے احساسات کو فروغ دیتا ہے اور یہی صفات اس میں ادب و احترام فرمانبرداری اور اطاعت کی خو پیدا کرتے ہیں اگر گھر یا خاندان کے اراکین بچوں سے بہتر رویہ اختیار کرتے ہیں تو بچے ان کے حکم کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ بچے اپنے والدین سے محبت اور ادب و احترام کا اظہار محض اولاد ہونے کی غرض سے نہیں کرتے بلکہ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہستیاں ہمارے دکھ درد میں شریک ہیں۔ ہمارے طبعی تقاضوں کی تسکین بڑی محنت و محبت سے کرتے ہیں۔ معاشرتی عمل کا یہ اصول معاشرتی عمل کا یہ اصول ہے کہ تم جیسے ردعمل کا اظہار کروگے دوسرا

فرد ویسے ہی ردعمل کا اظہار کرے گا بعض بچے اپنے والدین کی حکم عدولی و نافرمانی محض اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کو حقیقی پیار نہیں ملتا اور ان کے ساتھ والدین کا برتاؤ نازیبا ہوتا ہے لہٰذا ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے خاندان یا گھر کا ماحول بہتر اور ہمدردانہ اپنائیں خاندان کا ہمدردانہ اور مشفقانہ برتاؤ بچوں میں ایسی عادتوں اور کرداروں کی تربیت کرے جن سے وہ معاشرے میں دوسروں کے ساتھ مطابقت حاصل کرنے میں مدد لیں گے غرض یہ کہ خاندان نا یک ایسا مرکز ہے جہاں بچوں کے کرداروں کی سمتیں مقرر ہوتی ہیں جہاں بچوں میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی روح اور دکھی انسانیت کے لئے تڑپ پیدا ہوتی ہے۔(۱۴)

بقول ڈاکٹر وہیلر Wheeler والدین اور بھائی بہن کی محبت و پیار، کی مسرت دہ زندگی عزیز واقارب کی باہمی مراعات ان کی بے تکلفی اور اتباط جو ایک چھوٹی سی قدرتی جماعت (خاندان) میں پیدا ہوسکتا ہے اور جس کے ذریعے فرد میں حقوق و مراتب کا خیال اور خیر وحسن کا احترام جنم لیتا ہے۔ وہ فرد کی تمدنی زندگی اور جذباتی ربیت کی بنیاد کو مستحکم کرتا ہے۔''(۱۵)

بچوں کے لئے خاندان ایک پیارا اور خوشگوار امن وسکون کا مرکز ہے۔ جہاں بچے اپنے والدین کی براہِ راست گفتگو سے اپنی زبان کو فروغ دیتے ہیں جو لب ولہجہ وہ اپنے والدین کا دیکھتے ہیں وہی لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں۔ نہ صرف بچے کی زبان وخیالات پر خاندان کا گہرا اثر پڑتا ہے بلکہ اس کے رجحانات اور نصب العین بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اسکول کی بہ نسبت خاندان کے اثرات دیر پا اور وسیع ہوتے ہیں یھاں کے اثرات بچے کے عہد جوانی کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ بعض بچے جب عہدِ بلوغت میں اپنے نفسیاتی تقاضوں کی آسودگی میں بے راہ روی کی جانب بڑھتے ہیں تو ان کے گھر کے اثرات ہی ان کو روکتے ہیں۔ خاندان اور گھر کی پاک فضا ہی ان کی رہنمائی کرتی ہے اگر وہ اپنے مرکز یعنی خاندان کی اقدار کا لحاظ رکھتے ہیں تو وہ ہر بُری صحبت سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں گے اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹ جاتے ہیں تو عدم مطابقت کا شکار ہوجائیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا گھر یا خاندان بہتر اقدار کا نمونہ ہو۔ پیار ومحبت اور نظم وضبط کا توازن ہو باالفاظِ دیگر والدین بچوں پر بے جانا زبرداری کا اظہار نہ کریں۔ انہیں بے جالاڈ پیار سے اس قابل نہ بنائیں کہ ان میں کسی ذمہ داری کا احساس ہی پیدا نہ ہو، ان میں کوئی عملی قوت ہی نہ فروغ پائے اور ان میں ذرا بھی خود اعتمادی نہ پیدا ہو

اور نہ ان پر اتنی سخت گیری ہونی چاہئے کہ وہ گھر کو ایک جہنم سمجھ سکیں۔ اپنی خواہشات کی تسکین میں گھر کو ایک رکاوٹ محسوس کریں۔ ہمارا رویہ متوازن ہو۔ گھر کا ماحول ایسا ہو کہ بچے خوشی خوشی تعمیری باتوں کو اپنائیں اور بُری عادتوں کو ترک کر دیں۔ بقول خواجہ غلام السیدین جب بچہ زندگی کا سفر شروع کرتا ہے تو وہ نہ صرف گھر کی فضا میں پرورش پاتا ہے بلکہ اسکے گرد ایک دائرہ عمرانی زندگی کا بھی ہوتا ہے جو اکثر غیر مسوس لیکن نہایت مؤثر طریقے سے اس کی عادات خیالات اور سیرت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس کی چال ڈھال، اس کا طرز گفتگو اور ذخیرہ الفاظ اس کے اخلاقی اصول اور نصب العین اپنے ماحول کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں''۔ (۱۶)

(وہ آج کی دنیا میں فرد کی تمدنی اخلاقی اور معاشی تربیت کا ادارہ ہے بچہ اسی مرکز سے کچھ اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی چیزوں کو سیکھ کر اسکول میں داخل ہوتا ہے۔ اسکول کی آموزش اور نئی ثقافتی اقدار کے لئے بچے کی تربیت کا انحصار زیادہ تر ان ثقافتی اقدار سے مربوط ہوتا ہے جنہیں بچہ گھر پر ہی سیکھ لیتا ہے۔ باالفاظ دیگر اسکول کوئی منتخب شے نہیں بناتا بلکہ اس کی تعمیر گھر کی ابتدائی تربیت کی بنیاد پر کرتا ہے اور یہ سلسلہ گھر سے مربوط دیکھ کر بچے کی پوری اسکول کی زندگی میں قائم رہتا ہے۔)

Thus the child's receptivity to new cultural ideals and facts, presented school will depend to a great extent upon the cultural ideals already implanted him at home. The school, on the other hand, has no choice but to build upon the foundation of early home training and in conjunction with continued home training throughout the child; school years." (17)

غرض یہ کہ خاندان ایک پیارا اور خوشگوار امن وسکون کا مرکز ہے جہاں پیار ومحبت، نظم وضبط کا توازن قائم ہوتا ہے اخلاقی اقدار کا نمونہ ہوتا ہے اور بچے گھر کی پاک صاف فضا میں خوشی خوشی تعمیری باتوں کو اپناتے ہیں اور بری عادتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ ان کے خیالات، رجحانات اور نصب العین کی راہیں متعین ہوتیں ہیں یہ وہ سب سے پہلا ادارہ ہے جہاں فرد کی تمدنی، اخلاقی اور معاشی تربیت ہوتی ہے اور اگلی نسل میں منتقل ہوتی ہے۔

ہمجولیوں اور دوستوں کا گروہ:

خاندان کے بعد بچے اس گروہ سے براہ راست اثرات قبول کرتے ہیں یوں تو معاشرے میں متعدد گروہ فرد کی شخصیت کو متاثر کرتے ہیں لیکن ساتھیوں اور کھیل کود کا گروہ زیادہ برابر ہوتا ہے۔ بچہ کا گھر اور پھر خاندان اسے جسمانی ، خذباتی اور تمدنی زندگی کی خصوصیات سے آراستہ کرتا ہے لیکن اس سے زیادہ وسیع ماحول سے خاندان سے باہر اپنے دوستوں، کھلاڑیوں اور دیگر گروہوں پر مشتمل ہوتا ہے جن سے بچے کا تعلق بہت قریبی ہوتا ہے اور اس غیر رسمی ادارے میں کوئی خاص اصول ضوابط نہیں ہوتے اس ادارے کے ارکان مشترکہ خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اس میں فرد جن افراد کو پسند کرتا ہے اس سے اپنے تعلقات قائم کرتا ہے ان کے ساتھ کھیلتا کودتا ہے۔ سیر وتفریح کرتا ہے۔ ان سے دوستی قائم کرتا ہے۔ بغیر کسی امتیاز وتفریق کے یہ افراد اور ان کے ہمجولیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس گروہ میں فرد اپنے اجتماعی احساسات کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ یہ غیر رسمی گروہ فرد کی سماجی فطرت اور مثالی نمونوں کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس میں بچے اپنے دوستوں اور کھیل کود کے گروہ میں محبت ہمدردی تعاون کا اظہار کرتے ہیں۔ بغیر کسی غور وفکر کے بے تکلفی سے محبت کے اثرات قبول کرتے ہیں اور دوستوں کے کردار وعمل کو اپناتے ہیں۔ اسی گروہ میں ان کی جذبات کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بزرگ کہتے ہیں کہ بچوں کو بری صحبت سے بچاؤ کیونکہ اگر بچے بری صحبت میں رہیں گے تو ان پر برے اثرات مرتب ہوں گے اور وہ بری عادتیں اپنائیں گے بچوں کے کھیل کود کے ساتھی کردار و عادات کے حوالے سے اچھے ہوں ان کے خیالات پاک و پاکیزہ معاشرتی رسم و رواج اقدار کو اپنانے والے ہوں۔ بہترین طرز زندگی کے حامل ہوں معاشرتی حوالے سے حقیر نہ سمجھے جاتے ہوں۔

فطری طور پر بچے خاندان کی طرح اس گروہ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ مل جل کر گروہی مفاد کا خیال رکھتے ہیں یہ معاشرتی گروہ بچوں اور نوعمر افراد کا ایک اعزازی اور مرض پر مبنی گروہ ہے اس کی نوعیت تفریح اور لطف اندوزی ہے مشترکہ مفاد کے تحت یہ گروہ تنظیم پاتا ہے جس کے حصول میں ذمہ داری سے حصہ لینا پڑتا ہے اور جس سے اپنائیت اور مہم کا احساس نشونما پاتا ہے۔ اس گروہ کی دوستی اور مراسم خلوص پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے افراد ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کردار و عادات کو اپناتے ہیں شخصیت پر اس گروہ کے شدید اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان میں متعدد تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں عمر کے ساتھ ساتھ اس گروہ کے اراکین اور احاطۂ کار میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ فرد کا حلقہ احباب اور معاشرتی روابط کی حدیں

پڑوس، محلے، مقامی بستی وشہر سے نکل کر دوسرے صوبوں اور شہروں سے جا ملتی ہیں زندگی کے ساتھ ساتھ قائم رہتی ہیں اس گروہ میں کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں ہوتی ان کی قیادت تیزی سے بدلتی رہتی ہے عموماً مخالفت اور لڑائی جھگڑے بھی ہوتے ہیں لیکن عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں۔اس گروہ میں بچوں کو پہلا موقع ملتا ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں ان میں محبت اور تعاون کے احساسات پیدا ہوتے ہیں اس گروہ کے اراکین کی سرگرمیوں میں گھر کے افراد کی ثقافت اثر ڈالتی ہے اس گروہ میں افراد گروہی زندگی کے متعدد تجربات ومشاہدات سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان کی انفرادی شخصیت کو اس گروہ میں نشونما کی راہیں ملتی ہیں غیر رسمی اور آزاد تجربات کے مواقع ملتے ہیں جو ان کے کردار وسیرت کو متعین کرتے ہیں۔

ماہر نفسیات تھامس نے گروہ پسندی کی اجتماعی جبلّت Gregarious Instinct کی عمدہ الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

''اس کا کہنا ہے کہ چار خواہشات فرد کو گروہی زندگی کی طرف راغب کرتی ہیں۔فرد تحفظ، شناخت، رد عمل اور نئے تجربات کی خواہشات رکھتا ہے اور ان خواہشات کی آسودگی کی خاطر وہ پہلے کھیل کود اور ساتھیوں کے گروہ کا رُکن بنتا ہے اور پھر بتدریج دوسرے گروہ میں شرکت کرتا ہے۔''

"Probably the best explanation lies in the Four Wishes Theory of Thomas The desire on the part of all persons for security, recognition, response and the experience. There is a tendency for all these wishes to be gratified in the activities of the informal play group, and thouse of its succcessors such as the gang."(18)

یہ گروہ ہمیشہ تغیر پذیر رہتے ہیں۔ان کی کوئی ایک صورت برقرار نہیں رہتی ہے یہ مختلف صورتیں اختیار کرتے چلے جاتے ہیں ابتدا میں چند ہم عمر ساتھی کھیل کود کے دوستوں یہ گروہ مشتمل ہوتا ہے پھر یہی گروہ بڑھ کر جماعت ۔گینگ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔اس کے بعد کلب۔تنظیموں، اداروں، کمیونٹی ایسوسی ایشن (Community Association) اور دیگر رفاعی انجمنوں کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔اور اپنی نشونما بالیدگی کے مختلف ادوار میں کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں اور اس کے تحت اپنے کردار وعادات خیالات ،نظریات میں ترامیم واصلاح کرتے رہتے ہیں۔

مخالف جنسی افراد کا گروہ

Opposite Sex Group

عنفوان شباب کے عہد میں فرد میں جنسی تقاضے پیدا ہوجاتے ہیں اس کے جنسی غدودں میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اس وجہ سے وہ اپنے مخالف جنس میں زیادہ دلچسپی لینے لگتا ہے اب وہ ہم عمر لڑکیوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اوران سے تعلقات قائم رکھنے کی راہ نکالتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مخالف جنس کے لوگوں میں زیادہ مقبول ہو۔ اس کے لئے فرد مختلف طورطریقے استعمال کرتا ہے۔ کالج کی تعلیمی دنیا میں ہم جنس سے زیادہ مخالف جنس میں زیادہ ہمدردی ظاہر کرتا ہے اوران کے گروہ میں رہنا پسند کرتا ہے۔ کالج اور یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول میں لڑکے اورلڑکیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ بن جاتے ہیں۔ ان گروہوں میں وہ معاشرتی طورطریقے سیکھتے ہیں اوران میں سوسائٹی کواپنانے کا شعور پیدا ہوجاتا ہے۔ انہی گروہوں سے ان میں چند ایسے معاشرتی اوصاف پیدا ہوجاتے ہیں جو ان کو آئندہ زندگی کو مؤثر مطابقت سے ہمکنار کرتے ہیں۔ مثلاً وہ مخالف جنس کی خواہشات اوراس کے احساسات سے واقف ہوجاتے ہیں۔ لڑکوں اورلڑکیوں میں ایک دوسرے سے گفت ۵ گو کرنے کا ڈھنگ پیدا ہوجاتا ہے ایک دوسرے کا خیال رکھتے اور ہمدردی ظاہر کرتے ہیں ان کے ہنسی خوشی اور مصیبت کے دنوں میں تعاون کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اورسب سے بڑی بات یہ ہے کہ مخالف جنس سے برتاؤ کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔ اگر کوئی فردِ مخالف جنس سے برتاؤ کرنے میں شائستگی اختیار نہیں کرتا تو اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے کبھی سوسائٹی نہیں دیکھی۔

محدود حلقے: Closed Areas

معاشرتی تربیت کے چند محدود حلقے بھی ہوتے ہیں جو فرد کے رجحانات اور نظریۂ حیات کے تحت قائم ہوتے ہیں۔ فرد فطری طور پر خواہشات کا پتلا ہے وہ مختلف خواہشات، مقاصد، رجحانات اور نظریات کا حامل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے ہم خیال، ہم خواہشات، ہم مقاصد، ہم رجحانات اور ہم نظریات کے افراد سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ملتا ہے۔ وہ اپنے ہم مقاصد اور ہم رجحانات کا ایک گروہ بنالیتا ہے۔ (۱۹)

اور بقول Bigge اور Hunt وہ ان حلقوں میں غور وفکر کے بجائے تعصب سے کام لیتا ہے۔ اپنے ہی گروہ سے زیادہ دوستی قائم کرتا ہے اور غیر عقلی وجذباتی طور پر ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔

" In these areas people tend to react in accordance with deeply rooted prejudiices instead thinking they act blindly , strubbornly and irrationally". (20)

معاشرتی تربیت کے محدود حلقے میں مذہبی، اخلاقی ،نسلی، اقلیتی، سیاسی ،قومی اور اقتصادی گروہ شامل ہیں۔ ان حلقوں میں فرد اپنے متعلقہ رجحانات کے تحت شامل ہوتا ہے۔ یہ حلقے بھی معاشرت سازی کے لئے معاون سمجھے جاتے ہیں۔ فرد حلقوں میں اپنے مقاصد اور رجحانات کے تحت حصہ لیتا ہے آپس میں اتحاد وتعاون سے پیش آتا ہے۔ مسائل پر آزادانہ بحث ومباحثہ کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی استدلال قوتیں فروغ پاتی ہیں۔ اس میں قیادت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور معاشرتی مطابقت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

رسمی معاشرتی ادارے

رسمی معاشرتی ادارے کسی خاص مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے با قاعدہ اصول وضوابط کے تحت قائم کئے جاتے ہیں اور منصوبہ کے تحت اپنی معاشرتی و دیگر سرگرمیاں انجام دیتے ہیں اور ان سرگرمیوں کا وقت اور مقام معین ہوتا ہے اور عام سرگرمیاں براہِ راست افراد سے وابستہ ہوتی ہیں۔

وقت اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق افراد کو تیار کرنے کے لئے اور معاشرتی شعور پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے مسلسل اور منظم عمل کی ضرورت ہے کہ جس کے ذریعے زندگی کے مسلسل مسائل اور تقاضوں کو حل کیا جا سکے اور جس کے ذریعے اجتماعی مصلحتوں کو رکھا جا سکے اس کے علاوہ افراد میں عقل وشعور کو پروان چڑھانے اور اس میں قومیت، انسانیت، اخوت مساوات کی روح ابھارنے کے لئے ایک منظم معاشرتی عمل کی ضرورت ہے تا کہ عزیز قدریں روایات قومی و اسلامی ثقافت کو نسل در نسل محفوظ کیا جا سکے اچھے منظم اخلاق و کردار اور نیک سیرت افراد کی تربیت کی جا سکے اور ان تمام اعلیٰ صفات کے حصول کے لئے معاشرے نے چند رسمی اداروں کا قیام عمل میں لائے جس میں سب سے پہلا اور بنیادی ادارہ اسکول ہے جہاں بچوں میں اجتماعی شعور پیدا کر کے ایک اچھے معاشرے کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کالج یونیورسٹی، کتب خانے، گرلز گائیڈ وغیرہ شامل ہیں۔

اسکول:　(School)

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے لہٰذا معاشرہ نے تعلیمی اداروں کو اس لئے قائم کیا ہے تا کہ معاشرتی قدریں اور ثقافتی مدق آنے والی نسلوں تک منتقل ہو، معاشرتی ارتقا کا عمل جاری ہے اور بچوں میں اجتماعی شعور پیدا کر کے ایک بہترین معاشرے کی تشکیل کا عمل جاری رہے۔

معاشرے کے بچوں کا پہلا رسمی ادارہ اسکول ہوتا ہے اور اسکول میں ہونے والی تمام نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں بچوں کی زندگی شدید طور پر متاثر کرتی ہیں اور اس کے ذریعے بچوں میں اچھے معاشرتی اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

اسکول کی تعلیمی سرگرمیوں کا مقصد نہ صرف فرد کی انفرادی شخصیت کو فروغ دینا ہے بلکہ ان کی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی اس طرح تربیت ہے کہ یہ معاشرتی تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکیں اور بدلتے ہوئے حالات کا

با آسانی مقابلہ کرسکیں۔

ترقی کا واحد ذریعہ تعلیم ہے تعلیم کے ذریعے ہر پہلو پر نئے انداز سے غور وفکر کرنے کی راہیں کھلتی ہیں انسان معاشرتی تقاضوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرتا ہے اسی کے ذریعے انسان کو اتنا شعور حاصل ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے مسئلے مسائل اور تقاضوں کو کیسے با آسانی اور بہتر طریقے سے حل کرسکتا ہے اور ساتھ ساتھ اجتماعی مصلحتوں کا خیال بھی رکھا جاسکتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں نہ صرف اچھے کردار اور نیک سیرتی کی تربیت ہوتی ہے بلکہ ان میں اچھے معاشرتی اوصاف پیدا ہوتے ہیں عقل سنورتی ہے۔ اخوت اور مساوات کی روح پیدا ہوتی ہے قومیت طینیت اور انسانیت کی روح ابھرتی ہے۔ بچوں میں احساس ذمہ داری تعاون اور ہمدردی کے جذبات فروغ پاتے ہیں اور اس طرح نظام معاشرت سے لگاؤ پیدا ہوسکتا ہے اور ہماری قومی اقدار وروایات نسل در نسل محفوظ ہوسکتی ہیں۔

اسکول بچوں کو معاشرہ میں کامیاب و مفید ممبر بننے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے لہٰذا یہ معاشرہ کا آئینہ دار ہونا چاہئے یہ ایک ایسی چھوٹی سی دنیا ہے جہاں معاشرے کی تمام سرگرمیوں کا عکس نظر آ ۸ ئ ے جہاں سائنس، تاریخ، فنون، لطیفہ اور دوسرے مفید علوم کی پاکیزہ روح کے ساتھ ساتھ اور مفید اور محنت طلب مشغلے ہوں جو بچوں کی دماغی جسمانی، اخلاقی صلاحیتوں کو ابھارنے کے ساتھ ساتھ ان میں معاشرے کی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت بھی پیدا ہوسکے جیسا کہ تربیت اخلاق کا بہترین وسیلہ کھیل کود ہیں ان کی بدولت شخصیتیں بنتی ہیں سنورتی ہیں ان کی پوشیدہ صلاحیتیں سامنے آتی ہیں۔ بچوں میں صبر وتحمل وسیع النظری، فراخ دلی، جذبۂ ہمدردی، تعاون محبت، اخوت مساوات سے احساسات پیدا کئے جاتے ہیں اور ان میں انعام واکرام کی وجہ سے مسلسل دلچسپی بھی قائم رکھی جاتی ہے تنظیمی و اجتماعی رجحانات کے فروغ بچوں کی اخلاقی تربیت کے لئے بہت ضروری ہے کہ فرد کو دوسرے افراد کے ساتھ مل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں جیسے طلبا کی یونین بزم ادب، بزم شعر وشاعری، با زم ڈرامہ، اور انجمنیں قائم کی جائیں اس کے علاوہ ہفتہ واری پروگرام۔ تعلیمی ونمائش اور تعلیمی سیر مقابلۂ فنکاری کا انعقاد ،اسکاؤٹ، گرلز گائیڈ، اور مختلف قسم کی ٹیمیں۔ اجتماعی گروہ میں فرد کی معاشرتی تربیت کرتے ہیں اور اس میں اچھے معاشرتی اوصاف پیدا کرتے ہیں۔

اسی بات کو J.S Roucek نے اپنی کتاب میں بہت خوبصورت انداز میں بیان کی ہے وہ کہتے ہیں:

" Every phase of life in Society has a part in the education of the individual. All Social institutions aid directly or indirectly in the education of those making up the group or the community , on the other hand, the time will never

come when the school alone can be responsible for the entire education of a person". (21)

اسکول، کالج، یونیورسٹی براہِ راست تعلیمی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں اور اساتذہ اسی معاشرتی سرگرمیوں کو تعلیمی عمل کے دوران شامل کرتے رہتے ہیں جن کے ذریعے بچوں کو معاشرے سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ اسکول کی سطح پر افراد میٹرک تک تعلیم حاصل کرتے ہیں یہاں تک ان میں مدنی شعور پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ معاشرے کے لئے مفید فرد کے طور پہچانے جاسکیں کالج کی سطح تک اپنے مخصوص رجحانات کے تحت اپنا نصب العین بناتے ہیں پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے یونیورسٹی کی سطح پر افراد کی تحقیقی صلاحیت فروغ پاتی ہیں اور یہ تمام ادارے فرد کی ذمنی تخلیقی، معاشرتی صلاحیتوں کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

آیئے اب ہم گروہوں (اداروں) کا تذکرہ کرتے ہیں جس میں افراد کی عملی و معاشرتی صلاحیتوں کی تربیت بھی ہوتی ہے اور وہ معاشرتی خدمات کے تجربات سے بھی گزرتے ہیں اور اس طرح ان میں اچھے معاشرتی اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ ان گروہوں کے ذریعے دوسروں سے ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے تمدن، اقدار، ثقافت سے واقفیت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے ہمدردی، تعاون کرنے کے مواقع میسر آتے ہیں آپس میں محبت، اخوت ہمدردی اور ملنساری پیدا ہوتی ہے اور یہ اوصاف حقیقی معنوں میں فرد کو معاشرے سے ہم آہنگ کرتے ہیں بلکہ دوسرے ماحول میں بھی مطابقت دیتے ہیں۔

افراد میں معاشرتی فہم وشعور پیدا کرنے کے لئے تعلیمی اداروں کے اندر اور باہر کچھ معاشرتی فلاحی تنظیمیں قائم کرنا ضروری ہے جس میں افراد کو معاشرتی خدمات کے مواقع فراہم کئے جاسکے ذمہ داری کا احساس کے ساتھ ساتھ متعدد معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام سرگرمیاں وسعت کی حامل ہوتی ہیں اسکاؤٹس، گرلز گائیڈ، امداد انجمنیں اور سماجی خدمات کے وغیرہ۔

اسکاؤٹس:

معاشرے میں ثقافتی، مذھبی، معاشرتی پروگرام کے انتظام اور ان میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے اسکاؤٹس کے دستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں، اسکول، کالج، یونیورسٹی کے طلبا کے علاوہ محلے کے مقامی افراد شامل ہوتے ہیں تا کہ ثقافتی، مذہبی، جلسوں، جلوسوں اور دیگر پروگرامز میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے رابطے میں آسانی ہو اور وقتاً

فوقتاًہدایات دینے میں بھی آسانی ہو۔اسکاؤٹس صرف اپنے علاقے تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوکر قومی سطح پر سماجی ومذہبی سرگرمیوں میں بھی خدمات انجام دیتے ہیں۔خاص طور پر ہنگامی حالات جیسے سیلاب،زلزلے، دہشت گردی اور جنگ میں بھی معاشرتی فلاح وبہبود کے کام انجام دیتے ہیں۔

گرلز گائیڈ:

ہمارے یہاں گرلز گائیڈ صرف اسکولوں اور کالجوں تک محدود ہے اگر ہم خواتین کی محفلوں،مجلسوں اور دیگر علاقائی اور قومی تقریبات میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے طالبات کے ساتھ علاقائی اور قومی سطح پر لڑکیوں اور خواتین کو شامل کریں اور ان کی خدمات کا دائرہ وسیع کریں معاشرتی سرگرمیوں کو کامیابی سے ہمکنار کرسکتے ہیں تاکہ ہم متعدد معاشرے پر اچھا اثر پڑے۔

معاشرتی انجمنیں:

معاشرے کی فلاح وبہبوداور ترقی کے لئے علاقہ کے باشعور افراد اپنے اپنے علاقوں میں ایسی باہمی امداد کی انجمنیں قائم کرتے ہیں۔جو مخیر حضرات سے عطیات لیتے ہیں اور نادار اور غریب افراد کی مدد کرتے ہیں۔طلبا کے تعلیمی اخراجات، مالی امداد کرتے ہیں انہیں کتابیں مہیا کرتے ہیں بچوں کی شادی کے سلسلے میں مدد کرتے ہیں اس کے علاوہ دیگر فلاح وبہبود کے کام انجام دیتے ہیں اس طرح علاقے کے لوگ مل جل کر ایک دوسرے سے تعاون کرکے معاشرے کے مسائل حل کرتے ہیں جس سے نہ صرف اتحاد وتعاون کے احساسات فروغ پاتے ہیں بلکہ ان سے معاشرتی تعلقات اور انسانی رابطوں کو بھی فروغ حاصل ہوتا ہے۔

شہری دفاعی انجمنیں:

ہمارا ملک پاکستان کو ہمیشہ جنگ کا خطرہ لاحق رہتا ہے اب تک تین جنگیں ہوچکی ہیں آج بھی ہماری سرحدیں محفوظ نہیں ہیں سرحدوں پر فوج مصروف عمل رہتی ہے شہروں میں پولیس اور رینجرز کے فرائض میں بھی کافی اضافہ ہوجاتا ہے ایسے میں شہریوں کی اعزازی خدمات درکار ہوتی ہیں اس کے علاوہ اندرونی طور پر بھی ملک مسلسل دہشت گردی کا شکار ہے ان حالات میں شدید ضرورت پڑتی ہے کہ شہر کے قوم کے باشعور اور تربیت یافتہ افراد شہری دفاعی انجمنیں قائم کریں لوگوں کو حفاظت کے طریقوں سے آگاہ کریں۔جذبۂ تحفظ بیدار کیا جائے،دشمن سے متاثرہ افراد کی فوری طور پر مدد

کی جائے ، امدادی کیمپ کے ذریعے ان کے لباس خوراک ، اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جائے اس طرح ہم معاشرے کے افراد کو صبر وتحمل کی حوصلہ افزائی ، ملک وقوم پر جانثاری ، ایک دوسرے سے ہمدردی وتعاون ، بہترین سماجی خدمات کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

ادبی وثقافتی انجمنیں:

ثقافتی اقدار کا شعور پیدا کرنے اور معاشرتی تعلقات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے ایسی انجمنوں کی تشکیل بہت ضروری ہے جس کے تحت عام لوگوں میں ادبی شعور بیدار کرنے کے لئے ایسی محفلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے جیسے مذاکرے ، مباحثے ، مشاعرے وسیمینار کا انعقاد کیا جاتا ہے اور علاقے کے دیگر قومی ادبی شخصیتوں ، شعرا کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی ادبی زوق کی تربیت کی جا سکے ان میں لطیف احساسات پروان چڑھیں۔ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہوتا کہ معاشرے میں خوشگوار فضا قائم ہو۔ اور ان ہی انجمنوں کے وسیلے سے قومی رہنماؤں اور شہیدوں کو خراج عقیدت بھی پیش کیا جاتا ہے۔

دینی مدرسہ

اسلامی معاشرے میں مسجد سے متصل مدرسہ ہمیشہ تعلیم وتربیت کا مرکز رہا ہے یہ ایک ایسا ادارہ ہے جیسے معاشرہ خود تعمیر کرتا ہے اس کی دیکھ بھال کرتا ہے اور اس پر اعتماد کرتا ہے عام طور پر علاقے کے بچے اور بچیوں کو قرآنی اور اسلامی تعلیم مدرسہ میں ہی دی جاتی ہے اور اس کو معاشرہ میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہاں علاقے کے بچے اور بچیاں قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار اور رسم ورواج سے عملی طور پر آگاہ ہوتے ہیں اصلاح نفس کرتے ہیں اور اس طرح معاشرے میں ایک صحت مند نسل پروان چڑھتی ہے۔

بحیثیت مسلمان معاشرے میں اسلامی روحانی دینی اور اخلاقی نظام کا رائج ہونا بہت ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ نیکی کی فطری صلاحیت کی نشونما کرنا ہے۔ اس کا انحصار ایک طرف تو تقویٰ ، تزکیہ اور طہارت پر ہے تو دوسری طرف عملی نقاد ، تکرار مشق اور عادات واطوار کی پختگی پر ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مقصد صرف فرد کی ذاتی خواہشات کی تسکین نہیں بلکہ اسکا اجتماعی اور معاشرتی پہلو بھی موجود ہوتا ہے توازن واعتدال ، عدل وانصاف ، اطمینان قلب اور فرد کی داخلی اور خارجی زندگی میں تنظیم کا درس دے کر اسلام نے پرامن ، خوشگوار اور بامقصد ماحول کی تخلیق پر زور دیا ہے جس سے انسانی اخوت کے جذبے کو تقویت ملتی ہے۔

پروردگارِ عالم مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں ارشاد فرمارہا ہے:

''اے ایمان والو تم رکوع کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور تم اسے نیک کام بھی کیا کرو (جن کی وجہ سے) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے'' (۲۲)

اسلام میں توازن اور مساوات کاشف کردار میں حسن عظمت کی شان پیدا کرتی ہے اور ہر ایک کو اس کے حقوق کی ضمانت فراہم کرتی ہے جس سے معاشرہ افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

موجودہ حالات میں دیگر تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ مسجد مدرسوں کو مضبوط کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اصلاح معاشرہ ایک اہم اور نازک مسئلہ بن گیا ہے اس وقت ضروری ہے کہ اساتذہ، والدین علاقے کے معزز افراد، امام مسجد، مدرس کا قومی فرض بنتا ہے کہ وہ اصلاح معاشرہ کی جدوجہد میں دیگر قومی اداروں کا ہاتھ بٹائیں اور اہل مدرسہ اپنی جدوجہد اور تعلیمات کو صرف درس گاہ تک محدود نہ رکھیں ورنہ آبادی کو برائیوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

مدارس کے لئے ضروری ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ سماجی کارکنوں کی تربیت، تنظیم اور پیشہ وارانہ اہلیت میں اضافہ کا بھی اہتمام کیا جائے اور اس کے لئے امام مسجد کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ مدرس بھی تعینات ہوں اور بچوں کو نوجوانوں کو ایسے اوقات میں پڑھائے جائے جو معاشرے کے لئے زیادہ مناسب ہوں اور علاقے کے افراد اپنی دینی ضروریات کے لئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ تاکہ اسلامی تمدن کی روحانی فضا قائم ہو اور معاشرہ برائیوں سے پاک ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

معاشرے میں افراد کی صحیح تربیت کرنے کے لئے مندرجہ بالا رسمی وغیر رسمی اداروں کے ساتھ ساتھ ایک اور طریقۂ عمل جو اسلام نے معاشرے کو برائیوں اور انحرافات سے پاک رکھنے کے لئے اور اچھائیوں اور نیکیوں کو عام کرنے کے لئے مقرر کیا ہے وہ ہے مسلمانوں کا ایک دوسرے پر حق ہے کہ وہ اسلامی حکم کے مطابق محاسبہ کرے اچھائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے موضوع پر بہت سی قرآنی آیات ملتی ہیں جیسے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (۲۳)

ترجمہ: تم کیا اچھے گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو تم (لوگوں کو) اچھے کام کا تو حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو، اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی (اسی طرح) ایمان لاتے تو ان کے حق میں بہت اچھا ہوتا ان میں سے کچھ ہی تو ایمان دار ہیں اور اکثر بدکار۔

کہیں اسے اعمالِ صالح کا جزو قرار دیا گیا ہے جیسے:

يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔(۲۴)

ترجمہ: خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کا تو حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور یہی لوگ تو نیک بندوں سے ہیں۔

کہیں حضرت لقمانؑ کو اپنے فرزندوں کو نصیحتوں کے سلسلے میں اس عمل کا شوق دیا جا رہا ہے:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔(۲۵)

ترجمہ: اے بیٹا نماز پابندی سے پڑھا کرو اور (لوگوں سے) اچھا کام کرنے کو کہا کرو اور برے کام سے روکو اور جو مصیبت تم پر پڑے اس پر صبر کرو (کیونکہ) بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

دراصل اسلام چاہتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ظلم وستم نہ پھیلے اور معاشرہ ہلاکت سے دوچار نہ ہو اس لئے یہ احسن عمل مسلسل جاری رہنا چاہئے۔

اور سورۂ توبہ آیت نمبر ا۷ میں اس عظیم وظیفہ انجام دینے والوں سے خداوند متعال نے اپنی رحمت کا وعدہ بھی کیا ہے۔

وَ الْمُؤْمِنُونَ وَ الْمُؤْمِناتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِياءُ بَعْض يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقيمُونَ الصَّلاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكاةَ وَ يُطيعُونَ اللهَ وَ رَسُولَهُ أُولئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزيزٌ حَكيمٌ (۲۶)

ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی (دوست اور مددگار) ہیں وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ خدا عنقریب ان پر رحمت کرے گا بے شک خدا توانا وحکیم ہے۔

اس سلسلے میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

''نیکیوں کی دعوت دو اور بدیوں کی روک تھام کرو ورنہ شریر اور ظالم لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے اور اس وقت تم میں سے اچھے لوگ دعا کریں گے اور وہ دعا قبول نہ ہوگی'' (۲۷)

اتنا اہم فریضہ ہے برائیوں سے روکنا اور نیکیوں کو عام کرنا کہ اگر اس کام کے کرنے میں کوتاہی کریں گے تو نیک لوگوں کا حشر بھی معاشرے کے برے افراد کی طرح ہوگا حتی کہ پوری قوم کی ہلاکت کی وجہ بھی اس واجب سے روگردانی کا سبب ہوگی۔ جیسا کہ امام علیؑ کا مذھبی رہنماؤں کے سلسلے میں قول مبارک ملتا ہے:

''جو پہلی قومیں ہلاکت میں پڑیں اس کی وجہ فقط یہ تھی کہ وہ گناہ کرتے تھے اور ان کی مذہبی رہنما انہیں منع نہیں کرتے تھے'' (۲۸)

اور رسول اکرمؐ کی واضح ہدایات ہیں کہ اگر معاشرے میں افراد نیکیوں میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے تو زمین و آسمان میں کوئی ان کا مددگار نہ ملے گا۔

''میرے پیروکار ہمیشہ نیکی میں ہیں اور سعادت مند ہیں بشرط یہ کہ وہ اچھائیوں کی دعوت دیں اور برائیوں سے باز رکھیں اور نیکیوں میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو برکتیں ان سے لے لی جائیں گی اور بعض دوسرے ان پر تسلط حاصل کرلیں گے اور ان کے لئے زمین اور آسمان میں کوئی مدد نہ ہوگی'' (۲۹)

معاشرے کے بارے میں مفکرین کے نظریات

انسان فطری طور پر مدنی الطبع ہے بہت ساری قرآنی آیات خلقت کے اُس فلسفہ کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ اجتماعی طرز زندگی اس کی فطرت میں شامل ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (۳۰)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قوموں اور قبائل کی شکل دی تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو (نہ کہ نسل اور قومیت پر ایک دوسرے پر فخر کرو) تم میں سے زیادہ مکرم اور معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہو''

اس آیت میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ افرادِ انسانی مختلف قوموں اور قبائل کی صورت میں کیوں وجود رکھتے ہیں انسان کی پہچان اس کی اجتماعی زندگی پر منحصر ہے۔ اجتماعی یا معاشرتی زندگی اگر انسانی فطرت میں نہ ہوتی تو ان کا ایک دوسرے کو پہچاننا ممکن نہ ہوتا۔

ایک اور جگہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: وہ ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور انسانوں کے درمیان نسبی رشتے اور سببی رابطے قائم کئے تمہارا پروردگار قادر وتوانا ہے۔ (۳۱)

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ انسان کے نسبی رشتے اور سببی روابط فطرتِ انسان میں ودیعت کر دیئے گئے ہیں جو افراد کے اجتماع، معاشرہ کو تشکیل دیتے ہیں اور یہ معاشرت زندگی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کی یہ معاشرتی زندگی اس کی فطرت کے مطابق بھی ہے یا نہیں یا انسان کسی معاشرتی زندگی گزارے کہ اسے قلبی طمینان حاصل ہو جائے اور وہ اس کی فطرت کے عین مطابق ہو اس کے لئے مختلف مسلم اور غیر مسلم مفکرین کے نظریات دیکھتے ہیں۔

اسلام میں معاشرے کے ایک مسلمان فرد پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس لئے کہ اجتماعی زندگی کا مطلب ذمہ داریاں قبول کرنا ہے اسلامی کا ایک بڑا حصہ اسلام کی اجتماعی اور معاشرتی طور طریقوں اور نظام کی تشریح پر مشتمل ہے یہاں فرد کے لئے احکامات کے مقابلے میں انسان کے اجتماعی قوانین کہیں زیادہ ہیں۔ یہاں انسان کی

آزادیوں کی حدود مقرر ہوتی ہیں۔ اور قوانین معاشرہ کے تمام افراد کے لئے یکساں ہیں اسلام معاشرے میں ایک دوسرے کے احترام کا قائل ہے۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔

ترجمہ: اور لوگوں سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ (۳۲)

وَاعْبُدُوا اللهَ وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا۔ (۳۳)

ترجمہ: اور اللہ ہی کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، ماں باپ، قرابتداروں، یتیموں محتاجوں، رشتہ داروں، اجنبی پڑوسیوں، پہلو میں بیٹھنے والے مصاحبین، پردیسیوں اور اپنے زرخرید لونڈی غلاموں پر احسان کرو بے شک اللہ اکڑ کر چلنے والوں اور شیخی بازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

دینِ اسلام فقط چند عبادات و رسم و رواج کی بجا آوری کا نام نہیں ہے۔ حقیقت میں دین ایک ابدی نظام ہے جس میں عبادات کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرتی آداب اور سماجی مسائل سے بھی براہِ راست تعلق ہے۔ اس میں اخلاقیات، سماجیات، اقتصادیات، الٰہیات غرض تمام شعبۂ حیات کے لئے واضح ہدایات دی ہیں۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اعظم خاتم الانبیا محمد مصطفےؐ اور ان کے بعد ان کے اھلبیتؑ نے زندگی و بندگی کے ہر مرحلے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے لئے اس قدر واضح ہدایات جاری کی ہیں اور واضح کیا ہے کہ ہمیں اپنوں اور غیروں کے ساتھ کس قسم کی سماجی زندگی گزارنی چاہئے اگر تمام بنی نوع انسان ان ہدایات اور نظریات پر عمل پیرا ہو جائیں تو یہ دنیا جنت نظیر بن جائے اور اس دنیا میں ظلم و ناانصافی کا کوئی تصور باقی نہ رہے اور ہر طرف اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے۔

ان حضرات نے جو اہم ترین ہدایات فرمائی ہیں ان سے معتبر کتب کے دامن لبریز ہیں۔ یہاں ان کتابوں سے چند جواہر نکال کر اس تحقیقی مقالہ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد مبارک ہے:

جاملو الناس باخلاقکم تسلموا من غوائلهم وزايلوهم باعمالكم لئلا تكونوا منهم۔ (۳۴)

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ اپنے اخلاق کے ذریعہ اچھا معاملہ رکھو۔ اس طرح تم ان کی مصیبتوں سے بچے رہو گے اپنے اعمال کے ذریعہ ان سے دور رہو تا کہ ان میں شمار نہ کئے جاؤ۔

ایک اور جگہ رسولِ اعظمؐ کا عظیم قول ملتا ہے کہ:

احسن مصاحبة من صاحبك تكن مسلما۔ (۳۵)

ترجمہ: جو تمہارے ساتھ رہے تم اس کے ساتھ اچھے انداز میں رہو تو مسلمان کہلاؤ گے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ:

ليس منا من لم يحسن صحبة من صحبه وموانقة من رافقه، وممالحة من مالحه ومخالفة من خالفه۔ (۳۶)

ترجمہ: جو شخص اپنے ساتھی کے ساتھ اچھی طرح نہیں رہتا اپنے رفیق کا حقِ رفاقت ادا نہیں کرتا ساتھ کھانے والے کا پاس نہیں کرتا اور خوش خوئی کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت علیؑ کا قول مبارک:

خوانی الاخلاق تكشفها المعاشرة۔ (۳۷)

ترجمہ: پوشیدہ اخلاق کو معاشرت ہی ظاہر کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان النبی صلی الله علیه واله بینما هو ذات یوم عند عایشة اذا استأذن علیه رجل، فقال رسول الله صلی الله علیه و اله بئس اخوا لعشیرة فقامت عایشة و دخلت البیت فاذن رسول الله صلی الله علیه واله للرجل فلما دخل اقبل علیه رسول الله صلی الله علیه واله بوجهه و ببشره الیه یحدثه حتی اذا فرغ و خرج من عنده قالت عایشة یا رسول الله بینما انت اتذكر هذا الرجل بما ذكرت به اذا تبلت علیه بوجهك و بشرك ؟! فقال رسول الله صلی الله علیه واله عند ذلك ان من شرار عباد الله من تكره مجالسته لفحشه۔ (۳۸)

ترجمہ: ایک دن حضرت رسول خداؐ حضرت عائشہ کے پاس تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے اذن باریابی چاہا حضور پاکؐ نے فرمایا: اپنے قبیلہ کا برا شخص آیا ہے۔

حضرت عائشہ اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئیں اور حضورؐ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی جب وہ اندر پہنچ گیا تو حضور کریمؐ نے خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا اور اس سے باتیں کرنے لگ گئے۔

جب بات ختم ہوگئی اور وہ باہر چلا گیا تو حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپؐ نے تو اس شخص کے بارے میں ایسی باتیں کی تھیں۔لیکن جب وہ آ گیا تو آپؐ نے خندہ پیشانی و کشادہ روئی کے ساتھ اسے خوش آمدید کہا؟''

حضور پاکؐ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ اللہ کا بدترین بندہ وہ ہوتا ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے اس کے پاس ہم نشینی بُری لگے۔

مومن کی محبت کے سلسلے میں امام جعفر صادقؑ اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

صانع المنافق بلسانك واخلص ودك للمؤمن وان جالسك يهودی فاحسن مجالسته (۳۹)

ترجمہ: منافق کے ساتھ زبان سے بنا کر رکھو، مؤمن کے لئے اپنی محبت کو خالص کردو اور اگر یہودی تمہارے ساتھ بیٹھے تو اس کے اچھے ہم نشین بن جاؤ۔

بحار الانوار میں پانچویں امام محمد باقرؑ کا ایک قول ملتا ہے کہ:

لما اختضر امير المومنين عليه السلام جمع بنيه ... فوصاهم وكان فى اخر وصيته يا بنى عاشروا الناس عشرة ان غبتم حنوا اليكم وان فقدتم بكوا عليكم... (۴۰)

ترجمہ: جب حضرت امیر علیہ السلام کا وقت آخر نزدیک ہوا تو آپؑ نے اپنی اولاد کو اکٹھا فرمایا۔۔۔اور کچھ وصیتیں فرمائیں۔آخر میں فرمایا: اے میرے فرزندو! لوگوں سے ایسی معاشرت اختیار کرو کہ اگر تم ان میں موجود نہ ہو تو وہ تمہارے مشتاق ہوں اور اگر تم اس جہان میں نہ رہو تو وہ تم پر روئیں۔۔۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹوں کو اس طرح نصیحت فرمائی کہ:

(ومن وصايا لقمان لابنه): يا بنى لا تكالب الناس فيمقتوك، ولا تكن مهينًا فيضلوك ، ولا تكن حلوًا فيا كلوك، ولا تكن مرًّا فيلفظوك (ويُروٰى :ولا تكن حُلوًا فتُبلع ولا مرًّا فتُرمىٰ). (۴۱)

ترجمہ: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے فرزندِ عزیز! لوگوں سے کھلم کھلا دشمنی پر نہ اتر آنا، ورنہ وہ تمہارے دشمن ہوجائیں گے، ان کی توہین نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں راہِ راست سے ہٹادیں گے اس قدر میٹھا نہ بننا کہ تمہیں اپنا نوالہ بنالیں اور اتنا کڑوا بھی نہ بننا کہ تمہیں پھینک دیں (بروایتے اتنا میٹھا نہ بننا کہ تمہیں نگل جائیں اور اس قدر کڑوا نہ بننا کہ تجھے پھینک دیں)

صادق العلوم امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

کان امیر المؤمنین علیه السلام یقول: لتجمع فی قلبك الافتقار الی الناس و الاستغنا عنهم یکون افتقارك الیهم فی لین کلامك وحسن بشرك ویکون استغناؤك عنهم فی نزاهة عرضك و بقاء عزك۔ (۴۲)

ترجمہ: حضرت امیرالمومنینؑ فرمایا کرتے تھے: ''تمہارے دل میں لوگوں کی نیاز اور بے نیازی دونوں ہونی چاہیں ان کی طرف تمہاری نیاز نرم کلامی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ہو اور بے نیازی اپنی آبرو کی پاکیزگی اور عزت کی بقا کے ساتھ۔''

امام موسیٰ کاظمؑ نے حشام کو نصیحت کے طور پر فرمایا:

(من وصایا الکاظم علیه السلام لهشام): ان خالطت الناس فان استطعت ان لا تخالط احدًا منهم لا من کانت یدك علیه العلیا فانفل۔ (۴۳)

ترجمہ: ہشام کو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے نصیحت کے طور پر فرمایا: اگر لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہ رہے ہو تو اگر تمہارے بس میں ہو تو یوں کرو کہ صرف ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جن سے تمہارا ہاتھ بلند رہے (ان سے کچھ لینے کی بجائے انہیں کچھ دیا کرو)۔

اپنے چاہنے والوں کے لئے امامؑ کی خواہش یہ ہے کہ ان خصوصیات سے بہرہ مند ہوں:

ان المرء یحتاج فی منزله وعیاله الی ثلاث خلال یتکلفها وان لم یکن فی طبعه ذلك معاشرة جمیلة، وسعة بتقدیر وغیرة بتحصن۔ (۴۴)

ترجمہ: انسان کو اس گھر میں اور اہل خانہ میں تین کاموں کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی طبیعت نہ بھی چاہتی ہو پھر بھی مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ ۱۔ اچھی معاشرت ۲۔ مقدور بھر وسعت کے ساتھ خرچ اور ۳۔ چادر و چاردیواری کی حفاظت کر کے غیرت کا اظہار۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

اجعل نفسك ميزانًا فيما بينك و بين غيرك و احب لغيرك ما تحب لنفسك و اكره له ماتكره لها ، لاظلم كمالا تحب ان تظلم وحسن كما تحب ان يحسن اليك واستقبح لنفسك ما تستقبحه من غيرك وارض من الناس ماترضى لهم منك۔ (۴۵)

ترجمہ: اپنے اور دوسرے کے درمیان ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو یعنی جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرو اور جو اپنے لئے نہیں چاہتے وہ دوسروں کے لئے بھی نہ چاہو۔ جس طرح یہ چاہتے ہو کہ تم پر زیادتی نہ ہو یونہی دوسروں پر بھی زیادتی نہ کرو حسن سلوک سے پیش آؤ، دوسروں کی جس چیز کو برا سمجھتے ہو وہ اگر تم مٔیں ہو تو بھی اسے برا جانو اور لوگوں کے ساتھ تمہارا جو رویہ ہو اسی رویہ کو اپنے لئے بھی درست سمجھو۔

معاشرہ کے کن افراد کے ساتھ رہن سہن کرنا چاہیے تاکہ بہترین معاشرت حاصل ہو جائے اس کے لئے حضرت علیؑ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

۱: عمارة القلوب فى معاشرة ذوى العقول۔ (۴۶)

ترجمہ: صاحبانِ فضیلت کے ساتھ معاشرت اختیار کرو، سعادت مند اور شریف بن جاؤ گے۔

۱: عاشر اهل الفضل تسعد و تنبل۔ (۴۷)

ترجمہ: عقل مندوں کے ساتھ رہن سہن رکھنے سے دل آباد ہوتے ہیں۔

دیگر مفکرین کے نظریات

مفکرین کے نزدیک معاشرے کے طور طریقوں اور معاشرتی اقدار سیکھنے کا عمل کو معاشرتی تربیت یا Socialization کہتے ہیں جس کی بدولت فرد میں معاشرے کے قوانین اور اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ Hillgard کے مطابق۔

Socialization means the process by Which an individual leans to satisfy his needs in Socially acceptable way , to more within the rules of his society and to share in his society's values.(48)

ماہرین نفسیات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی فرد بھی اس وقت تک بالغ اور پختہ نہیں ہوتا جب تک وہ بالغانہ رجحانات، رویے، انداز، عقیدے کا اظہار اور اس تمدن کا علم نہ حاصل کرے جس میں وہ رہتا ہے۔ ورنہ اس کے لئے معاشرتی مطابقت بہت دشوار گزار مرحلہ ہوجاتا ہے۔

جیسے: Bigge and Hunt کا کہنا ہے کہ

Socialiazation is a process by which a person develop from a more biological organism.As at birth, to an attequateeanlive adult human person. Socialization means learning the ways of a culture No one is regarded as fully grown, in a psychological seense, Until he learns , to display a measure of the prevalling adult attitudes, values, beliefs and knowledge of the subculture to which he belongs.(49)

معاشرتی تربیت کے ذریعے انسان اس لائق بن جاتا ہے وہ ایک خوشگوار زندگی گزارے۔ لوگوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کرے اور لوگوں کے دل فتح کرے افراد کے سیرت و کردار کی بہتر نشونما کے لئے معاشرتی روایات اور قدروں کا جاننا بہت ضروری ہے۔

ماہرنفسیات Hill Gurd کا کہنا ہے کہ ''معاشرتی نشونما سے مراد اسے شعور کی نشونما ہے جس کے ذریعے فرد اپنی ضروریات کی تسکین معاشرتی قدروں کے مطابق کرتا ہے اور معاشرتی قدروں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے''۔(۵۰)

کرو اینڈ کرو کے مطابق:

According to Crow & Crow. "Social development is the progressive improvement of the individual, through directed activity in the comprehension of the Social herilage and flexible behaviour patterns." (51)

بہترین نظریہ ہے جس کے مطابق انسان براہِ راست معاشرے میں جن سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے اور زندگی کے مختلف موڑ پر جو اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے اور ان میں لوگوں کے رویوں سے جو لچک نظر آتی ہے وہ اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتی چلی جاتی ہیں اور وہ بہترین شخصیت کے روپ میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

Psychology in learrning میں ہنری۔ پی اسمتھ H.P Smith معاشرتی سرگرمیوں کا اس طرح احاطہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

"Social grouth is the result of social functioning under the particular set circumtances "(52)

یعنی معاشرتی نشونما سے مراد ایک مخصوص ماحول میں فرد کی معاشرتی سرگرمیاں ہیں۔ یا ماحول کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہی اس کی معاشرتی نشونما ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف کے نزدیک:

''معاشرتی نشونما فرد کی وہ ترقی بخش نشونما ہے جو معاشرے کے اصولوں ثقافتی ورثے اور اقدار کے تحت ہو''(۵۳)

انسان معاشرے میں بہترین معاشرتی اوصاف جیسے معاشرے میں رہنے کی طریقے، اتحاد، ہمدردی، تعاون، درگزر، مساوات، رواداری، ایثار، قربانی، سخاوت، کے ذریعے ہی مطابقت حاصل کرسکتا ہے۔

باب سوم

حیات انسانی میں معاشرے کا تصور

خلاصہ

انسان فطری طور پر اجتماعی زندگی گزارنا چاہتا ہے کیونکہ مختلف افراد مختلف فراد کے گروہ ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ انسان کے اندر کچھ ایسی پوشیدہ صلاحیتیں بھی موجود ہیں جو اجتماعی زندگی کے بغیر بروئے کار نہیں لائی جاسکتی پس یہ ضرورتیں اور صلاحیتیں بھی انسان کو اجتماعی زندگی گزارنے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔
مختلف مفکرین نے معاشرے کو جسم سے تشبیہ دی ہے جس طرح جسم میں مختلف اعضا اپنا اپنا مخصوص کام انجام دیتے ہیں اسی طرح معاشرے میں مختلف افراد مختلف امور انجام دیتے ہیں جس کی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے معاشرے افراد اور گروہ کے درمیان تعلقات کا نظام ہے۔

انسان تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عزت وشرف کا پیکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ طاقتوں اور صلاحیتوں سے نوازہ ہے اور ان فطری صلاحیتوں اور کی نشونما اور تکمیل کے لئے اجتماعی ماحول کی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی روحانی اور جسمانی ترقی وخوشحالی ممکن نہیں۔ جس معارے میں افراد اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کا اور دوسروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھیں گے ان کے ہی جذبات وخیالات نہ صرف انھیں کمال انسانیت سے سرفراز کریں گے بلکہ خود فرد کی زندگی کے لئے ایک صحت مند ماحول کی تشکیل میں بھی مددگار ثابت ہوں گے اور انسان فضیلتوں سے اپنی شخصیت کو نکھارتا چلا جائے گا۔

اسلام نے روز اول سے ہی معاشرے کی امن وسلامتی اور نیکی وبھلائی کا خیال رکھا ہے اور اس کی تطہیر اور سلامتی کے لئے انبیا کرام اور رسولوں کا سلسلہ قائم کیا جنہوں نے اپنے قول وفعل اور عمل کے ذریعے ایک ایسا ابدی نظام دنیا والوں تک پہنچایا جس میں عبادات کے ساتھ ساتھ، معاشرتی آداب، اخلاقیات، اقتصادیات، سماجیات غرض تمام شعبۂ حیات کے لئے واضح ہدایات موجود ہیں۔ اس کے نزدیک معاشرہ انسانی فضائل وکمالات کی پرورش گاہ ہے جہاں ہر فرد اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ایک دوسرے سے تعاون وہمدردی کا تقاضہ کرتا ہے۔ جہاں سب انسانیت

کی خدمت کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اس سلسلے میں رسول اعظم حضرت محمد مصطفیؐ اور ان کے بعد اھلبیتؑ نے زندگی اور بندگی کے ہر مرحلے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے لئے اس قدر واضح ہدایات جاری کی ہیں کہ اگر تمام بنی نوع انسان ان ہدایات اور نظریات پر عمل پیرا ہو جائیں تو دنیا سے ظلم و ستم اور ناانصافی ختم اور ہر طرف سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اور یہ دنیا جنت نظیر بن جائے۔

معاشرتی شعور پیدا کرنے کے لئے اور انسان کو اس لائق بنانے کے لئے کہ معاشرے میں کامیاب زندگی گزارے اس کی معاشرتی تربیت ہونا بہت ضروری ہے جس کے لئے معاشرے میں مختلف قسم کے رسمی اور غیر رسمی ادارے موجود ہوتے ہیں جو فرد بالواسطہ یا بلاواسطہ اثرات مرتب کرتے ہیں اور فرد کو گروہی کردار کے لئے تیار کرتے ہیں اور بہترین معاشرتی اوصاف سے انسان اپنے آپ کو آراستہ کرتا چلا جاتا ہے۔

باب سوم

حیات انسانی میں معاشرے کا تصور

حوالہ جات

۱۔مرتضیٰ مطہری علامہ۔سخن۔صفحہ ۴۴۰۔جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان ۔ ۲۰۰۴ء

۲۔ساجد حسین سید۔تعلیمی عمرانیات۔صفحہ ۱۰۱۔رہبر پبلیشرز کراچی ۔ 1991ء

۳۔ساجد حسین سید۔تعلیمی عمرانیات۔صفحہ ۱۰۱۔رہبر پبلیشرز کراچی ۔ ء

۴۔سید مجتبیٰ موسوی آیت اللہ۔انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار صفحہ ۲۳۹ دار الثقافۃ اسلامیہ پاکستان ۔ ۱۹۹۵ء

۵۔سید مجتبیٰ موسوی آیت اللہ۔انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار صفحہ ۲۴۱ دار الثقافۃ اسلامیہ پاکستان ۔ ۱۹۹۵ء

۶۔محمد یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی۔صفحہ ۳۹۰۔ظفر شمیم پبلیشرز ٹرسٹ کراچی ۔ ۱۹۸۹ء

۷۔القرآن۔۰۹:۵۹

۸۔القرآن۔۱۷۷:۵۲

۹۔سید رضی۔نہج البلاغہ کلمات قصار نمبر ۴۰۶ صفحہ ۱۹۳۶ امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۰۔محمد یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی صفحہ ۳۹۱۔ظفر شمیم پبلیشرز ٹرسٹ کراچی ۔ ۱۹۸۹ء

۱۱۔محمد یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی جلد ۳۔صفحہ ۱۶۴۔ظفر شمیم پبلیشرز ٹرسٹ کراچی ۔ ء

۱۲۔محمد یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی جلد ۲۔صفحہ ۱۹۸۔ظفر شمیم پبلیشرز ٹرسٹ کراچی ۔ ء

۱۳۔ IVOR-MORRISH-Sociological of Education .pg.162.Unwin Hyman Publisher-London

۱۴۔سید ساجد حسین۔تعلیمی عمرانیات صفحہ ۴۸ رہبر پبلیشرز کراچی ۔ 1991ء

۱۵۔سید ساجد حسین۔تعلیمی عمرانیات صفحہ ۴۸ رہبر پبلیشرز کراچی ۔ 1991ء

۳۵۔ باقر مجلسی علامی۔ بحارالانوار۔ جلد ۶۹۔ صفحہ ۳۴۸ داراحیاالتراث لعربی بیروت۔ لبنان

۳۶۔ باقر مجلسی علامی۔ بحارالانوار۔ جلد ۴۷۔ صفحہ ۱۴۱ داراحیاالتراث بیروت۔ لبنان

۳۷۔ محمدی ری شہری آیت اللہ۔ میزان الحکمت جلد نمبر ۶۔ صفحہ ۴۹۰ مصباح الہدی پبلیشرز لاہور ۔ ۲۰۱۱ ء

۳۸۔ مرزا حسین نوری۔ مستدرک الوائل الشیعہ جلد نمبر ۸ صفحہ ۴۲۹ ۱۳ اسماعیلیان قم۔

۳۹۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۴۰۔ صفحہ ۱۵۲ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۰۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۴۶۔ صفحہ ۲۴۷ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۱۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۱۳۔ صفحہ ۴۲۹ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۲۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۴۷۔ صفحہ ۱۵۸ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۳۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۸۷۔ صفحہ ۳۱۰ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۴۔ باقر مجلسی علامہ۔ بحارالانوار جلد نمبر ۸۷ صفحہ ۲۳۶ داراحیاالتراث العربی بیروت۔ لبنان

۴۵۔ سیدرضی۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب نمبر ۳۱۔ امامیہ کتب خانہ۔ لاہور۔ پاکستان

۴۶۔ عبدالواحد ابن محمد۔ غرار الحکم۔

۴۷۔ محمدی ری شہری آیت اللہ۔ میزان الحکمت۔ جلد ۶ صفحہ ۴۹۰ مصباح الہدیٰ پبلیشرز لاہور ۔ ۲۰۱۱ ء

۴۸۔ Hillgard Introduction to educational Psychology Donald G Marquis Published .U.S.A

۴۹۔ Biggs & Hunt Psychological Foundation of education pg 84 Harper brothers publishers New York

۵۰۔ ساجد حسین سید۔ نفسیات وتعلیم۔ صفحہ ۱۶۷ رہبر پبلیشرز۔ کراچی پاکستان

۵۱۔ Crow & Crow. Educational Pschology American Book & Company U.S.A

۵۲۔ H.P Smith .Pschology in teaching pg 156 (1961) U.K. Publishers .

۵۳۔ Abdul Raouf Doctor, Dynamic educational pschology rerely available in U.K

باب چہارم
انبیا کرام اور آئمہ طاہرین کے ذریعے
اصلاح معاشرہ

انسان ہدایت کا محتاج ہے:

''ہدایت'' اور ''ہادی'' کے معنی ہیں رہنمائی کرنا، راستہ دکھانا، ہدایت پانا جو ضلالت و گمراہی کے برعکس ہے انسان اپنی پیدائش سے ہی ہدایت کا محتاج ہے کیونکہ جب وہ اس دنیا میں آتا ہے تو وہ ایک مسافر کی مانند ہوتا ہے جو راستہ سے نہ بلد ہوتا ہے اور جب تک کوئی اس کی رہنمائی نہ کرے وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں کئی کئی مقامات پر اس لفظ کو مختلف صیغہ میں استعمال کیا گیا ہے پروردگارِ عالم سورۂ فاتحہ میں جو ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں ارشاد فرماتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱)

ترجمہ: تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ۔

مترجم و مفسر قرآن کریم مولانا حافظ فرمان علی اعلی اللہ مقامہ ہدایت کے معنی کے بارے میں فرماتے ہیں یہاں ہدایت کے معنی اگرچہ مشہور دو ہی ہیں (۱) راہ دکھانا (۲) منزلِ مقصود تک پہنچانا اور مترجمین نے عام طور سے اس مقام پر معنی اول کو اختیار کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہاں پر دونوں معنوں میں سے کوئی معنی صحیح نہیں ہیں کیونکہ اگر معنی اول اختیار کریں اور یوں کہیں کہ ''خداوندا ہمیں سیدھی راہ دکھا تو معلوم ہوگا کہ اس کا پڑھنے والا ابھی تک راہ راست سے دور ہے پہنچنا کیسا ابھی دیکھا تک نہیں اور اگر

دوسرے معنی کو اختیار کریں اور یوں کہیں کہ '' خدایا ہمیں سیدھی راہ تک پہنچا'' تو بھی وہی خرابی ہے اس کے علاوہ راہِ راست سے مراد (یقیناً ایمان و اسلام ہے۔پس جب پڑھنے والا مومن ہے تو پھر بعد حصول ایمان، ایمان طلب کرنا تحصیل حاصل ہوگا اور یہ محال ہے اس لئے میں نے تو دونوں معنی ترک کر کے مذکورہ بالا معنی اختیار کئے ہیں (۲)

پس ہم جو نماز میں اس سورہ میں اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں دعا کے طور پر اس سے ایک ہدایت یافتہ انسان کی مراد ہدایت میں اور زیادتی کی خواہش کارفرما ہوتی ہے جیسا کہ پروردگار کا ارشاد ہے:

وَيَزِيْدُ اللهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدىً (۳)

ترجمہ: جو لوگ راہِ راست پر ہیں خدا ان کی ہدایت اور زیادہ کرتا جاتا ہے

اسی طرح اس سے مراد ہدایت سے وابستہ و پیوستہ رہنے کے معنی بھی لئے جاتے ہیں حضرت علیؑ سے ایک قول نقل ہوا ہے حضرتؑ فرماتے ہیں:

اِهْدِنَا ثَبِّتْنَا (۴)

ترجمہ: یعنی ہم کو راہِ راست پر مستحکم و ثابت قدم رکھ۔

بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہماری آئندہ بھی ہدایت فرما جیسا کہ گذشتہ زمانے میں کرتا رہا ہے۔

ہدایت تکوینی

ہدایت تکوینی اور عمومی وہ ہے کہ جس کو خداوندِ کریم نے عقل و فہم فکر و وجدان و غرائز کے ذریعے انسان اور حیوان کے وجود میں ودیعت فرمائی اور ان کو زندگی کا سلیقہ اور تدبیر کے راستوں کی آگاہی کے لئے ہدایت فرمائی ایک چیونٹی کی نظامِ زندگی سے اسی طرح آشنا ہے جیسے ایک متمدن انسان آشنا ہے لیکن انسان ازل سے اپنی زندگی کی راہوں کو اچھائی و برائی، عدل و ظلم، مددگاری و اذیت پسندی وغیرہ تکوینی طور پر جانتا ہے اور ہدایت یافتہ ہے ارشادِ قدرت ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعطٰی کُلَّ شَیئٍ خَلَقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (۵)

ترجمہ: (موسیٰ) نے کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے لئے (مناسب) صورت عطا کی پھر اسی نے (زندگی بسر کرنے کے) طریقے بتائے۔

لفظ ''کل شی'' میں تمام مخلوقات شامل ہیں حتی کہ جمادات بھی اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام کے تمام شعور رکھتے ہیں اور اپنے کمال کے راستوں کے ہدایت یافتہ ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ تمام مخلوقات خداوندِ کریم کی تسبیح میں مشغول ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم ان کی تسبیح سے واقف نہیں ہیں۔

پروردگار کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِنْ شَیئٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لاَ تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (۶)

ترجمہ: اور (سارے جہان میں) کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد (وثنا) کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم لوگ تسبیح نہیں سمجھتے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔

ایک اور سورۂ اعلیٰ جس میں ولایتِ تکوینی کی طرف اشارہ ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی O وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (۷)

ترجمہ: (وہ خدا) جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور درست کیا اور جس نے (اس کا) اندازہ مقرر کیا پھر ہدایت کی۔

ہدایتِ تشریعی

ہدایتِ تشریعی وخاصہ وہ ہے جو انبیا علیہم السلام اور ان پر نازل کتب آسمانی کے ذریعے سے کی گئی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۸)

ترجمہ: اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو سیدھا راستہ دکھا دیا مگر ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو پسند کیا۔ ایک اور مقام پر سورۂ بقرہ میں پروردگار کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۹)

ترجمہ: اور خدا جس کو چاہے راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

خاص لوگوں کی ہدایت سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ پروردگارِ عالم کی مورد نظر یہ ہدایت خاص اور ہدایت تشریعی ہے۔

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۱۰)

ترجمہ: اور اس کو (اچھی بری) دونوں راہیں بھی دکھا دیں۔

اسی طرح ایک اور آیت میں ہدایت خاص کا ذکر ہے:

اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (۱۱)

ترجمہ: ہم نے اس کو راستہ بھی دکھا دیا (اب وہ) خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا ہو۔

انسان حقیقت میں ہدایت کا محتاج ہے اور اس کی ہدایت کی ذمہ داری خود پروردگار نے لی ہے جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (۱۲)

ترجمہ: بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

خالقِ کائنات نے اس آیت میں یہ واضح کر دیا کہ انسان کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث فرمائے ہر زمانے ہر دور میں رب العزت نے ہدایت کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے ہادی اور رہنما منصوب کئے اور انسانیت کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہ گذرا جس میں زمین حجتِ خدا سے خالی رہی ہو۔ یعنی یہ ہدایت تشریعی ایک فیض مسلسل ہے جو جاری وساری ہے بشرط یہ کہ انسان اس ہدایت کو قبول کرے اس لئے کہ یہ ہدایت اجباری نہیں اکراہ کی صورت میں نہیں بلکہ پروردگار عالم نے انسان کو دنیا میں مختار بنا کر بھیجا اور اسے راستہ بھی بتا دیا اب یہ خود انسان پر منحصر ہے کہ وہ اس

ہدایت جیسی نعمت پر شکر ادا کرتا ہے یا کفر کرتا ہے اگر ہدایت لینے والا رہنمائی حاصل کرنے پر آمادہ ہے تو یقیناً ہادی آخری منزل تک رہنمائی کے لئے تیار ہے وہ ضرور راستے سے آگاہ کرتا رہے گا ہدایت فیوض و برکات الٰہی میں سے ہے اور یہ جاری بھی رہ سکتی ہے اور اس ہدایت کا سلسلہ منقطع بھی ہوسکتا ہے اور اس کا جاری رہنا بھی انسان کے اعمال پر ہے اس کی مثال اس بلب کی ہے جو برقی لہروں سے روشن رہتا ہے جہاں برقی لہروں کا سلسلہ منقطع ہوا وہ بلب بجھ جاتا ہے اپنی روشنی کھودیتا ہے اس لئے کہ وہ طاقت وتوانائی نہ رہی جو اسے روشن رکھتی ہے۔

علی ہذا القیاس انسان کو ہر آن اپنے خالق حقیقی کی ہدایت درکار ہے اور وہ اس کا محتاج ہے ہر لحظہ انسان اپنے پروردگار عالم کی ہدایت کا طالب ہے ایک لمحہ کے لئے بھی اس نے اگر ذاتِ حق کو ناراض کیا اور خداوند کریم کی جانب سے ہدایت کا سلسلہ منقطع ہوا اور بندہ ضلالت اور گمراہی کے گڑھے میں اوندھے منہ جا گرے گا کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کا خاص لطف وکرم ہے جس کے ذریعے وہ اپنے خاص بندوں کو اپنی حکمت بالغہ وقدرت کاملہ کے طفیل ہدایت کے اسباب فراہم فرماتا ہے تاکہ انسان درجہ کامل حاصل کرلے اور اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرلے۔ اگر پروردگار اپنے لطف وکرم سے اپنی ہدایت خاصہ کے ذریعے انسانوں کی ہدایت واصلاح نہ فرمائے تو انسان گمراہی کی گھاٹی میں جا گرے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ (۱۳)

ترجمہ: اسی نے ایک فریق کی ہدایت کی اور ایک گروہ کے (سر پر) گمراہی سوار ہوگئی۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۱۴)

ترجمہ: (اے رسولؐ) تم کہو کہ اب (تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں) خدا تک پہنچانے والی دلیل خدا ہی کے لئے خاص ہے پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کی ہدایت کرتا۔

وہ لوگ جن کی خدا ہدایت نہیں کرتا

انسانوں کی بعض اقسام وہ ہیں جن کی پروردگار ہدایت نہیں کرتا ان کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے:

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرُ واللهُ لَایَهْدِیْ الْقَوْمَ الظّٰالِمِینَ (۱۵)

ترجمہ: پس وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا (مگر ایمان نہ لایا) اور خدا ظالموں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتا۔

اسی طرح ایک اور مقام پر سورۂ بقرہ میں ارشاد رب العزت ہے:

لَایَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْئٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللهُ لَایَهْدِیْ الْقَوْمَ الْكَافِرِیْنَ(۱۶)

ترجمہ: اور ریا کار اپنی اس خیرات یا اس کے ثواب میں سے جو انہوں نے کی ہے کسی چیز پر قبضہ نہ پائیں گے (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور خدا کافروں کی ہدایت (کر کے) منزل مقصود (تک) نہیں (پہنچایا) کرتا۔

سورۂ مائدہ میں ایک اور قسم کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا اللهَ وَاسْمَعُوْا وَاللهُ لَایَهْدِیْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ(۱۷)

ترجمہ: مسلمانو! خدا سے ڈرو اور (جی لگا کے) سن لو اور خدا بدچلن لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

خدا خیانت کرنے والوں کی بھی ہدایت نہیں کرتا ارشاد قدرت ہے:

اَنَّ اللهَ لَایَهْدِیْ كَیْدَ الْخَائِنِیْنَ(۱۸)

ترجمہ: اور خدا خیانت کرنیوالوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خداوندِ کریم، ظالموں، کافروں، فاسقوں اور خیانت کاروں کی ہدایت نہیں کرتا حالانکہ وہ ہدایت کے محتاج ہیں۔ جب کہ پروردگار فرما رہا ہے کہ میں ان کو راہِ راست کی ہدایت نہیں کرتا اس کی کیا وجہ ہے۔

مذکورہ پہلی آیت قوم ابراہیمؑ کے حوالے سے ہے وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ پر ظلم روا رکھے ہوئے تھے اور ظلم میں ہدایت نہیں ہوتی یعنی وہ ظلم کے راستہ پر گامزن تھے اور ظلم بے راہ روی کو کہتے ہیں اور خدا نے گمراہ لوگوں کی ہدایت نہیں کی۔ دوسری آیت میں پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ تم لوگ تقویٰ اختیار کرو اور حق کو اپناؤ اس لئے کہ خدا

فاسقوں کی ان کے گناہوں کی وجہ سے ہدایت نہیں کرتا۔

ایک ہدایت اسے کہتے ہیں کہ انسان کو منزل مقصود تک پہنچانا اور ایک یہ کہ راستہ دکھلانا رسولؐ کی ذمہ داری صرف راستہ دکھلانا ہے نہ یہ کہ منزل تک پہنچانا ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَآءُ (۱۹)

ترجمہ: (اے رسولؐ) ان کو منزلِ مقصود تک پہنچانا تمہارا فرض نہیں (تمہارا کام) صرف راستہ دکھانا ہے مگر ہاں خدا جس کو چاہے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآنی استدلال کے ذریعے تذکرہ کیا کہ ہدایت کی ذمہ داری خداوندِ کریم پر ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے لہذا جب ہدایت کی ذمہ داری اس کی ہے تو ضروری ہے کہ ہادی بھی اسی کی جانب سے معین اور مبعوث ہو۔ پروردگارِ عالم نے کیونکہ ہدایت انسانی کی ذمہ داری خود لی چنانچہ اس نے ہر قوم میں اپنے معصومینؑ کی شکل میں ہادی مقرر فرمائے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۲۰)

ترجمہ: ہر قوم کے لئے ایک ہادی و رہنما ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح و روشن ہوگئی کی فیض ہدایت ہر قوم و ملت کے لئے جاری و ساری رہا جہاں پر بھی گروہ و جماعت یا امت کا اطلاق ہوتا ہے وہاں پروردگار نے اپنے نمائندے ہادی کی شکل میں بھیجے اور اس کے ثبوت کے طور پر ہم مزید آیات یہاں نقل کر رہے ہیں۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۲۱)

ترجمہ: اور کوئی امت (دنیا میں) ایسی نہیں گذری کہ اس کے پاس (ہمارا) ڈرانے والا (پیغمبرؐ) نہ آیا ہو۔

اس آیت سے بھی اس چیز کا اندازہ ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے کسی بھی امت کو بغیر ہدایت کے نہیں چھوڑا اس لئے کہ اگر کسی امت میں ہادی موجود نہ ہو تو وہ مکلف کیسے ہوسکتی ہے اور قیامت کے دن وہ شکایت کرے گی کہ ہمارا تو کوئی رہنما نہیں تھا جو ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتا اور اس پر باقی رکھتا۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں بیان ہوا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۲۲)

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت میں ایک (نہ ایک) رسول اس بات کے لئے ضرور بھیجا کہ لوگوں خدا کی عبادت کرواور بتوں (کی عبادت) سے بچے رہو۔

غرض یہ کہ مذکورہ آیات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ہر قوم، ملت اور امت کے لئے پروردگار عالم نے ہدایت کا انتظام کیا روئے زمین پر جہاں بھی انسان کا وجود ہے وہاں ہادی بھیجا گیا اور یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے روئے زمین پر کوئی انسان موجود نہیں تھا اس کے باوجود خداوند کریم نے ہدایت کا انتظام حضرت آدمؑ کی خلقت کی صورت میں کیا سورۂ اعراف میں پورا قصہ آیات کی شکل میں موجود ہے ہم اختصار کی وجہ سے بیان نہیں کرر ہے ہم اپنے مطلب کوایک آیت نمونہ کے طور پر یہاں پیش کر دیتے ہیں۔

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ (۲۳)

ترجمہ: اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تمہی میں کے پیغمبر نہیں آئے جو تم سے ہماری آیتیں بیان کریں اور تمہیں تمہارے اس روز (قیامت) کے پیش آنے سے ڈرائیں وہ سب عرض کریں گے (بیشک آتے تھے) ہم خود اپنے اوپر آپ (اپنے خلاف) گواہی دیتے ہیں (واقعی دنیا کی (چندروزہ) زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا اور ان لوگوں نے اپنے خلاف آپ گواہی دی کہ بیشک یہ سب کے سب کافر تھے۔

پس مذکورہ آیت اور اس سے پہلے کی آیات سے معلوم ہوا کہ رب ذوالجلال نے ہر انسان کے لئے رہنما بھیجے چاہے وہ کافر ہوں مشرک، منافق ہوں یہ اور بات ہے کہ انہوں نے نہ ہادی کو قبول کیا اور نہ ہدایت کو قبول کیا اور گمراہی میں زندگی گذاری اور یہی لوگ آخرت میں خسارے میں ہوں گے۔

بہر حال ہر دور میں مختلف عقائد ونظریات کے حامل انسان رہتے ہیں بعض نے ہدایت کو اپنایا اور سیدھے راستے پر گامزن ہوگئے اور نجات پائی اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے ان کے درمیان انبیا ورسل مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی کوئی قدر نہیں کی جیسے بنی اسرائیل کی قوم میں سینکڑوں انبیا بھیجے گئے لیکن ان انبیا کو قتل کیا جاتا رہا۔ ہر انسان کی ہدایت اور تربیت کے لئے انبیا کا مبعوث ہونا بے حد ضروری ہے اس لئے کہ انسان کی فطرت میں اختلاف وفساد پایا جاتا ہے جس کی اصلاح نہایت اہم ہے تاکہ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل ہو سکے اور انحرافات کا خاتمہ ہو سکے

یہاں ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں جو انبیا کے دور سے خالی رہا ہو یا ہدایت کے بغیر رہا ہو اور کوئی ہادی موجود نہ ہو تو پھر ان انبیا کے اسما گرامی اور اوصاف کیوں بیان نہیں کئے گئے جو دور افتادہ مکانات میں جا کر ہدایت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ضروری نہیں کے قرآن میں تمام انبیا کا تذکرہ ہو چند پیغمبروں کا ذکر پروردگارِ عالم نے اپنے کلام بلاغت میں فرمایا ہے جیسے سورہ انبیا میں بیان ہوا کہ:

وَرُسُلاً قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلاً لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ (۲۴)

ترجمہ: اور بہت سے رسول (بھیجے جن کا حال ہم نے تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے (ایسے) رسولؐ (بھیجے) جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔

اور اسی طرح سورۂ مومن میں ارشاد وقدرت ہو رہا ہے:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلاً مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَيۡكَ (۲۵)

ترجمہ: اور تم سے پہلے بھی ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان کر دیئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تم سے نہیں دہرائے۔

اوپر درج کی گئی آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن تمام انبیا کے نام اور خصوصیات بیان کرے یہ عقل سے ماورا مطالبہ ہے جو تمہیں ہے اور روایات میں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کا تذکرہ ملتا ہے بعید ہے کہ وہ صرف جزیرۃ العرب، مشرق وسطیٰ کے لئے مبعوث کئے گئے ہوں یقیناً اس کرہ ارض پر اور بھی انسان رہتے ہوں گے جن تک انبیا کی ہدایت پہنچی ہوگی۔

انبیا و آئمہ علیہم السلام کے وظائف

ہم نے اس باب کی پہلی فصل میں وضاحت سے بیان کر دیا کہ انسان ہدایت کا محتاج ہے وہ کسی ہادی کے بغیر اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس چیز کو حضرت علیؑ نے اپنے پہلے خطبے میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

پھر اللہ نے آدمؑ کے لئے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انھیں رحمت کے کلمے سکھائے، جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انھیں دارابتلاو محل افزائش نسل میں اتار دیا اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیا چنے وہیں پر ان سے عہد و پیمان لیا۔ تبلیغِ رسالت کا انہیں امین بنایا، جب کہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حق سے بے خبر ہو گئے۔ اوروں کو اس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انھیں روگرداں اور اس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے اور لگا تار انبیا بھیجے تا کہ ان سے فطرت کے عہد و پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی رحمتیں یاد دلائیں۔ پیغام ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور انہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں پر بلند بام آسمان، ان کے نیچے بچھا ہوا فرش زمین، زندہ رکھنے والا سامان معیشت۔ فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے در پے آنے والے حادثے۔ (۲۶)

مذکورہ خطبہ کے اس جز میں حضرتؑ انبیا کی بعثت اور وظائف کا ذکر فرما رہے ہیں کہ کس طرح حضرت آدمؑ سے یہ سلسلے شروع ہوا اور خداوندِ عالم نے ان سے عہد و پیمان لئے اور ان کو تبلیغِ رسالت کی ذمہ داری سونپی جب کہ لوگوں نے شرک کیا اور پیغمبروں کی تکذیب کی اس کے باوجود پروردگارِ عالم انبیا کو بھیجتا رہا تا کہ اپنی حجت کو تمام کرے۔ چنانچہ انبیا اپنے وظائف انجام دیتے رہے جن کا انہوں نے عہد و پیمان کیا تھا کہ وحی الٰہی کے ذریعے لوگوں کو اصول دین، فروعِ دین سے آگاہ کریں گے شریعتوں اور احکامِ خداوندی کی تبلیغ کریں گے جیسا کہ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (۲۷)

ترجمہ: اور (اے رسولؐ) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے (اور) پیغمبروں سے اور خاص تم اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے عہد و پیمان لیا اور ان لوگوں سے ہم نے سخت عہد لیا تھا۔

مذکورہ آیت میں ایک بات واضح نظر آتی ہے خدا نے اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے اور اس کو پھیلانے کی پوری کوشش کرنے کے لئے اور جو امانت انہیں سونپی گئی ہے اس میں ذرہ برابر بھی خیانت نہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری و وظائف کو کماحقہ پورا کرنے کے لئے مبعوث فرمایا اور قرآن مجید میں صرف چیدہ چیدہ انبیا و مرسلین کا تذکرہ کیا تمام کو ذکر نہیں کیا بلکہ ان پانچ کے نام ذکر کر کے ان کی اہمیت اور فضیلت کو اجاگر کیا۔

حضرت علیؑ نے مذکورہ بالا خطبہ اول کے جز میں انبیا کے عہد و پیمان لینے کے حوالے سے فرمایا:

وَاصْطَفٰى سُبْحَانَهُ مِنْ وُّلْدِهٖ اَنْبِيَآءَ اَخَذَ عَلَى الْوَحِىِ مِيْثَاقَهُمْ وَعَلٰى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ اَمَانَتَهُمْ (۲۸)

ترجمہ: اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیا چنے وحی پر ان سے عہد و پیمان لیا تبلیغ رسالت کا انہیں امین بنایا۔

حضرت آدمؑ سے جو نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ مختلف انبیا کی صورت میں جاری رہا حضرت آدمؑ نے اپنی قوم کو حضرت نوحؑ کی نبوت کی خوشخبری دی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایک نبی بھیجے گا جس کا نام نوحؑ ہے اور وہ اپنے پروردگار کی جانب لوگوں کو بلائے گا لیکن ان کی قوم ان کو جھٹلائے گی ان کے انکار پر خداوند کریم طوفان کی صورت میں ان پر عذاب نازل کرے گا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت آدمؑ کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس نبیوں کا گزر چکے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ ''تم میں سے جس کو بھی حضرت نوحؑ کی زیارت نصیب ہو اور ان کی نبوت کا زمانہ مل جائے ان پر ضرور ایمان لائے۔ ان کی پیروی کرے اور ان کے کلمات کی تصدیق کرے اور وہی شخص طوفان سے محفوظ رہے گا۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مبينٌ۔ (۲۹)

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ کو ضرور ان کی قوم کے پاس بھیجا (اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ) میں تو تمہیں (عذاب خدا سے) صریحاً ڈرانے والا ہوں۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہ کر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی قوم نے ان انبیا کی تکذیب کی جو ان سے پہلے آئے تھے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ نوحٍ الْمُرْسَلِيْنَ (۳۰)

ترجمہ: (یوں ہی) نوحؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا خداوندِ کریم نے ہوا کے عذاب کے ذریعے ان کو ہلاک کر ڈالا ان کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور ہودؑ اور ابراہیمؑ کے درمیان بھی انبیا کا سلسلہ رہا پھر لوطؑ اور ان کے درمیان بھی کئی انبیا گذرے ہر ایک کے ساتھ وہی ہوا جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کیا گیا جو آدمؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آیا۔ انبیا کی بعثت کا سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت یعقوبؑ کا زمانہ آیا پھر حضرت موسیٰ آئے ان کے بعد ان کے بھائی ہارون اور یہ سلسلہ نبوت اسی طرح جاری رہا۔ ارشاد رب کریمؑ ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ (۳۱)

ترجمہ: پھر ہم نے لگا تار بہت سے پیغمبر بھیجے (مگر) جب کسی امت کا پیغمبر ان کے پاس آتا تو یہ لوگ اسے جھٹلاتے تھے تو ہم بھی آگے پیچھے ایک کو دوسرے کے بعد ہلاک کرتے گئے اور ہم نے انہیں (نیست ونابود کر کے) افسانہ بنا دیا۔

حضرت موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی وانہوں نے حضور اکرمؐ کے بارے میں خوشخبری دی لہٰذا تمام انبیا ایک کے بعد دوسرے نے آنحضرتؐ کی بعثت کی خوشخبری دی پھر حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے انہوں نے آپؐ کے بارے میں خوشخبری دی یہاں تک کہ قرآن میں ان کا نام بھی ذکر کیا۔ پروردگارِ عالم کا فرمان ہے:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (۳۲)

ترجمہ: اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہوگا (اور) میرے بعد آئیں گے ان کی خوشخبری سناتا ہوں اس کے علاوہ یہود ونصاریٰ کی کتب آسمانی توریت وانجیل کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن پیغمبرؐ کے وظائف کا تعین بھی کر رہا ہے ارشادِ خداوندی ہے:

اَلَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (۳۳)

ترجمہ: جس (کی بشارت) کو اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (وہ نبی) جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے۔

انبیا کرامؑ کی بعثت کے مقاصد

قرآن کریم میں کئی مقامات پر مختلف انبیا کے نام کے ساتھ ان کے وظائف اور ذمہ داریوں کو واضح طور پر بیان کیا جیسا کہ انسان کی خلقت کا مقصد سورہ زاریات میں بیان کیا گیا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۳۴)

ترجمہ: میں نے جنون اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں پروردگارِ عالم جنوں اور انسانوں کی خلقت کا مقصد اپنی عبادت یعنی اطاعت قرار دے رہا ہے اور اطاعت اسی معبود کی ہوتی ہے جس کی معرفت انسان رکھتا ہو ہم نے باب اول میں توحید خداوندی اور وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی معرفت پر تفصیلی مطالب درج کر دیئے ہیں۔

انسان کو کیونکہ اشرف المخلوقات بنایا ہے لہٰذا اس کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں کیونکہ وہ عقل وخرد کی نعمت سے مالا مال ہے اور اسی عقل کو کمال تک پہنچانے کے لئے انبیا مبعوث فرمائے تا کہ انسان دنیا وآخرت میں سعادت حاصل کرے۔ لیکن انسانوں نے اپنی فطرت سے ہٹ کر اور اپنی عقل کو استعمال نہ کر کے خدا اور اس کے ھادیوں سے انحراف کیا اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا آج بھی کروڑوں انسان اپنے پروردگار کی معرفت نہیں رکھتے اور مختلف بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں کسی نے پتھر کے صنم بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی کوئی جانوروں کی پوجا میں لگ گیا۔ اکثریت آبادی رکھنے والے ممالک ہندوستان، چین، جاپان جیسے ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک بت پرستی میں مشغول ہیں۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اس ناقص انسان کو اگر کمال تک پہنچنا ہے تو وہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے اور اسی کی عبادت کرے عبادت بندگی کا نام نہیں ہے بلکہ اطاعت کا نام ہے انسان کو اطاعت وفرمانبرداری کے لئے خلق کیا اور کیونکہ انسان کی فطرت میں سرکشی اور طغیانی ہے لہٰذا اس کو راہِ راست پر گامزن رکھنے کے لئے انبیا کو مبعوث فرمایا تا کہ ان کی سیرت اور کردار ایک نمونہ عمل قرار پائے لوگ ان کو دیکھ کر ان کی اتباع کریں اور نجات حاصل کریں۔

(مقصد اول)

انسانوں کو توحید پرستی کی دعوت

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (۳۵)

ترجمہ: اور ہم نے تو ہر امت میں ایک (نہ ایک) رسول اس بات کے لئے ضرور بھیجا کہ لوگو خدا کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچے رہو غرض ان میں سے بعض کی تو خدا نے ہدایت کی اور بعض (کے سر) پر گمراہی سوار ہوگئی تو ذرا تم لوگ روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو تو کہ (پیغمبران خدا کے) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

انبیا کرام کا اولین مقصد لوگوں کو توحید کی دعوت دینا اور ان کو کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک کرنا اور رجس و ناپاکی سے ان کا تزکیہ نفس کرنا ہے اور ان کو عذاب آخرت سے ڈرانا تاکہ وہ حقیقی طور پر توحید پرست ہو جائیں اور غیرِ خدا کی پرستش نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شعيب فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الاٰخِرَ وَلاَ تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۳۶)

ترجمہ: اور (ہم نے) مدین کے رہنے والوں کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے (اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم خدا کی عبادت کرو اور روز آخرت کی امید رکھو اور روئے زمین میں فساد نہ پھیلائے پھرو۔

اسی عبادت کے مطلب سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلاَ تَتَّقُوْنَ (۳۷)

ترجمہ: اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو (رسول بنا کر) بھیجا تو انہوں نے (بھی لوگوں سے) کہا اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم خدا سے ڈرتے

نہیں ہو۔

اس سے ملتے جلتے مفہوم کو سورہ ھود میں بھی بیان کیا گیا ہے جس سے انبیا کے مبعوث کرنے کا ایک مقصد واضح ہو جاتا ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (۳۸)

ترجمہ: اور (ہم نے) قوم عاد کے پاس ان کے بھائی ھود کو (پیغمبر بنا کر بھیجا اور) انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم خدا ہی کی پرستش کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تم بس نرے افترا پرواز ہو۔

پس مذکورہ بالا آیات اور ان جیسی دیگر آیات پر اگر غور کیا جائے تو ایک مقصد تو صاف نظر آ رہا ہے کہ انسان ناقص کے لئے ایک نمائندہ الٰہی جو کہ عقل وفہم کے لحاظ سے کامل ہو اس کا بھیجا جانا ضروری تھا تا کہ انسان بت پرستی کے بجائے خالص اللہ کی عبادت کرے اور آخرت پر یقین پختہ ہو اور اس کے لئے لازم تھا کہ ہر قوم میں ایک ہادی مقرر ہو جو معاشرہ میں توحید پرستی کی صحیح شکل پیش کر سکے۔ جو انسان خود اپنی معرفت نہیں رکھتا وہ اپنے پروردگار کو کیسے پہچانے گا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ پتھروں کے صنم بنا کر اس کی پرستش شروع کر دیتا ہے اور اگر انسان انبیا کی رہنمائی میں اپنی عقل کو استعمال کرے تو وہ خالق کائنات تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔

ہم یہاں حضرت علیؑ کے خطبہ اول کا ایک جز نقل کر رہے ہیں جس میں حضرتؑ نے بعثت رسولؐ کا مقصد بیان کیا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

اِلٰی اَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهٗ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ لِاِنْجَازِ عِدَتِهٖ وَتَمَامِ نُبُوَّتِهٖ. مَاخُوْذًا عَلَی النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقُهٗ مَشْهُوْرَةً سِمَاتُهٗ، كَرِيْمًا مِيْلَادُهٗ وَاَهْلُ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَاَهْوَآءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَطَوَائِفُ مُتَشَتِّتَةٌ بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهٖ اَوْ مُلْحِدٍ فِیْ اِسْمِهٖ اَوْ مُشِيْرٍ اِلٰی غَيْرِهٖ فَهَدَاهُمْ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاَنْقَذَهُمْ بِمَكَانِهٖ مِنَ الْجَهَالَةِ. (۳۹)

ترجمہ: یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمدؐ کو مبعوث کیا جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا جن کی علامات ظہور مشہور محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

خداوندِ عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔

مذکورہ خطبہ کے جز سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے انسانوں کو توحید کی دعوت اور ان کو گمراہی سے بچانے کے لئے انبیا کو بھیجا تا کہ لوگ بت پرستی سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک خدا کی عبادت کریں۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر نبی آخرالزمان حضرت محمدؐ کی بعثت کا مقصد ایک اور خطبہ میں ارشاد فرما رہے ہیں:

فَبَعَثَ مُحَمَّدًا صَلّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وسلم بالحق لِیُخْرِجَ عِبَادَہُ مِنْ عِبَادَۃِ الْاَوْثَانِ اِلٰی عِبَادَتِہٖ وَمِنْ طَاعَۃِ الشیطان اِلٰی طَاعَتِہٖ بِقراٰنٍ قَدْ بَیَّنَہُ اَحْکَمَہُ لِیَعْلَمَ الْعِبَادُ رَبَّہُمْ اِذْ جَھِلُوْہُ وَلِیَقِرّوا بِہٖ اِذْ جَحَدُوْہُ وَلِیُثْبِتُوْہُ بَعْدَاِذْ اَنکروہ. (۴۰)

ترجمہ: اللہ سبحانہ نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کے بندوں کو محکم و واضح قرآن کے ذریعہ سے بتوں کی پرستش کی طرف اور شیطان کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت کی طرف نکال لے جائیں تا کہ بندے اپنے پروردگار سے جاہل و بے خبر رہنے کے بعد اسے جان لیں ہٹ دھرمی اور انکار کے بعد اس کے وجود کا یقین اور اقرار کریں۔

ہمارے پیغمبرؐ کا ایک مقصد تو یہ بیان کیا گیا کہ ہدایت تشریعی کے ذریعے یعنی خود اپنی ذات کے ذریعے جو خود ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی تھی اور کلامِ الٰہی کے ذریعے جو آپؐ پر نازل ہوا اور آپ کے اعجاز میں سے ایک معجزہ ہے لوگوں کو بت پرستی سے روکا جائے اور شیطان کی پیروی کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف راغب کیا جائے اور پروردگار عالم کی معرفت کی طرف متوجہ کیا جائے تا کہ وہ علم کے ذریعے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئیں اور کفر و ضلالت سے چھٹکارہ حاصل کرلیں۔

(مقصد ثانی)

معاشرے کے لوگوں کو اختلاف سے بچانا

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۱)

ترجمہ: (پہلے) سب لوگ ایک ہی دن رکھتے تھے پھر (آپس میں جھگڑنے لگے) تب خدا نے (نجات سے) خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ برحق کتاب بھی نازل کی تا کہ جن باتوں میں لوگ جھگڑتے تھے کتاب خدا اس کا فیصلہ کردے اور پھر افسوس تو یہ ہے کہ اس حکم سے اختلاف کیا بھی تو انھیں لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی اور وہ بھی جب ان کے پاس خدا کے صاف صاف احکام آچکے اس کے بعد (اور وہ بھی) آپس کی شرارت سے تب خدا نے اپنی مہربانی سے (خالص) ایمانداروں کو وہ راہ حق دکھادی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا، اور خدا جس کو چاہے راہِ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

نبیوں کے مبعوث کرنے کا مقصد ثانی یہ تھا کہ لوگوں کے تنازعات اور اختلاف کو مٹایا جائے اور ایک لڑی میں پروکر وحدت اور یگانگت کا درس دیا جائے فرقہ بندی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ جو لوگ مومن ہیں وہ تو شریعت کی پیروی کرتے ہیں لیکن جو لوگ بے دین ہوتے ہیں اور ان کے مزاج میں طغیانی ہوتی ہے چنانچہ کتاب اور ہدایت آنے کے باوجود ان لوگوں نے اختلافات کو ہوا دی اور اپنے لئے گمراہی کو چن لیا جب کہ وہ لوگ جن کا عقیدہ مضبوط تھا پروردگار نے ان کو ہدایت کے راستے پر گامزن کردیا۔

مذکورہ آیت سے خداوند کریم اس دور کا ذکر فرمارہا ہے جب لوگ ایک امت کی مانند تھے اور یہ وہ دور تھا جب انسان ارتقائی منزل طے کررہا تھا اور خواہشات اور مفادات محدود تھے اور لوگوں کی تعداد

بھی کم تھی اور شعوری طور پر بھی پس ماندہ تھے جیسے جیسے انسان نے شعور کی منزلیں طے کیں تو انسان میں مال و دولت کی حرص پیدا ہوئی اور ہر انسان یہ چاہتا تھا کہ میں عیش کی زندگی گزاروں ایک دوسرے سے مفادات وابستہ ہوگئے اور اس کی طمع و لالچ جب بڑھی تو ایک دوسرے کے حقوق سلب ہونے لگے جس کی وجہ سے باہمی اختلاف پیدا ہوگیا نوبت جنگ و جدال تک آن پہنچی لہٰذا اس آیت میں اسی دور کی عکاسی کی جارہی ہے کہ جس قدر انسان کا اقتدار بڑھتا رہا سرکشی میں بھی اضافہ ہوا ایسے معاشرے میں ایک مصلح کی ضرورت تھی۔ کیونکہ لوگوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے مل کر رہتے ہوئے یا الگ الگ اور دور افتادہ علاقوں میں رہتے ہوں گے لیکن جب لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا تو آپس میں اختلافات پیدا ہوئے کائنات کے آغاز سے دو قسم کے لوگ پائے جاتے تھے ایک عقل شعور سے مزین افراد دوسرے جاہل اور خود سرا افراد حضرت آدمؑ کے فرزندان میں یہ فرق واضح نظر آتا ہے ''ہابیل'' ایک باشعور اور علم و معرفت کے حامل انسان تھے جب کہ ان کا بھائی ''قابیل'' ایک ایسا شخص تھا جو نفس کا پیروکار تھا۔ قرآن میں ان دونوں کا قصہ تفصیل سے درج ہے۔ جب اجتماعی معاشرہ تشکیل پایا اور زمین پر انسانوں کی آبادی میں اضافہ شروع ہوا اور انسان کی ضروریات اور خواہشات میں اضافہ ہوا شہوت پرستی عام ہوئی ان کی فطری جبلت سر ابھارنے لگی تو لوگوں کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے نتیجتاً اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اس لئے طبعی طور پر ضروری ہوگیا لوگوں کے ان تنازعات کو حل کرنے کے لئے ایک ایسا کامل نمونہ آئے جو لوگوں کے اخلاقی مسائل حل کر سکے اور یہ کام سوائے الٰہی نمائندے کے کوئی اور نہیں کرسکتا تھا جو الٰہی قوانین کو کتاب کی شکل میں لے کر آئے اور ان کے اجتماعی دنیاوی اور اخروی مسائل کو حل کر سکے اور ان کو دنیا و آخرت کی زندگی کے بارے میں ایک جامع لائحہ عمل دے لوگوں کے حقوق اور فرائض کو الٰہی قوانین کی روشنی متعین کرے تا کہ معاشرہ کے لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں اور اپنی ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

لہٰذا جب انبیا و کتب بھیجے گئے تو کچھ لوگوں نے ان کی بات کو قبول کیا اور بعض نے کتاب کا علم آنے کے باوجود اختلاف پیدا کیا جن کو خدا اور انبیا نے ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جو لوگ انبیا پر ایمان لائے خدا نے ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی اور ان کے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا

جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الاسلام وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلاَّ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللہِ فَاِنَّ اللہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۴۲)

ترجمہ: نہیں (وہی ہر چیز پر) غالب اور دانا ہے (سچا) دین تو خدا کے نزدیک یقیناً بس یہی اسلام ہو اور اہل کتاب نے جو اس دین حق سے اختلاف کیا تو محض آپس کی شرارت اور اصلی امر معلوم ہو جانے کے بعد (ہی کیا ہے) اور جس شخص نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا تو (وہ سمجھ لے کہ یقیناً خدا (اس سے) بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اس آیت میں خداوندہ متعال دین اسلام کی حقانیت کو واضح کررہا ہے کہ یہی دین اسلام پیروی کے قابل ہے اور دین حق ہونے کے ساتھ خدا کا پسندیدہ دین ہے ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب کا علم رکھنے کے باوجود اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ لوگ حقیقت سے آشنا ہونے کے باوجود صرف اپنے مادی مفادات کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں حقیقت کو آشکار نہیں ہونے دیتے حالانکہ پروردگارِ عالم خود ان کے بارے میں واضح ارشاد فرمارہا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِنْھُمْ لِیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. (۴۳)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح) وہ اس پیغمبر کو بھی پہچانتے ہیں اور ان میں کچھ لوگ تو ایسے بھی ہیں جو دیدہ دانستہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔

پروردگارِ عالم کی مصلحت یہ ہے کہ جو لوگ راہِ راست پر چلنا چاہتے ہیں خدا بھی ان کو راہ ہدایت عطا کرتا ہے اور جو لوگ ہدایت کے لئے آمادہ ہی نہیں تو وہ ضرور گمراہی میں مبتلا رہیں گے۔ بہرحال ہدایت انہی لوگوں نے پائی جو ذات حق پر ایمان لائے اور انہوں نے انبیا کرام کی اتباع کی اور حق کو نہ چھوڑا۔

حضرت عیسیٰؑ بھی امت کی اصلاح اور ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپس کے نظریاتی اور عقیدے کے اختلافات کو ختم کرنے اور راہ راست پر گامزن کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے جیسا کہ آیت شریفہ میں ہے:

وَلَمَّا جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (۴۴)

ترجمہ: اور جب عیسیٰؑ واضح روشن معجزے لے کر آئے تو (لوگوں سے) کہا میں تمہارے پاس دانائی (کی کتاب) لے کر آیا ہوں اور تا کہ بعض باتیں جن میں تم لوگ اختلاف کرتے تھے تم کو صاف صاف بتاؤں تو تم لوگ خدا سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

ہر پیغمبر کو پروردگارِ عالم نے ان کی امت کے اختلاف اور ان کے معاشرتی مسائل شریعت کی رو سے حل کرنے کے لئے بھیجا ہے مذکورہ آیت میں بھی حضرت عیسیٰؑ اپنا ایک وظیفہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ وہ قوم جو علم و حکمت سے نا آشنا تھی جس کی وجہ سے ان میں اختلاف نظر پایا جاتا تھا چنانچہ پروردگار کی جانب سے ایک کتاب کی شکل میں حکمت و دانائی کے جوہر سے آراستہ مفاہیم کو روشناس کرنے کے لئے مجموعہ کلام پیش کیا جو شریعت کے قوانین کا ایک دستور عمل تھا جو ہر پیغمبر کو کتاب یا صحیفے کی شکل میں عطا کیا گیا۔ تا کہ لوگ ہدایت کے راستہ پر برقرار رہیں۔

(مقصدِ ثالث)

حکومت الٰہیہ اور عدل کا قیام

جیسا کہ گذشتہ فصل میں ہم نے بیان کیا کہ انبیا کی بعثت کا ایک مقصد لوگوں کے اختلافات کو رفع کرنا اور آپس میں اتحاد واخوت کے جذبے سے سرشار معاشرہ تشکیل دینا تھا لہٰذا اس کام میں بہت مشکلات اور مصائب وآلام کا سامنا تھا کیونکہ جیسے جیسے انسانوں کی آبادی میں اضافہ ہورہا تھا مختلف قسم کے نظریات اور عقائد پیدا ہورہے تھے جس کا سدباب کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ ہر قوم کے لئے پروردگار عالم نے ایک ھادی مبعوث کیا تھا جوان کو کتاب وحکمت کی تعلیم سے آراستہ کرتا تھا ان میں سے کچھ ان کی دعوت کو قبول کرتے تھے اور بعض لوگ انکار کرتے تھے لہٰذا طرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا تھا جہاں مختصر سی جماعت ہوتی وہاں طاقتور بادشاہوں کا سرداروں کا سامنا تھا بعض اوقات ان سے جنگ وجدال کی نوبت بھی آئی اور فتح ونصرت ہمیشہ حق والوں کی ہوئی بعض انبیا کو خداوند عالم نے قدرت وطاقت کے ساتھ حکومت بھی عطا کی جس کے ذریعے قوانین اسلامی کا اجرا ہوا۔ بعض انبیا کو شریعت اور کتاب کے ساتھ ساتھ حکومت تشکیل دینے کا بھی موقع ملا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان قضاوت کرسکیں کیونکہ لوگوں کے امور میں اختلاف کی بنا پر قانون کا اجرا ضروری تھا چنانچہ انبیا نے شرعی قوانین کے تحت قانون کا نفاذ کیا اور لوگ جب ان کی طرف رجوع کرتے تھے تو وہ شرعی قوانین کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے قانون سازی کی اس کا اجرا کی اور عدالتی نظام قائم کیا۔ تا کہ مقننہ، مجریہ اور عدلیہ کے ذریعے لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کیا جائے اور صحت مند معاشرہ تشکیل پائے اس کے لئے حکومت کا ہونا ضروری تھا لہٰذا پروردگار نے اپنے بعض نمائندوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کے ساتھ ساتھ ان کو حاکم بھی بنایا جیسا کی حضرت داؤدؑ کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے:

وَآتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْ دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۴۵)

ترجمہ: اور خدا نے ان کو سلطنت وتدبیر تمدن عطا کی اور (علم وہنر) جو چاہا انہیں (گویا) گھول کے پلا دیا اور خدا بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کا دفع (شر) نہ کرتا تو تمام روئے زمین میں فساد پھیل

جا تا مگر خدا تو سارے جہان کے لوگوں پر فضل (ورحم) کرتا ہے۔

اس روئے زمین پر شر و فساد پھیلا تا گروہ ہمیشہ سے رہا ہے اور جب تک شیطان کا وجود باقی ہے یہ لوگ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں لگے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ نیک اور خوش عقیدہ لوگوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ایسی معصوم ہستیوں کا ہونا ضروری تھا جو لوگوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھیں کیونکہ انسان غیر معصوم ہے اور خطا کا پتلا ہے خواہشات نفسانی کا غلام واقع ہوا ہے ذرا سے بہکائے میں آ کر شیطان پرستی میں مبتلا ہو کر خدا پرستی سے منہ موڑ لیتا ہے۔ پروردگار عالم حضرت داؤدؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَا دَاوُد اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلاَ تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَاب (۴۶)

ترجمہ: ''اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب قرار دیا تو تم لوگوں کے درمیان بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرلیا کرو اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ پیروی تمہیں خدا کی راہ سے بہکا دے گی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کی بڑی سخت سزا ہوگی اور ان لوگوں نے حساب کے دن (قیامت) کو بھلا دیا۔''

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ صاحب اقتدار ہوتے ہیں یا سردار یا لیڈر ہوتے ہیں وہ لوگوں کے مفادات کو دیکھ کر نہیں بلکہ اپنے مفادات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جس سے معاشرے میں محرومی پیدا ہوتی ہے اور خلفشار بڑھتا ہے لہٰذا لازمی ہے کہ کچھ ایسے عادل و صالح لوگ اس معاشرے میں ہوں جو اقتدار حاصل کر کے لوگوں کو ظلم و ناانصافی سے نجات دلائیں اور جو ان لوگوں کا معاشرے میں جائز مقام ہے وہ انہیں دیں۔ عدل و مساوات میں فرق ہے مساوات برابری کی بنیاد پر ہوتی ہے جب کہ عدل کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کی جس کا جو حق ہے وہ اسے دیا جائے۔

ترجمہ: حضرت علیؑ سے کسی نے سوال کیا کہ عدل بہتر ہے یا سخاوت؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ عدل تمام امور کو ان کے موقع و محل پر رکھتا ہے اور سخاوت ان کو ان کی حدوں سے باہر کر دیتی ہے۔ عدل سب کی نگہداشت کرنے والا ہے اور سخاوت اسی سے مخصوص ہوگی جسے دیا جائے لہٰذا عدل سخاوت سے بہتر و برتر ہے۔ (۴۷)

پروردگارِ عالم کا ارشادہ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۴۸)

ترجمہ: اور ہم نے یقیناً اپنے پیغمبروں کو واضح و روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور (انصاف کی) ترازو و نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم ہی نے لوہے کو نازل کیا جس کے ذریعے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع (کی باتیں) ہیں۔

انسان کیونکہ ہر لمحہ اپنی زندگی کے دوان رہنماؤں کا محتاج ہے جو خدا کی جانب سے معین ہوں اور اپنے ساتھ معجزات لے کر آئیں جس کو وہ حقانیت کی دلیل کے طور پر پیش کر سکیں جس کے نتیجہ میں لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں اور انہیں الٰہی نمائندہ تسلیم کریں لہٰذا ایک دستور العمل کے ساتھ انبیا کو بھیجا تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور اپنے حقوق و فرائض کا تعین کریں مذکورہ آیت کے ذیل میں مفسرین نے لکھا۔

''بینات'' (واضح دلائل) اس کے معنی وسیع ہیں جن میں معجزات اور عقلی دلائل دونوں شامل ہیں اور جن کی صلاحیت خدا کے رسولؐ اپنی ذات میں رکھتے تھے ''کتاب'' سے مراد وہی کتب آسمانی ہیں اور چونکہ سب کے زمانے کے گذرنے اور انسانوں کے علمی ارتقا سے اس کا مفہوم زیادہ وسیع ہوجاتا ہے باقی رہا ''میزان'' تو وہ وزن کرنے اور ناپ تول کے آلے کے ذریعے چیزوں کے وزن کی ناپ تول ہوتی ہے لیکن مسلمہ طور پر یہاں اس کا مصداق اس کی معنوی حقیقت ہے یعنی ایسی چیز جس سے تمام انسانوں کے اعمال کی ناپ تول کی جاسکتی ہے اور وہ کلی طور پر خدائی احکام وقوانین ہیں یا اس کا آئین اور دستور ہے اور جو نیکیوں، برائیوں قدروں، قیمتوں اور ان کی ضد کو جانچنے کا معیار ہے اس اعتبار سے انبیا تین چیزیں اپنے ساتھ رکھتے تھے (۴۹)

واضح دلائل، کتب آسمانی اور حق و باطل کی ناپ تول کا معیار اور اس چیز میں کوئی مانع نہیں ہے کہ قرآن مجید ''مبینہ'' (معجزہ) بھی ہو آسمانی کتاب بھی اور احکام وقوانین کو بیان کرنے والا بھی یعنی ایک ہی چیز میں تینوں پہلو موجود ہوں بہرحال ان عظیم افراد (انبیا) کو پورے ساز وسامان کے ساتھ بھیجنے کا مقصد قسط وعدل کا اجرا ہے۔

مذکورہ تفسیر میں یہ بات واضح ہوگئی کہ انبیا کو بھیجنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں تا کہ معاشرے میں کوئی فساد برپا نہ ہو اور لوگ امن وسکون سے زندگی بسر کریں کیونکہ کوئی بھی معاشرہ انحطاط کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرہ میں عدم توازن پایا جائے اور معاشرتی اقدار

ناپید ہوں اور کوئی قاعدہ وقانون نہ ہو جس پر لوگ عمل کریں جو طاقتور ہو وہ اپنے سے کمزور کے حقوق سلب کرے اور کوئی ان کمزوروں کو حقوق دلانے والا نہ ہو اسی لئے اسلام میں اخلاقی اقدار کو فروغ دینے پر بہت زور دیا گیا ہے تا کہ کمزور اور ضعیف لوگوں کو ظالمین سے نجات دلائی جائے اور ان ظالم و جابر لوگوں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے جیسا کہ پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَٰلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۵۰)

ترجمہ: وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردن پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے ان سے ہٹا دیتا ہے۔

جیسا کہ سورہ حدید کے حوالے سے ہم نے تذکر کیا کہ انبیا کی بعثت کا لوگوں کو عدل وانصاف پر قائم رکھنا ہے ان کی اخلاقی تربیت کرنا ہے لہٰذا اس سورہ کی تفسیر کا ایک اور پہلو جو اقامہ قسط سے تعلق رکھتا ہے جس کی طرف مفسرین نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دوسرا نکتہ "لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" کے جملہ میں یہ ہے کہ لوگوں کی ترغیب کے بارے میں گفتگو کرتا ہے یہ نہیں فرماتا "مقصد یہ تھا کہ انبیا انسانوں میں قیام عدل کی تحریک پیدا کریں" بلکہ فرماتا ہے کہ "لوگ انصاف کو بروئے کار لائیں" جی ہاں سچ بات یہ ہے کہ لوگوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ خود عدالت وانصاف کو جاری کرنے والے بن جائیں اور اس راہ کو اپنے قدموں سے طے کریں۔لیکن چونکہ ایک انسانی معاشرہ میں بہرحال جس قدر بھی اخلاق اعتقاد اور تقوی کی سطح بلند ہوگی اس میں پھر بھی ایسے افراد پیدا ہوں گے جو طغیان وسرکشی کے لئے آمادہ ہوں اور قیام عدل کی راہ میں روڑے اٹکائیں اس لئے اس آیت کو برقرار رکھنے اور دوام بخشنے کے لئے فرماتا ہے:

"ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں شدید قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہے"

جی ہاں انبیا خدا کی تین قوتیں اجرائے عدالت کے لئے اپنے اصلی مقصد کو اس وقت حاصل کرسکتی ہیں جب وہ لوہے جیسی طاقت اور شدید قوت سے بہرور ہوں "باس" لغت میں شدت قدرت کے معنی میں ہے اور جنگ کے بھی" "باس" کہتے ہیں اس لئے بعض مفسرین نے جنگی وسائل کے معنی میں لیا ہے عام اس سے کہ وہ دفاعی ہوں یا جنگجوانہ"۔(۵۱)

مذکورہ تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے میں عدل کا توازن قائم کرنے کے لئے پہلے انبیا نے علم و حکمت کا راستہ اپنایا جن لوگوں نے ان کے پیغام کو قبول کیا وہ راہِ راست پر آ گئے اور دوسرا وہ گروہ ہے جو دلیل و برہان کو قبول نہیں کرتا بلکہ خدا کے حکم سے سرکشی کرتا ہے ایسے لوگوں کے لئے طاقت وقوت کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

(مقصدِ رابع)

کتاب وحکمت کی تعلیم

قرآن مجید میں بعض مقامات پر نبیوں کے اہداف میں سے ایک ہدف کتاب وحکمت کی تعلیم بیان کی ہے پروردگارِ عالم نے انبیا کی بعثت کے ساتھ انہیں کتب آسمانی دے کر بھیجا البتہ کہیں پر کتاب کا تذکرہ ہے کہیں پر صحف کا لفظ استعمال ہوا ہے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ کے لئے صحف حضرت موسیٰؑ کے لئے توریت حضرت عیسیٰؑ کے لئے انجیل اور رسول اکرمؐ کے لئے قرآن شریف کتاب کی شکل میں نازل ہوئی جسے کتاب کہا جاتا ہے اور حکمت کا مطلب فلسفہ نہیں بلکہ تمام اخلاقی معاشرتی معاشی اور اصول وفروع کے حوالے سے جو باتیں پیغمبرِ اکرمؐ نے سکھائیں وہ حکمت کی باتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے پروردگارِ عالم سے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۵۲)

ترجمہ: اے ہمارے پالنے والے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک رسولؐ کو بھیج جوان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور آسمانی کتاب اور عقل کی باتیں سکھائے اور ان (کے نفوس) کو پاکیزہ کردے بیشک تو ہی غالب اور صاحب تدبیر ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا سے جو آگے جا کر قبول بھی ہوئی میں پہلی منزل پر کتابِ الٰہی کی تعلیم ہے اور پھر عقل وفہم کی باتیں سکھانے کا تذکرہ ہے تاکہ انسان کے علم میں جب اضافہ ہوگا تو معرفت میں بھی اضافہ ہوگا اور وہ اپنے پروردگار کو پہچاننے کی کوشش کرے گا اس کے آثار اور مخلوق کے ذریعے اور جب وہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے گا تو نیک اعمال انجام دے گا اور برے کاموں سے بچے گا کیونکہ حکمت کے ایک معنی منع کرنے اور روکنے کے بھی ہیں۔ یہ انبیا کی بعثت کا حقیقی مقصد ان گذشتہ مقاصد کی تکمیل ہے جن میں سے سب سے اہم مقصد انسان کو اخلاق و کردار سے مزین کرنا ہے اسی مقصد کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پروردگار عالم سے دعا کی کہ وہ ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث فرمائے جو یہ چار وظائف انجام دے اور خداوندِ عالم نے آپ کی اس دعا کو قبول کیا اور آپ ہی کی

ذریت سے نبی آخر الزمان کو بھیجا تا کہ انبیا کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے جیسا کے ارشادِ قدرت ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۵۳)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں ان ہی میں کا ایک رسول (محمدؐ) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں اگر چہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریحی گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے۔

مذکورہ آیت میں بھی ہمارے پیغمبر اکرمؐ کا وظیفہ اور مقصد بھی خداوندِ کریم یہی بیان کر رہا ہے جو ان سے پہلے انبیا کا تھا اور سب سے پہلے کتاب کی تلاوت یعنی کلامِ الٰہی کو بیان کرتا ہے تا کہ لوگ اس کتاب کے ذریعہ اس خالق کی معرفت حاصل کریں جن کا یہ کلام ہے ایک اور آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ پروردگار عالم ارشاد فرما رہا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۵۴)

ترجمہ: جب کبھی کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کو اس کی قوم کی زبان میں باتیں کرتا ہوتا کہ اس کے سامنے (ہمارے احکام) بیان کر سکے۔

قرآن کا نزول کا مقصد بیان کرتے ہوئے خداوندِ کریم فرماتا ہے:

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ. (۵۵)

ترجمہ: اور ان پیغمبروں کو بھیجا بھی تو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ اور تمہارے پاس قرآن نازل کیا تا کہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں تم ان کو صاف صاف بیان کر دو تا کہ لوگ خود سے کچھ غور فکر کریں۔

ان دو آیتوں سے پہلے ہم نے جو سورۂ جمعہ کی آیت کا حوالہ دیا اس میں الہ العالمین صاف الفاظ میں اپنے رسولؐ کے وظائف اور مقاصد بیان کر رہا ہے جو مفسرین نے تفصیل سے بیان کیا۔ اوپر والی (سورہ جمعہ) کی آیت میں اس بعثت کے مقصد کا تین چیزوں میں خلاصہ کیا ہے جن میں سے ایک تو تمہیدی پہلو رکھتی ہے اور وہ آیات الٰہی کی تلاوت ہے اور دوسرے دو حصے یعنی ''تہذیب و تزکیہ

نفس''اور تعلیم کتاب وحکمت دو اصلی اور اہم مقاصد ہیں۔

ہاں! پیغمبرؑ اسی لئے آئے ہیں کہ علم و دانش کے سلسلہ میں اور اخلاق و عمل کے بارے میں بھی انسان کی تربیت کریں تا کہ وہ ان دونوں پروں کے ذریعے آسمانی سعادت کی بلندی پر پرواز کریں اور خدائی راستہ کو اختیار کر کے اس کے مقام قرب کو حاصل کریں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ بعض آیات قرآنی میں تو تزکیہ ''تعلیم'' پر مقدم ہے اور بعض میں ''تعلیم''، ''تزکیہ'' پر مقدم شمار ہوئی ہے یعنی چار موارد میں سے تین میں تربیت تعلیم پر مقدم ہے اور ایک مقام پر تعلیم تربیت پر مقدم ہے۔(۵۶)

بہر حال کتاب وحکمت کی تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ تہذیب وتزکیہ نفس کیا جائے کیونکہ علم ایک نور ہے خدا جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جو نفس شرک کفر ونفاق گناہوں سے آلودہ ہوگا۔اس پر قول الٰہی اور قولِ رسولؐ اثر نہیں کرتا جس طرح انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح انسان کا نفس بھی بیمار ہوتا ہے جس طرح جسمانی بیماری کے لئے معالج کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روحانی بیماری کے لئے بھی ایک طبیب درکار ہوتا ہے جو اس کو رجس و پلیدی سے نجات دلاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ایسا الٰہی نمائندہ موجود ہو جو علوم الٰہی کا حامل ہو کتاب وحکمت کی تعلیم سے آشنا ہو مفسرین کہتے ہیں کہ:

''ممکن ہے کتاب وحکمت میں یہ فرق ہو کہ کتاب تو قرآن کی طرف اشارہ ہے اور حکمت پیغمبرؐ کے ارشادات کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا نام سنت ہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''کتاب'' تو اسلام کے اصل احکام کی طرف اشارہ ہو اور ''حکمت'' ان کے فلسفہ اور اسرار کی طرف راجع ہو۔

یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ ''حکمت'' اصل میں بغرض اصلاح کسی کو منع کرنے اور روکنے کے معنی میں ہے اور گھوڑے کی لگام کو اس وجہ سے حکمت کہتے ہیں کہ وہ اسے روک کر صحیح راستے پر ڈالتی ہے اس بنا پر حکمت سے مراد عقلی دلائل ہیں یہیں سے واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب وحکمت کا ایک دوسرے کے بعد ذکر ہو سکتا ہے کہ شاید یہ معرفت وشناخت کے دو سرچشموں یعنی ''وحی''، وعقل کی طرف اشارہ ہو یا دوسرے لفظوں میں احکام آسمانی اور تعلیمات اسلام کہ ان کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اور وہ عقلی لحاظ سے بھی قابلِ فہم اور لائق ادراک ہیں (مراد کلیات احکام ہیں)(۵۷)

(مقصدِ خامس)

بندوں پر اپنی حجت کا تمام کرنا

حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں مختلف خطبات میں حجت الٰہی کے بارے میں فرما رہے ہیں:

اَللھمَّ بَلٰی لاَ تَخۡلُو الۡارضُ مِنۡ قَائم اللہِ بِحُجَّۃٍ اِمّا ظَاھراً مَشۡھُورًا اَوۡ خَائِفًا مَغۡمُورًا لِئَلاَّ تَبۡطُلَ حُجَجُ اللہِ وَبَیناَتُہُ (۵۸)

ترجمہ: ہاں مگر زمین ایسے فرد سے خالی نہیں رہتی کہ جو خدا کی حجت کو برقرار رکھتا ہے چاہے وہ ظاہر و مشہور ہو یا خائف و پنہاں تا کہ اللہ کی دلیلیں اور نشان مٹنے نہ پائیں۔

ایک اور خطبہ کے پہلے جز میں یہ فرمایا:

بَعَثَ اللہُ رُسُلَہُ بِمَا خَصَّھُمۡ بِہٖ مِنۡ وَّحۡیِہٖ وَجَعَلَھُمۡ حُجَّۃً لَّہُ عَلٰی خَلۡقِہٖ لِئَلاَّ لَلجِبَ الحُجَّۃ لَھُمۡ بِتَرۡكِ الۡاَعۡذَارِ الیھم (۵۹)

ترجمہ: اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو وحی کے امتیازات کے ساتھ بھیجا اور انہیں مخلوق پر اپنی حجت ٹھہرایا تا کہ وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ان پر حجت تمام نہیں ہوئی۔

ایک اور خطبہ کا جز ہے:

فَاَھۡبَطَہُ بَعۡدَ التَّوۡبَۃِ لِعُمھہ اَرضَہُ بِنَسۡلِہٖ وَلِيُقِيۡمَ الۡحُجَّۃَ بِہٖ عَلٰی عِبَادِہٖ وَلَمۡ يُخۡلِھِمۡ بَعۡدَ اَنۡ قَبۡضَہُ مِمَّا يُؤَ ـ كِدُ عَلَيۡھِمۡ حُجَّۃَ رُبُوبيّۃِ وَيَصِلُ بَيۡنَھُمۡ وَبَيۡنَ مَعۡرِفَتِہٖ بَلۡ تَعَاھَدَ ھُمۡ بِالۡحُجَجِ عَلٰی اَلۡسُنِ الۡخِيَرَۃِ مِنۡ اَنبیائِہٖ وَمُتَحَمِّلِي وَدَآئِع رِسَالِہٖ قَرۡنًا فَقَرۡنًا حَتّٰی تَمَّتۡ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلّی اللہُ عَلَيۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمۡ حُجَّتُہُ وَبَلَغَ الۡمَقۡطَعَ عُذۡرُہُ وَنُذُرُہُ۔ (۶۰)

ترجمہ: چنانچہ توبہ کے بعد انھیں (آدمؑ کو) جنت سے نیچے اتار دیا تا کہ اپنی زمین کو ان کی اولاد سے آباد کرے اور ان کے ذریعے بندوں پر حجت پیش کرے۔ اللہ نے آدمؑ کو اٹھا لینے کے بعد بھی اپنی مخلوق کو ایسی چیزوں سے خالی نہیں رکھا جو اس کی ربوبیت کی دلیلوں کو مضبوط کرتی رہیں اور بندوں کے لئے اس

کی معرفت کا ذریعہ بنی رہیں اور یکے بعد دیگرے ہر دور میں وہ اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسالت کے امانتداروں کی زبانوں سے شخصیت کے پہچانے کی تجدید کرتا رہا یہاں تک کہ ہمارے نبی محمدؐ کے ذریعہ وہ حجت (پوری طرح) تمام ہوگئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرایا جاتا رہنا اختتام کو پہنچ گیا۔

حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیا تک کوئی دور ایسا نہیں گذرا کہ جب حجت خدا زمین پر موجود نہ ہو اور قیامت تک کے لئے پروردگار عالم نے اپنے انبیا و اولیا کے ذریعے ہدایت کا انتظام کیا اور خوشخبری اور ڈرانے والے انبیا مبعوث فرمائے تا کہ انسان پر حجت تمام ہوجائے چنانچہ سورۂ نسا میں ارشاد ہورہا ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (۶۱)

ترجمہ: اور ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور خدا تو بڑا زبردست حکیم ہے۔

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہورہا ہے:

يَآاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلاَ نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيٍ قَدِيْرٌ ۔ (۶۲)

ترجمہ: اے اہل کتاب جب پیغمبروں کی آمد میں بہت رکاوٹ ہوئی تو ہمارا رسول تمہارے پاس آیا جو احکام خدا کو صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم کہیں یہ نہ کہہ بیٹھو کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (پیغمبر) آیا (اب تو ریہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ) یقیناً تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا (پیغمبر) آ گیا اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اس باب کے شروع میں نہج البلاغہ کے ایک خطبہ کا جز سورۂ مائدہ کی اس آیت کی تفسیر ہے کہ خدا زمین کو اپنی حجت سے خالی نہیں رکھتا چاہے انبیا کی بعثت میں فاصلہ ہی کیوں نہ ہو ان انبیا کے تربیت یافتہ اوصیا اور نائبین ہدایت کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ ظاہر ہوتے ہیں اور تبلیغ کرتے ہیں لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں بعض اوقات مصلحتاً مخفی ہوکر الٰہی فریضہ انجام دیتے ہیں۔

اس لئے کہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ پروردگارِ عالم لوگوں کو بغیر ہدایت اور ہادی کے بھی چھوڑ دے اور جزا اور سزا کا بھی تقاضہ کرے ثواب و عذاب کا بھی وعدہ کرے لہٰذا اسی لئے اس نے ایک نہ ایک پیغمبر کو

خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا قرار دیا اور اگر انبیا کی بعثت میں تھوڑا بہت فاصلہ آ بھی جائے تو اس کی تعلیمات کتب آسمانی کی صورت میں موجود ہوں اور اس کو اوصیا کے ذمہ داری انجام دیں تا کہ ان کے پاس معصیت خدا سے فرار کا کوئی راستہ نہ رہے اور وہ بہانہ کریں کہ ہمارے پاس تو کوئی الٰہی نمائندہ نہیں آیا۔

بہرحال عقل دانش کا تقاضہ یہ ہے کہ خداوندِ کریم انسانوں کے لئے ایک رہنما مبعوث کرے جو لوگوں کو برے عقیدوں سے محفوظ رکھے اور ان کو اخلاقی اقدار کی تعلیم دے اور معاشرے کو ایک ایسے نظام کے ذریعے جس میں ہر انسان کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہو کیونکہ انسانوں میں مختلف صنف کے لوگ پائے جاتے ہیں ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے حقوق سلب نہ ہونے پائیں طاقت ور کمزور کو اپنے زیرنگیں رکھنے کی خواہش ہوتی ہے دولت مند غریب کو غلام بنانا چاہتا ہے مرد عورتوں کے حقوق دینے کے لئے تیار نہیں لہٰذا خداوند کریم نے اپنے نمائندے بھیج کر لوگوں کے حقوق کا تحفظ کیا کیونکہ پروردگار علیم وخبیر ہے اس نے تمام مخلوقات کو خلق کیا ان کی صلاحیت اور استعداد اور ان کی ضروریات سے وہ خوب واقف ہے چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (۶۳)

ترجمہ: انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت

قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کی خلقت مرحلہ وار بیان ہوئی ہے جس میں پہلے مرحلے میں پروردگار علت مادیہ کا تذکرہ کررہا ہے دوسرے مرحلے میں علت صوریہ اور تیسرے مرحلے میں انفاخ روح کا بیان ہے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (۶۴)

ترجمہ: خدا کے نزدیک تو جیسے عیسیٰؑ کی حالت ویسی ہی آدمؑ کی حالت کہ ان کو مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہوجا پس (فوراً ہی) وہ (انسان) ہوگیا۔

دوسرے مرحلے میں حضرت آدمؑ کی صورت گری کا تذکرہ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (۶۵)

ترجمہ: ہم نے تم (تمہارے باپ آدمؑ) کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب کے سب آدمؑ کو سجدہ کرتو سب کے سب جھک پڑے مگر شیطان کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

جب حضرت آدمؑ کی خلقت ہوگئی اور ان کی صورت بنادی گئی تو پھر اس بے جان جسم میں روح پھونکنے کا مرحلہ آیا تو ارشاد ہوا:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا السّٰجِدِیْنَ۔ (۶۶)

ترجمہ: تو جس وقت میں اس کو ہر طرح سے درست کرچکوں اور اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونک دوں تو سب اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔

حضرت آدمؑ کا تذکرہ کلام مجید میں پچیس ۲۵ مرتبہ ان کے نام کے ساتھ آیا ہے حضرت آدمؑ کے واقعہ کی تفصیل سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورۂ حجر، سورۂ اسرا، سورۂ کہف اور سورۂ طٰہ میں آئی ہے۔

حضرت پہلے نبی ہیں اور موجودہ انسان کے باپ بھی کہلاتے ہیں قرآن مجید میں ان کی خلقت کے مدارج ان کی خلافت بہشت میں ان کی سکونت اور پھر ترک اولیٰ کے بعد زمین پر اتارا جانا اور ان کی اولاد کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت آدمؑ کے بعد اور بھی پیغمبر آئے جن کا تذکرہ تاریخ میں ہے لیکن قرآن میں ان کا نام درج نہیں البتہ حضرت آدمؑ کے بعد قرآن میں حضرت ادریسؑ کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۔ (۶۷)

ترجمہ: اور (اے رسولؐ) قرآن میں ادریسؑ کا بھی تذکرہ کرو اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے سچے (بندے اور) نبی تھے اور ہم نے ان کو بہت اونچی جگہ (بہشت میں) بلند کر (کے پہنچا) دیا۔

''حضرت ادریسؑ حضرت آدمؑ کی پانچویں پشت میں ہیں آپ حضرت نوحؑ کے پردادا تھے سلسلۂ نسب قصہ نوح میں موجود ہے آپ پر بکثرت صحیفے نازل ہوئے آپؑ ہی فن کتابت، علمِ نجوم، حساب ہیئت فن خیاطت، ترازو پیمانہ اور اوزار کے موجد ہیں آپ ہی کا نام تورات میں خنوخ ہے آپ ہی کے زمانے میں قوم کی شرارت سے بیس برس تک پانی نہ برسا تھا اور جب قوم نے توبہ کی تو پھر آپؑ کی دعا سے بارش ہوئی آپ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اس قدر عبادت کرتے تھے کہ فرشتوں کو حیرت ہوئی ایک مرتبہ ملک الموت باجازت خدا آپؑ کی زیارت کو آئے تو آپ نے فرمایا تم میری روح قبض کرو تا کہ اس کی تلخی معلوم کروں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی پھر داخل بدن کر دیا اس وقت آپ نے فرمایا تم مجھ کو آسمان پر لے چلو اور دوزخ و بہشت کی سیر کراؤ غرض آسمان پر گئے اور دوزخ پر سے ہوتے ہوئے بہشت میں پہنچے جب سیر کر چکے تو ملک الموت نے کہا اب چلئے میں آپ کو زمین پر پہنچا دوں اس پر خدا کا حکم ہوا اے ملک الموت اب انھیں یہیں رہنے دو کیونکہ دنیا کی تکلیف موت کی سختی اٹھا چکے دوزخ پر سے گذر چکے یہی مطلب ہے ورفعناہ مکانا علیا کا'' (۶۸)

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کا تذکرہ قرآن میں کثرت سے آیا ہے حضرت نوحؑ کی عظمت کا اندازہ ان آیات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن میں آپ کے فضائل بیان ہوئے ہیں اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے جب کے ان کی امت کے بااثر افراد نے ان پر الزامات لگائے اور ان کو مختلف نقائص سے معنون کیا جس کو قرآن نے تفصیل سے بیان کر دیا مثلاً آپ کو کاذب کہا مجنون کہا ان کو گمراہ کہا مفلسوں اور ناداروں کا رہنما کہا آسیب زدہ کہا، اور سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔ جب حضرت ان کے درمیان تقریباً ساڑھے نوسو سال گذرے اور انہیں تبلیغ کی ان کو خدا کی وحدانیت کی طرف بار بار انہیں نصیحت کی ان کو بشارت دی آپ کی طولانی عمر کا تذکرہ سورۂ عنکبوت میں درج ہے ارشاد قدرت ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہے (اور ہدایت کیا ہے اور جب نہ مانا) تو آخر طوفان نے انہیں ڈالا اور وہ اس وقت بھی سرکش ہی تھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ نے پوری زندگی اپنی قوم کو تبلیغ کی اس کے باوجود وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والی قوم بن کر رہی نتیجہ یہ نکلا کہ طوفان کی شکل میں وہ قوم غرق ہوگئی سوائے حضرت کے چند پیروکاروں کے سورہ نوح میں واضح طور پر بیان ہوا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ○ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ○ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ○ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ○ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ○ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ○ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ○ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ○ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا (۷۰)

ترجمہ: اور کہا اپنے پروردگار سے استغفار کرو کہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار پانی

برسائے گا اور اموال و اولاد کے ذریعہ تمھاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغات اور نہریں قرار دے گا آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا خیال نہیں کرتے ہو جب کہ اسی نے تمہیں مختلف انداز میں پیدا کیا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کس طرح تہ بہ تہ سات آسمان بنائے ہیں اور قمر کو ان میں روشنی اور سورج کو روشن چراغ بنایا ہے اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر تمھیں اسی میں لے جائے گا اور پھر نئی شکل میں نکالے گا اور اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ہے تا کہ تم اس میں مختلف کشادہ راستوں پر چلو۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس کا قرآن میں بھی تذکرہ ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلاً وَّنَهَارًا Oفَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآئِيْ اِلاَّ فِرَارًا Oوَاِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوْا اسْتِكْبَارًاOثُمَّ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا Oثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا (۷۱)

ترجمہ: انہوں نے کہا پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی پھر بھی میری دعوت کا کوئی اثر سوائے اس کے نہ ہوا کہ انھوں نے فرار اختیار کیا اور میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے اپنی انگلیوں کو کانوں میں رکھ لیا اور اپنے کپڑے اوڑھ لئے اور اپنی بات پر اڑ گئے اور شدت سے اکڑے رہے پھر میں نے ان کو علی الاعلان دعوت دی پھر میں نے اعلان بھی کیا اور خفیہ طور سے بھی دعوت دی۔

حضرت ہود علیہ السلام

حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی قوم کو طوفانِ نوحؑ کا سامنا کرنا پڑا اور روئے زمین پر کوئی انسان باقی نہ رہا ارشادِ قدرت ہے:

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ O (۷۲)

ترجمہ: مگر پھر بھی ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو مار ڈالا ان کے بعد ایک دوسرے گروہ کو پیدا کر دیا۔

حضرت نوحؑ کی اولاد سے نسل انسانی دوبارہ آگے بڑھی اور ان میں انبیا مبعوث ہوئے ان میں سے حضرت ہودؑ ہیں جو قوم عاد کے لئے بھیجے گئے قرآن مجید میں ذکر ہے کہ:

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ O قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ O قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ O اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ O اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۷۳)

ترجمہ:۔اور (ہم نے) قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (رسولؑ بنا کر بھیجا) تو انہوں نے (سبھی لوگوں سے) کہا، اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو (تو) ان کی قوم کے چند سردار جو کافر تھے، کہنے لگے کہ ہم تو بے شک تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں اور ہم یقینی تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں ہود نے کہا اے میری قوم مجھ میں تو حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار عالم کے پیغامات پہنچائے دیتا ہوں اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں کیا تمہیں (عذاب سے) ڈرائے اور (وہ وقت) یاد کرو

جب اس نے تم کوقوم نوحؑ کے بعد خلیفہ اور جانشین بنایا، اور تمہاری خلقت میں بھی بہت زیادتی کردی تو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم دلی مرادیں پاؤ۔

قرآن مجید میں قوم عاد کا ذکر ۲۴ مرتبہ اور حضرت ہودؑ کا ذکر سات مرتبہ آیا ہے بہرحال قوم عاد مقام احقاف میں آباد تھی حضرت ہودؑ نے ان پر تبلیغ کی آپ کی قوم نے بھی حضرت نوحؑ کی قوم کی طرح بہت ستایا جس پر غضبِ الٰہی نازل ہوا حضرت ہود نے عذاب سے آگاہ کردیا اگرچہ پروردگار نے قوم عاد کو بہترین نعمات سے بہرہ مند فرمایا جس کی انہوں نے قدر نہ کی قرآن مجید میں مختلف آیات میں ان کا ذکر ملتا ہے سورۂ مومنون میں ذکر ہے:

اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَاهٰذَآ اِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ (۷۴)

ترجمہ: زندگی میں ہم نے انہیں ثروت بھی دے رکھی تھی آپس میں کہنے لگے (ارے) یہ تو بس تمہارا ہی سا آدمی ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو وہی یہ بھی کھاتا ہے اور جو چیزیں تم پیتے ہو ان ہی میں سے یہ بھی پیتا ہے۔

دنیاوی زندگی کی اتنی نعمات دینے کے باوجود ان کی قوم نے ان کے ساتھ وفا نہ کی اور نتیجہ یہ ہوا کی عذاب الٰہی سے دوچار ہوئی۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ٥

آخرکار معصیت الٰہی اور اپنے پیغمبر کی ناقدری کی بنا پر اس قوم کو اس سے تمام اثاثوں کے ساتھ نابود کردیا اور چند افراد جو حضرت ہود کے ساتھ تھے ان کو نجات دی۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (۷۶)

ترجمہ: ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، ان کو اپنی رحمت سے نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی اور لوگ ایمان لانے والے تھے بھی نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام

سلسلہ نبوت کی پانچویں کڑی اور رسالت کی تیسری شخصیت جو اپنی قوم کے لئے مبعوث کئے گئے وہ تھے جناب صالحؑ جو حضرت ہودؑ کے بعد مبعوث ہوئے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔(۷۷)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد (زمین میں) خلیفہ (وجانشین) بنایا اور تمہیں زمین میں اس طرح بسایا کہ تم ہموار نرم زمین میں (بڑے بڑے) محل اٹھاتے ہو اور پہاڑوں کو تراش (تراش) کے گھر بناتے ہو تو خدا کی نعمتوں کو یاد کرو اور روئے زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

حضرت صالحؑ نے بھی وہی فریضہ انجام دیا جو کہ انبیا ماسبق نے انجام دیا یعنی توحید کی دعوت اپنی قوم کا اپنے پروردگار کی طرف بلانا اس سلسلے میں صرف چند آیات کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے:

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔(۷۸)

ترجمہ: اور (ہم نے) قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم خدا ہی کی پرستش کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور تم کو اس میں بسایا تو اس سے مغفرت کی دعا مانگو پھر اس کی بارگاہ میں توبہ کرو بیشک میرا پروردگار ہر شخص کے قریب اور اور سب کی سنتا اور دعا قبول کرتا ہے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ۔(۷۹)

ترجمہ: جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کہ تم (خدا سے) کیوں نہیں ڈرتے میں تو یقیناً تمہارا

امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تو تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ مزدوری بھی نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس ساری خدائی کے پالنے والے خدا پر ہے اور زیادتی کرنے والوں کا کہا نہ مانو اور جرو روئے زمین پر فساد پھیلایا کرتے ہیں اور خرابیوں کی اصلاح نہیں کرتے۔

حضرت صالح نے ان کی قوم کے طلب کرنے پر معجزہ بھی ظاہر کیا کیونکہ ہر نبی کی قوم نے اپنے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہے اور نبی نے معجزہ دکھایا سنوں نے جھٹلا اا ور اپنے جیسا بندہ بشر قرار دیا جیسا کہ سورہ شعرا میں ہے کہ:

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ(۸۰)

ترجمہ: تم بھی تو آخر ہمارے ہی جیسے آدمی ہو پس اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ ہمارے پاس لا دکھاؤ۔

حضرت صالح کے معجزہ کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے:

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔(۸۱)

ترجمہ: تمہارے پاس تو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح اور روشن دلیل آ ہی چکی یہ خدا کی بھیجی ہوئی اونٹنی تمہارے واسطے ایک معجزہ ہے تو تم لوگ اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم دردناک عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

سورۂ قمر میں بھی آزمائش کے طور پر اونٹنی کے بھیجنے کا تذکرہ ہے:

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ(۸۲)

ترجمہ: (اے صالح) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور (تھوڑا) صبر کرو۔

دامنِ کوہ سے اونٹنی کا ظاہر ہونا یہ خداوند کریم کی جانب سے ایک معجزہ تھا جو قوم صالح کے لئے ایک امتحان تھا اور یہاں پانی کی تقسیم کا امتحان تھا لیکن اس امتحان پر قوم پورا نہیں اتری اسلئے کہ ان کے دنیاوی مفادات وابستہ تھے۔

حضرت صالحؑ کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا جس کو قرآن نے بیان کیا ان متعدد آیات میں سے چند درج کی جا رہی ہیں:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّاتُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ۔ (۸۳)

ترجمہ: غرض ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں اور پیر کاٹ ڈالے اور اپنے پرردگار کے حکم سے سرتابی کی اور بیباکی سے کہنے لگے اگر تم سچے رسول ہو تو جس عذاب سے ہم لوگوں کو ڈراتے تھے اب لاؤ، تب انھیں زلزلے نے لے ڈالا اور وہ لوگ زانو پر سر کئے (جس طرح تھے) بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے، اس کے بعد صالح ان سے ٹل گئے، اور ان سے مخاطب ہو کر) اے میری قوم آہ میں نے تو اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی اور اونچ نیچ سمجھا دیا تھا۔

ایک اور سورہ ہود میں اس قوم کے عذاب کا ذکر ہے:

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ (۸۴)

ترجمہ: اس پر بھی ان لوگوں نے اس کی کوچیں کاٹ کر مار ڈالا تب صالح نے کہا اچھا تین دن تک اور اپنے اپنے گھر میں چین اڑالو یہی خدا کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہوتا پھر جب ہمارا عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے نجات دی اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا اور اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار زبردست غالب ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا

ان کو ایک سخت چنگھاڑ نے لے ڈالا تو وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور ایسے مر مٹے کہ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے تو دیکھو قوم ثمود نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور سزا دی گئی سن رکھو کہ قوم ثمود۔

حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ

حضرت ابراہیمؑ خلیل صاحب کتاب وشریعت پیغمبر تھے آپ بیک وقت نبی بھی تھے رسول بھی اور امام بھی قران مجید میں آپ کا ذکر انتہر بار کیا گیا ہے قرآن مجید میں ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں کہیں پر آپ کو نبی کہا کہیں مومنین میں مخلص اور باایمان بندہ گردانا ان کو قلب سلیم کا حامل قرار دیا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۸۵)

ترجمہ: بے شک وہ ہماری بارگاہ میں بڑے جھکنے والے تھے اور اے رسول ہمارے بندوں میں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے ہم نے ان لوگوں کو ایک خاص صفت آخرت کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ ہماری بارگاہ میں برگزیدہ اور نیک لوگوں میں ہیں۔

حضرت کو جب امامت کا منصب عطا ہوا تو حضرت ابراہیمؑ کو آزمایا گیا تو آپ بحسن خوبی اس آزمائش پر پورا اترے۔

وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (۸۶)

ترجمہ: اے رسول بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے فرمایا ہاں مگر میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا امتحان دو طرح سے بڑا سخت لیا گیا ایک ذات کا امتحان دوسرے اولاد کی قربانی دینے

کے لئے آزمایا گیا یعنی بذات خود آزمائے گئے آتش نمرود میں پھینکے گئے اور وہ آپ کے لئے گل گلزار بن گئی منجنیق سے جب پھینکے جا رہے تھے تو ہوا میں تھے ہاتھ قابو میں تھے نہ پیر لیکن دل قابو میں تھا اور اس امتحان میں پورے اترے اور دوسرا امتحان حضرت ابراہیمؑ کا اولاد کی نسبت تھا جب آپ کو خواب میں یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند اسماعیلؑ کو قربان گاہ میں لٹا دو اور آپ نے اس خواب کو سچ کر دیا اور خداوند کریم نے یہاں بھی اپنے نبی کے فرزند کی جگہ ایک دنبہ بھیج کر ان کو بچا لیا۔ یوں آپ دونوں امتحانوں میں سرخرو ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا ارشادِ الٰہی ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ(۸۷)

ترجمہ: اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو سارے آسمان و زمین کی سلطنت کا انتظام دکھاتے رہے تا کہ وہ ہماری وحدانیت کا یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔

حضرت ابراہیمؑ بت شکن تھے اور انہوں نے ہمیشہ لوگوں کو توحید کی دعوت دی حضرت ابراہیمؑ مناظرے کی صلاحیت رکھتے تھے اور لوگوں کو دلیل و برھان کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے قرآن نے، ان مناظروں کو تفصیل سے نقل کیا ہے جیسا کہ سورہ شعرا کی آیات ۶۹، ۸۲ تک درج ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ قَالَ اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ۔(۸۸)

ترجمہ: اے رسول ان لوگوں کے سامنے ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرو جب انہوں نے اپنے منہ بولے باپ

اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو وہ بولے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی کے مجاور بن جاتے ہیں ابراہیمؑ نے کہا بھلا جب تم لوگ انہیں پکارتے ہو تو وہ تمہاری کچھ سنتے ہیں یا کچھ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، کہنے لگے کہ یہ سب تو کچھ نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے ابراہیمؑ نے کہا کیا تم نے دیکھا بھی کہ جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو یا تمہارے اگلے باپ دادا کرتے تھے یہ سب میرے یقیناً دشمن ہیں مگر سارے جہان کا پالنے والا جس نے مجھے پیدا کیا وہی میرا دوست ہے پھر وہی میری ہدایت کرتا ہے اور وہ شخص جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور مجھے پانی پلاتا ہے اور جب بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عنایت فرماتا ہے اور وہ شخص جو مجھے مار ڈالے گا اس کے بعد پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہ شخص جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے اور ان کے بعد آپ کی شریعت اور سیرت کو آگے بڑھانے والے پیغمبر تھے آپؑ کا نام قرآن مجید میں بارہ سوروں میں بارہ مرتبہ آیا ہے حضرت اسماعیل نے نوجوانی سے اپنے باپ جناب ابراہیمؑ کی معاونت کی خاص طور پر اپنے والد کے کہنے پر اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اور خانۂ کعبہ کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا۔ قرآن مجید میں ان کی خصوصیات کا یوں تذکرہ کیا ہے:

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اسمعيل اِنَّه كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُولاً نَبِيّاً O وَ كَانَ يَامُرُ اَهْلَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ ربه مَرضيًا۔

ترجمہ: (اے رسول) قرآن میں اسماعیل کا (بھی) تذکرہ کرو اس میں شک نہیں کہ وہ وعدہ کے سچے تھے اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اور اپنے گھر کے لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تاکید کیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔

کسی معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک مصلح کا ہونا ضروری ہے ہر نبی کی یہ خاصیت تھی کہ وہ لوگوں کو خدا کی وحدانیت کی دعوت دیتا اور عمل و اخلاقیات کی باتیں بتاتا اور ہر نبی نے سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو دعوت دی اور عمل کرایا اس کے بعد دوسروں کو تلقین کی۔ مذکورہ آیت میں بھی حضرت اسماعیلؑ کے اوصاف بیان ہوئے کہ وہ وعدہ کے پابند رسول اور پیغمبر تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے جس کی وجہ سے اللہ ان سے راضی تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت لوطؑ کا تذکرہ متعدد بار کیا گیا چنانچہ آپ کا نام گرامی ۲۷ مرتبہ قرآن میں آیا حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں ذکر ہے:

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (۹۰)

ترجمہ: تب صرف لوطؑ ابراہیمؑ پر ایمان لائے اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف سے جہاں اس کو منظور ہو نکل جاؤں گا اس میں شک نہیں کہ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت لوطؑ کی قوم کے بہت سے گناہ تھے جس کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا حضرت لوطؑ نے علم اور حکمت سے جو آپ کو پروردگار کی جانب سے عطا ہوئی اپنی قوم کو تبلیغ کرتے تھے اس کے باوجود سوائے چند ان کے پیروں کاروں کے ان کی قوم نے ان کی کوئی بات نہ مانی بالاخر خداوند کریم نے ان کے برے کاموں کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔ سورۂ انبیا میں ارشاد ہے:

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (۹۱)

ترجمہ: اور لوطؑ کو بھی ہم ہی نے فہم سلیم اور نبوت عطا کی اور ہم ہی نے اس بستی سے جہاں کے لوگ

بدکاریاں کرتے تھے نجات دی اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے بدکار آدمی تھے اور ہم نے لوطؑ کو اپنی رحمت میں داخل کرلیا اس میں شک نہیں کہ وہ نیکوکار بندوں سے تھے۔

قومِ لوط کے بہت سے گناہ تھے لیکن ایک گناہ ایسا تھا جو معاشرہ کے لئے ناسور تھا جو مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنا، قرآن اس برے کام کے بارے میں متعدد آیات میں نقل کیا ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ نِ الْمُرْسَلِيْنَ O اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ اَلاَ تَتَّقُوْنَ O اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ O فَاتَّقُوْا اللهَ وَاَطِيْعُوْنِ O وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلاَّ عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ O وَتَذَرُوْنَ مَاخَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ O (۹۲)

ترجمہ: اسی طرح لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا کہ تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے تو یقیناً تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تو تم سے اس تبلیغ رسالت پر کچھ مزدوری بھی نہیں مانگتا میری مزدوری تو بس ساری خدائی کے پالنے والے (خدا) پر ہے، کیا تم لوگ شہوت پرستی کے لئے سارے جہان کے لوگوں میں مردوں ہی کے پاس جاتے ہو اور تمہارے واسطے جو بی بیاں تمہارے پروردگار نے پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو (یہ کچھ نہیں) بلکہ تم لوگ حد سے گزر جانیوالے آدمی ہو۔

حضرت اسحاق علیہ السلام

حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دوسرے فرزند ہیں جن کی بشارت قرآن میں درج کی گئی ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرزند کے لئے دعا کی تھی خداوند کریم نے دعا کو قبول فرمایا:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (۹۳)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی جو انبیا صالحین میں سے تھے۔

حضرت اسحاقؑ کے بارے میں قرآن میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی البتہ ایک اور آیت میں حضرت ابراہیمؑ کو ان کے بیٹے اور پوتے کی نوید سنائی ہے:

وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۔ (انبیا: ۷۲)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیمؑ کو انعام میں اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے سب کو نیک بخت بنایا۔

حضرت اسحاقؑ کی نسل میں پروردگار عالم نے دو نبی قرار دیئے ایک حضرت یعقوبؑ اور ان کے فرزند حضرت یوسفؑ جنہوں نے مصر پر حکومت کی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

جیسا کہ گذشتہ مضمون میں عرض کیا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے اور پوتے دونوں کی بشارت دی گئی اور انعام کے طور پر عطا کیا گیا حضرت اسحاق کے بعد جس پیغمبر کا ذکر قرآن میں ملتا ہے وہ ہیں حضرت یعقوبؑ جو کہ بنی اسرائیل کے بزرگ ہیں اسی لئے ان کا نام اسرائیل بھی آیا ہے قرآن میں ان کا نام اسرائیل دو بار ذکر ہوا اور یعقوبؑ نام سولہ بار ذکر ہوا ہے۔ جن میں سے ہم چند کا تذکرہ اختصار کی وجہ سے کر رہے ہیں۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ(۹۵)

ترجمہ: اور اسی طریقہ کی ابراہیم نے اپنی اولاد سے وصیت کی اور یعقوبؑ نے (بھی) کہ اے فرزند خدا نے تمہارے واسطے اس دین (اسلام) کو پسند فرمایا ہے پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہی ہو کر (اے یہود)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔(۹۵)

ترجمہ: کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سر پر موت آ کھڑی ہوئی اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے کہنے لگے ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ داداؤں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے معبود خدائے یکتا کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں (اے یہود)

حضرت یعقوبؑ حالات و واقعات حضرت یوسفؑ کے قصے کے ساتھ بیان ہوتے ہیں جن میں آپ کے فرزندوں کا حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالنے کا قصہ پھر حضرت یعقوبؑ کا حضرت یوسفؑ کی جدائی پر گریہ کر کے آنکھیں سفید کرنا اور بینائی سے محروم ہونا اور آپ کے صبر و استقامت کا ذکر ہے آپ کے فرزندوں کی حکومت کا ذکر وغیرہ۔

حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسفؑ کا شمار بھی انبیا بنی اسرائیل میں ہوتا ہے جن کا ذکر قرآن میں سورۂ یوسف میں پچیس مرتبہ اور سورۂ انعام اور غافر میں بھی آیا ہے حضرت یوسفؑ کا ذکر سورۂ انعام میں یوں کیا گیا ہے:

وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَ مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ(۹۷)

ترجمہ: اور ان ہی (ابراہیمؑ) کی اولاد سے داؤد سلیمان وایوب و یوسف وموسیٰ وہارون (سب کی ہم نے ہدایت کی) اور نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں۔

سورۂ غافر کی ایک اور آیت میں آپ کا ذکر آیا ہے:

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابُ(۹۸)

ترجمہ: اور اس سے پہلے یوسف بھی تمہارے پاس معجزے لے کر آئے تھے جو جو لائے تھے تو تم لوگ اس میں برابر شک ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب انہوں نے وفات پائی تو تم کہنے لگے کہ اب ان کے بعد خدا ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا جو حد سے گزر جانے والا اور شک کرنے والا ہو خدا اسے یوں گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے قصے کے کئی پہلو ہیں جو ہمارے معاشرے کے لئے باعثِ عبرت ہیں حضرت یوسفؑ کے حالات قرآن مجید میں پورے سورۂ یوسفؑ میں پروردگارِ عالم نے جمع کر دیئے ہیں جناب یوسفؑ کا اپنے والد جناب یعقوب سے اپنا خواب بیان کرنا اور حضرت یعقوبؑ نے جناب یوسف کو منع کیا کہ وہ اپنے حاسد بھائیوں سے اس خواب کا تذکرہ نہ کرے بے شک تمہارا خواب سچا ہے تمہارا پروردگار تم کو نبوت کے منصب پر فائز کرے گا خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور یہ فن تمہارے بزرگوں کے پاس تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو نقصان پہنچانے کی سازش تیار کی جس کو قرآن نے نقل کیا کہ کس طرح سارے بھائیوں نے مل کر حضرت یوسفؑ کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اعجاز قدرت سے حضرت یوسفؑ کو ایک قافلے والوں نے نکال لیا اور اپنے ساتھ مصر لے گئے وہاں

اپنی کمسنی اور خوبصورتی کی وجہ سے ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن گئے بالاخر عزیز مصر کے دربار میں بحیثیت غلام لائے گئے پھر ایک وقت وہ آیا کہ عزیز مصر کی زوجہ زلیخا نے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہا لیکن حضرت اس کے بہکائے میں نہیں آئے نتیجتاً اس نے آپ کو قید خانہ میں ڈلوا دیا ادھر حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند کی جدائی میں گریہ کناں رہے یہاں تک کہ اپنی آنکھیں سفید کرلیں۔لیکن حضرت یوسفؑ کے جہاد نفسانی اور حضرت یعقوب کے صبر کا پھل میٹھا ملا اور حضرت یوسفؑ کو پروردگار عالم نے مصر کی بادشاہی عطا کی جن لوگوں نے ان کو غلام بنایا قحط سالی نے ان کو جناب یوسف کا غلام بننے پر مجبور کردیا چنانچہ تفسیر میں درج ہے کہ:

''جب سابق عزیز مصر جس کا نام قطفیر تھا اور زلیخا کا شوہر تھا مر گیا تو قحط کے زمانے میں زلیخا بہت محتاج ہوگئی یہاں تک کہ بھیک مانگنے لگی لوگوں نے اس سے کہا تو حضرت یوسف کے سامنے کیوں نہیں جاتی وہ بولی حیا مانع ہے جب لوگوں کا زیادہ اصرار ہوا تو ایک دن بر سر راہ کھڑی ہوئی جب حضرت یوسفؑ کی سواری ادھر سے گذری تو بیساختہ اس کی زبان سے نکلا۔''پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس نے بادشاہوں کو نافرمانی کی وجہ سے غلام بنادیا اور غلاموں کو فرمانبرداری کی وجہ سے بادشاہ''(۹۹)

زلیخا کا یہ جملہ ان ہوس پرستوں اور دنیا پرستوں کے لئے ایک عبرت ناک سبق ہے جو متکبرین مستضعفین پر ظلم روا رکھتے ہیں ان کا یہی انجام ہوتا ہے۔ بہر کیف حضرت یعقوبؑ کو خدا نے حضرت یوسف سے ملا دیا بینائی واپس آگئی بھائیوں کو معاف کردیا حضرت یوسفؑ مصر کی حکومت پر متمکن رہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیبؑ بھی ایک عظیم المرتبت نبی گذرے ہیں جو بعد حضرت لوطؑ کے مبعوث ہوئے کیونکہ قرآن میں قوم لوط کے بعد تذکرہ ملتا ہے دیگر انبیا کی طرح حضرت شعیب کو بھی تبلیغ دین میں بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام کی کوششیں اور فساد فی الارض کی مذمت کی لیکن ان کی قوم نے بھی آپ کی نافرمانی کی اور آپؑ کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور بالاخر آپؑ کی قوم کو بھی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔

وَإِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَ تْكُمْ بَيِنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلاَ تَبْخَسُو النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلاَ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاَحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَلاَ تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ○ (۱۰۰)

ترجمہ: ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا تو انہوں نے ان لوگوں سے کہا اے میری قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی دوسرا تمہارا معبود نہیں (اور) تمہارے پاس تو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح و روشن معجزہ (بھی) آچکا تو ناپ اور تول پوری کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی خریدی ہوئی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح ودرستی کے بعد فساد نہ کرتے پھرو اگر تم سچے ایمان دار ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور تم لوگ جو راستوں پر (بیٹھ کر) جو خدا پر ایمان لایا ہے اس کو ڈراتے ہو اور خدا کی راہ سے روکتے ہو اور اس کی راہ میں (خواہ مخواہ) کجی ڈھونڈ نکالتے ہو، اب نہ بیٹھا کرو۔

مزید اور آیات میں حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو انذار کیا:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَ لاَ تَنْقُصُو الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ○ وَيٰقَوْمِ اَوْفُو الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلاَ تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلاَ تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

مُفۡسِدِیۡنَ ○ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ○ (۱۰۱)

ترجمہ: اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم خدا کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودگی میں دیکھ رہا ہوں (پھر گھٹانے کی کیا ضرورت ہے) اور میں تو تم پر اس دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو (سب کو) گھیر لے گا، اور اے میری قوم پیمانہ اور ترازو انصاف کے ساتھ پورے پورے رکھا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور روئے زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو اگر تم سچے مومن ہو تو خدا کا بقیہ تمہارے واسطے کہیں اچھا ہے اور میں تو کچھ تمہارا نگہبان نہیں۔

اصلاح معاشرہ کے لئے حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو متنبہ کیا:

وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡھٰکُمۡ عَنۡہُ اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَاِلَیۡہِ اُنِیۡبُ (۱۰۲)

ترجمہ: تو میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لوگوں اور میں تو یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تم کو روکوں تمہارے برخلاف آپ اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے بن پڑے اصلاح کے سوا کچھ اور چاہتا ہی نہیں اور میری تائید تو خدا کے سوا کسی سے ہو ہی نہیں سکتی اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے۔

حضرت پر وہی الزامات لگائے جو گذشتہ انبیا کی قوموں نے لگائے تھے، چادر کے اثرات دیوانہ بشر ہونے پر اعتراض، معاشرہ کی سیادت، شہر بدری کی وگد بالاخر قوم شعیبؑ پر عذاب نازل کیا گیا سورۂ اعراف وھود میں عذاب مختلفہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ

حضرت موسیٰ ان اولوالعزم انبیا میں سے ہیں جو صاحب کتاب وشریعت نبی ہیں جنھوں نے اپنے دور کے ظالم و جابر فرعون کے خلاف جہاد کیا اور چھوٹی سی جماعت کے ساتھ فرعون کا مقابلہ کیا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور ظالم وجابر فرعون کا تذکرہ یوں کیا۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ(۳)اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ(۴) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ(۵)وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ(٦) (۱۰۳)

ترجمہ: ہم تمہارے سامنے موسیٰ اور فرعون کا واقعہ ایماندار لوگوں کے نفع کے واسطے ٹھیک بیان کرتے ہیں بے شک فرعون نے (مصر کی) زمین میں بہت سر اٹھایا تھا اور اس نے وہاں کے رہنے والوں کو کئی گروہ کر دیا تھا ان میں سے ایک گروہ نے بنی اسرائیل کو عاجز کر رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کروا تا تھا اور ان کی عورتوں (بیٹیوں) کو زندہ چھوڑ دیتا تھا بے شک وہ بھی مفسدوں میں سے تھا اور ہم تو یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ روئے زمین میں کمزور کر دیئے گئے ان پر احسان کریں اور ان ہی کو لوگوں کا پیشوا بنائیں اور ان ہی کو اس سرزمین کا مالک بنائیں اور ان ہی کو روئے زمین پر پوری قدرت عطا کریں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان ہی کمزوروں کے ہاتھ سے وہ چیزیں دکھائیں جس سے یہ لوگ ڈرتے تھے اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے پاس یہ وحی بھیجی۔

سورۂ قصص میں مزید جناب موسیٰ کے حالات کا ذکر ہے کہ کس طرح ان کو دریا کے حوالے کیا اور فرعون کے دربار تک صندوق کا پہنچایا اور حضرت موسیٰ کی رضاعت ماں کے ذریعے قدرت کا انتظام پروردگار نے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور یوں فرعون کے گھر میں ایک نبی کی پرورش ہوئی جو اسی فرعون کا غرور وتکبر خاک میں ملانے والا تھا فرعون کے محل میں

پروان چڑھ کر جوان ہوئے خداوند کریم نے ان کو علم و حکمت عطا کی۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ (۱۰۴)

ترجمہ: اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور (ہاتھ پاؤں نکال کے) درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا کیا اور نیکی کرنے والوں کو ہم یوں جزائے خیر دیتے ہیں۔

سورۂ قصص میں اور بھی مطالب بیان ہوئے ہیں ہم اختصار کے ساتھ موسیٰؑ کے حالات کا تذکرہ کریں گے جب انہوں نے اپنے ایک پیروکار کی مدد کی جس سے ان کے ہاتھ سے ایک قتل ہو گیا اور قوم ان کے قتل کے درپہ ہو گئی اور ان کو شہر چھوڑ کر جانا پڑا مصر سے مدین کا رخ کیا اللہ سے ہدایت چاہی پھر موسیٰ مدین پہنچے تو ان کی ملاقات حضرت شعیبؑ سے ہوئی حضرت شعیبؑ نے انہیں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک سے شادی کی پیشکش کی اور اس کے لئے ملازمت بھی دی گئی سال حضرت موسیٰ مدین میں رہے اور پھر مدین کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف مصر کا رخ کیا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ کوہِ طور کی طرف آرہے تھے کہ آگ دیکھی قریب پہنچے تو پروردگارِ عالم نے ان سے کلام کر کے سعادت بخشی اور نبوت عطا کی اور آپ کلیم اللہ کے لقب سے ملقب ہوئے دو معجزے عطا ہوئے ایک عصا جو سانپ بن جاتا تھا اور دوسرا معجزہ ید بیضا قرار پایا حضرت موسیٰ کے خوف کو پروردگار نے امن سے بدل دیا اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار قرار دیا کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے مقابلے اور تبلیغی کاموں کے لئے دعا کی تھی کہ میرے سینے کو کھول دے میرے کام کو آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار قرار دے تاکہ میری کمر اس کی وجہ سے مضبوط ہو اور ہم تیری تسبیح اور ذکر زیادہ کریں۔

پھر پروردگار نے ان دونوں کو فرعون کی سرکشی کو روکنے کے لئے بھیجا اور انہیں مدد کا یقین دلایا اور کہا کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس میری دونوں نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم خداوند کریم کے بھیجے ہوئے نمائندے ہیں فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا پھر موسیٰؑ اور فرعون میں مقابلہ ہوا پھر حضرت موسیٰؑ دونوں معجزے عصا اور ید بیضا پیش کیا تو موسیٰ کو جادوگر قرار دیا جھوٹا اور دیوانہ کہا بہرحال فرعون نے اپنے جادوگروں کو موسیٰ کے سامنے اپنے جادو کا اظہار کا کہا انہوں نے رسیوں کو سانپ بنادیا حضرت موسیٰؑ نے عصا کو اژدھا بنا کر ان سانپوں کو نگلوادیا جادوگر سجدے میں گر گئے اور موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لے آئے اور قوم کے چند لوگ بھی موسیٰؑ پر ایمان لے آئے اور موسیٰؑ نے ان کو دشمن کی اذیت سے تسلی دی ادھر فرعون نے اپنے درباریوں کے ساتھ مل کر موسیٰ اور ان کی قوم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ خدا نے آل فرعون پر مختلف آزمائشیں بھیج دیں قحط سالی، بیماریوں کے ذریعہ تنبیہ کی شاید وہ سمجھ جائیں لیکن وہ نہ جانے ان پر عذاب

نازل ہونے والا تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ نے ساتھ یہ عہد لیا کے آل فرعون پر مختلف عذاب طوفان، ٹڈیوں کی شکل میں کیڑے مکوڑوں، مینڈک اور خون جیسی نشانیاں نازل کیں انہوں نے تکبر کیا فرعون اور اس کے لشکر کو دریا میں غرق کر دیا فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ موسیٰ اور ان کے حواریوں کا تعاقب کیا تا کہ انہیں قتل کر دیں لیکن پروردگار نے مدد کی دریا میں عصا کے مارنے سے راستہ پیدا ہوا اور ان لوگوں نے دریا کو عبور کر لیا جب کہ فرعون اور اس کا لشکر عین دریا کے بیچ پہنچا تو اس کو غرق کر دیا اس طرح غرور کا سر نیچا ہوا۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ أَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الأَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (۱۰۵)

اور ہم نے وارث بنایا زمین کے شرق وغرب کا اس قوم کو جسے (ظلم وستم کی زنجیروں میں جکڑ کے) کمزور کر دیا گیا تھا اور بنی اسرائیل نے چونکہ صبر کیا اس لئے تیرے رب کا نیک وعدہ ان کے لئے پورا ہوا، اور جو (قصرِ مجلّل) فرعون اور اس کی قوم نے بنائے تھے اور جو مچان دار باغات انھوں نے تیار کئے تھے ان سب کو ہم نے مسمار کر دیا۔

جناب موسیٰ کے حوالے سے قرآن میں بہت سے واقعات بیان ہوئے ہم اسی اکتفا کرتے ہیں اور اپنے بیان کو اختصار کی وجہ سے تمام کرتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤدؑ بنی اسرائیل کے انبیا میں سے ہیں صاحب کتاب ہیں قرآن مجید میں ان کا تذکرہ سولہ بار آیا ہے حضرت داؤدؑ کو نبوت کے ساتھ کتاب عطا کی، علم وحکمت سے نوازا صنعت وحرفت کی تعلیم دی ایک پاکیزہ فرزند عطا کیا، حکمرانی عطا کی، لوہا ان کے ہاتھ میں نرم ہوجاتا ایسا معجزہ عطا کیا خلاصہ یہ کہ کائنات کو ان کے سامنے مسخر کردیا جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ(۱۰۶)

ترجمہ: اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب قرار دیا تو تم لوگوں کے درمیان بالکل ٹھیک فیصلہ کرلیا کرو اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ یہ پیروی تمہیں خدا کی راہ سے بہکا دے گی اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کی بڑی سخت سزا ہوگی کیونکہ ان لوگوں نے حساب کے دن (قیامت) کو بھلا دیا۔

حضرت داؤدؑ طالوت و جالوت کی جنگ میں طالوت کے ہمراہ تھے کیونکہ فتنہ وفساد کو دور کرنے کے لئے جہاد کرنا پڑتا ہے طالوت کو سربراہی حاصل تھی جیسا کہ ارشاد ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ(۱۰۷)

ترجمہ: اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بے شک خدا نے تمہاری درخواست کے مطابق طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا تب کہنے لگے اس کی حکومت ہم پر کیوں کر ہوسکتی ہے حالانکہ سلطنت کے حقدار اس سے

زیادہ تو ہم ہیں کیونکہ اسے تو مال کے اعتبار اسے بھی فارغ البالی (تک) نصیب نہیں نبی نے کہا خدا نے اسے تم پر فضیلت دی ہے اور مال میں نہ سہی مگر علم اور جسم کا پھیلاؤ تو اس کا خدا نے زیادہ فرمایا ہے اور خدا اپنا ملک جسے چاہے دے اور خدا بڑی گنجائش والا اور واقف کار ہے۔

بہرحال حضرت داؤدؑ نے اس جنگ میں حق کا ساتھ دیا اور کامیابی بھی حاصل کی اس استقامت کے عوض پروردگار نے ان کو نبوت عطا کی فرمانِ الٰہی ہے:

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (۱۰۸)

ترجمہ: تو ان لوگوں نے خدا کے حکم سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا اور خدا نے ان کو سلطنت وتدبیر وتمدن عطا کی اور علم وہنر جو چاہا انھیں گویا گھول کر پلا دیا اور اگر خدا بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کا دفع شر نہ کرتا تو تمام روئے زمین میں فساد پھیل جاتا مگر خدا تو سارے جہان کے لوگوں پر فضل (ورحم) کرتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت داؤدؑ کے بعد قرآن میں ان کے فرزند حضرت سلیمان حضرت داؤدؑ کی طرح بلکہ ان سے زیادہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت اور حکومت عطا کی تھی دنیا حکومت کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی آپ کے تابع تھی زمین سے لے کر ہوا تک تمام چیزیں آپ کے لئے مسخر کی گئیں تھیں قرآن مجید میں ان کا ذکر بھی سولہ مرتبہ آیا ہے حضرت سلیمان کی صفات و خصائل، ان جاہ حشم، ان کی آزمائش ان کی بادشاہت کی وسعت، ملکہ سبا کا قصہ اور آپؑ کی وفات کا حال قرآن نے نقل کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ(۱۰۹)

ترجمہ: ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور دونوں نے (خوش ہوکر) کہا خدا کا شکر جس نے ہم کو اپنے بہتیرے ایماندار بندوں پر فضیلت دی۔

ایک اور آیت میں حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کا وارث قرار دیا:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ(۱۱۰)

ترجمہ: اور علم حکمت جائداد منقولہ غیر منقولہ سب میں سلیمان داؤدؑ کے وارث ہوئے اور کہا لوگوں ہم کو

(خدا کے فضل سے) پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں دنیا کی ہر چیز عطا کی گئی ہے اس میں

شک نہیں کہ یہ یقینی خدا کا صریحی فضل و کرم ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے عظیم حکومت کی دعا کی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ(۱۱۱)

ترجمہ: اور کہا پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے وہ ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے واسطے شایاں نہ ہو

اس میں شک ہی نہیں کہ تو بڑا بخشنے والا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے حکومت اپنے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو توحید خداوندی کی طرف راغب کرنے کے لئے

لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے طلب کی تھی کیونکہ انسانوں کی فطرت ہے جو اس کے حاکم کا دین

ہوتا ہے اسی کو اپناتے ہیں بہرحال حضرت سلیمانؑ کی نیت سچی تھی اور وہ بلند مقصد کے لئے چاہتے تھے کہ انہیں حکومت عطا

ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔

حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ایوبؑ ایک عظیم المرتبت نبی تھے صاحبِ کتاب تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے۔حضرت ایوبؑ ان انبیا میں سے ہیں جن کی آزمائش بہت سخت تھی جس کی وجہ سے ان کو مصائب والام کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا طویل عرصے تک مریض رہے مفلسی وناداری کی مصیبت الگ تھی پروردگارِ عالم نے اس پانی کے چشمے کے ذریعے علاج کیا۔بعض مرتبہ بیماریاں اور تکالیف قربِ الٰہی کا باعث ہوتی ہیں اور آزمائش تقریباً بیس سال تک رہی جس پر آپ نے صبر کیا خداوندِ کریم سے کبھی شکوہ نہیں کیا بلکے صبر وشکر سے اس مصیبت کو جھیلا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے صبر کا بدلہ دگنا عطا کیا ان کی بیوی بچے جدا ہو گئے تھے ان کو دوبارعطا کئے جیسا کہ چند آیات سے ظاہر ہے:

وَاَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ(۱۱۲)

ترجمہ:اور(اے رسول) ایوب کا قصہ یاد کرو جن انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ خداوندا بیماری تو میرے پیچھے لگ گئی ہے اور تو تو سب رحم کرنیوالوں سے کہیں بڑھ کے ہے مجھ پر ترس کھا۔

ان کے حالات کا تذکرہ ایک اور آیت میں کیا گیا ہے:

فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَکَشَفۡنَا مَا بِہٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّ اٰتَیۡنٰہُ اَہۡلَہٗ وَمِثۡلَہُمۡ مَّعَہُمۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِکۡرٰی لِلۡعٰبِدِیۡنَ(۱۱۳)

ترجمہ: مجھ پر ترس کھا تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کا جو کچھ دکھ درد تھا دفع کر دیا اور ہم نے ان کے لڑکے بالے بلکہ ان کے ساتھ اتنی ہی اور بھی محض اپنی خاص مہربانی سے اور عبادت کرنے والوں کی عبرت کے واسطے عطا کئے۔

بہرحال پروردگارِ عالم انسان کو کبھی نعمات دے کر آزماتا ہے کہ اس کا بندہ کتنا شکر گذار ہے اور کبھی نعمتوں کو چھین کر آزماتا ہے کہ میرا بندہ کتنا صابر ہے حضرت ایوبؑ کو خدا نے نعمات دیں اور صحت، مال ودولت، بیوی، بچے کی جدائی سے آزمایا گیا اور حضرت ایوبؑ اس امتحان میں پورے اترے۔

حضرت یونس علیہ السلام

حضرت یونسؑ اپنی قوم کی طرف بحیثیت نبی مبعوث ہوئے ان کا ذکر قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے اپنی قوم سے مایوس ہو کر چلے گئے اور کشتی میں سوار تھے کہ مچھلی نے نگل لیا حضرت یونسؑ کیونکہ اپنی قوم سے ناراض تھے اور عذاب کی بدعا کر چکے تھے اس کے باوجود قوم کے نائب ہونے کی وجہ سے عذاب ٹل گیا جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ ناراض ہوئے اور پھر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مچھلی کے پیٹ میں جانا پڑا یہ پروردگار عالم کی جانب سے ایک تنبیہ تھی جسے حضرت یونسؑ سمجھ گئے اور پھر انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی تسبیح شروع کر دی تا کہ خداوند کریم ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دلائے اور پروردگار بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت یونسؑ مچھلی کی غذا بن جائیں اسی لئے ان کو مچھلی کے پیٹ میں بھی محفوظ رکھا جیسا کہ ارشاد ہے:

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۵)

ترجمہ: اور ذوالنون (یونس کو یاد کرو) جب کہ غصہ میں آ کر چلے اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر روزی تنگ نہ کریں گے تو ہم نے انہیں مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں گھبرا کر چلا اٹھا کہ پروردگارا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک و پاکیزہ ہے بے شک میں قصوروار ہوں تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں رنج سے نجات دی اور ہم تو ایمان داروں کو یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام

حضرت زکریؑ کا شمار بھی انبیا کی فہرست میں ہوتا ہے ان کا تذکرہ سب سے زیادہ سورہ آل عمران میں ہے اس کے علاوہ دیگر سوروں میں بھی ہے البتہ مجموعی طور پر آپ کا قرآن میں سات بار ذکر آیا ہے جیسا کہ قرآن میں سورۂ انعام میں آپ کی پاکیزگی نفس کی گواہی موجود ہے:

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ (۱۱۵)

ترجمہ: اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰؑ والیاس سب کی ہدایت کی اور یہ سب خدا کے نیک بندوں سے ہیں۔

حضرت زکریؑ کی ایک اور بڑی سعادت یہ تھی کہ پروردگار عالم نے مادر عیسیٰؑ جناب مریمؑ کی کفالت کی ذمہ داری ان کو سونپی حضرت زکریا حضرت مریم میں کرامات عصمت کا نور مشاہدہ کرتے اور بعض غیر معمولی خصوصیات حضرت مریمؑ میں پاتے حضرت زکریؑ نے ان کے طفیل اپنے لئے بھی اولاد کی دعا کی:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (۱۱۶)

ترجمہ: (یہ ماجرا دیکھتے ہی) اسی وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کی کہ اے میرے پالنے والے تو مجھ کو بھی اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور بڑھاپے میں اولاد کی بشارت دی جب کہ ان کی زوجہ بانجھ تھیں ان کے فرزند کا نام یحییٰ رکھا گیا۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِينَ (۱۱۷)

ترجمہ: ابھی زکریا حجرے میں کھڑے (یہ) دعا کر ہی رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کو آواز دی کہ خدا تم کو یحییٰ کے پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ عیسیٰؑ کی تصدیق کرے گا اور لوگوں کا سردار ہوگا عورتوں کی طرف رغبت نہ کرے گا اور نیکوکار نبی ہوگا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

جیسا کہ ہم نے حضرت زکریاؑ کے مختصر حالات میں تذکرہ کیا کہ خدا نے آپؑ کو ایک فرزند عطا کیا جس کا نام خود خالق نے تجویز کیا حضرت یحییٰ کا نام قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ان کا زمانہ اور حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ ایک ہی تھا حضرت یحییٰ کو پروردگار نے بچپن ہی میں نبوت عطا کردی تھی اور وہ امت کے رہنما قرار پائے حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کرنے والے نبی تھے آپ کی صفات کو مختلف آیات میں ذکر کیا گیا ہے جس میں سید و سردار، اپنے نفس کو خواہشات سے محفوظ رکھنے والا، عبد صالح، امام، شفیق ومہربان، پاکیزہ نفس کے حامل، صاحب تقویٰ، والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے خالق کی طرف سے سراپا سلامتی جیسا کہ پروردگار کا ارشاد ہے:

وَسَلٰمٌ عَلَیۡهِ یَوۡمَ وُلِدَ وَیَوۡمَ یَمُوۡتُ وَیَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا (۱۱۸)

ترجمہ: اور (ہماری طرف سے) ان پر (برابر) سلام ہے جس دن پیدا ہوئے اور جس دن مریں گے اور جس دن (دوبارہ) زندہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔

یہ حضرت یحییٰؑ کی بڑی سعادت تھی کہ ان کی زندگی سلامتی موت میں سلامتی اور دوبارہ اٹھائے جانے میں سلامتی کی ضمانت پروردگار دے رہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰؑ پروردگارِ عالم کی جانب سے مبعوث ہونے والے ایک بزرگ پیغمبر ہیں جن کی ولادت تمام انبیا سے منفرد تھی آپ صاحب کتاب وشریعت نبی ہیں اور متعدد معجزات کے حامل ہیں قرآن مجید میں آپ کا نام چھتیس بار آیا ہے البتہ آپ کو دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ایک مسیح دوسرے عیسیٰؑ کے نام سے ذکر ہے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کا خدا نے خصوصی انتظام فرمایا اور بغیر باپ کے حضرت مریمؑ کو بیٹے کی بشارت دی جس پر حضرت مریمؑ کو حیرت ہوئی کہ عورت مرد کے بغیر بچہ کیسے متولد کر سکتی ہے خالق نے جواب دیا کہ اللہ جو چاہتا ہے خلق فرماتا ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ (۱۱۹)

ترجمہ: خدا کے نزدیک تو جیسے عیسیٰ کی حالت ویسی ہی آدمؑ کی حالت کہ ان کی مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہو جا پس (فوراً ہی) وہ (انسان) ہو گیا۔

خدا مثال دے رہا ہے حضرت آدمؑ کہ جن کے ماں باپ دونوں نہیں تھے اس کے باوجود اللہ نے انہیں خلق فرمایا۔ بہرحال جب حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی تو ان کے لوگوں نے اعتراض کیا اور تہمت لگائی جس پر آپؑ نے فرمایا تم خود اس بچے سے پوچھ لو انہوں نے حیرت سے کہا ہم اس بچے سے کیسے کلام کریں جو خود ابھی گہوارے میں ہے چنانچہ اعجازِ قدرت سے حضرت عیسیٰؑ گویا ہوئے:

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (۱۲۰)

ترجمہ: وہ بچہ قدرت خدا سے بول اٹھا کہ میں بیشک خدا کا بندہ ہوں مجھ کو اسی نے کتاب (انجیل) عطا فرمائی ہے اور مجھ کو نبی بنایا۔

حضرت عیسیٰ کی خصوصیات میں ایک خاصیت تھی کہ وہ باقی انبیا سے منفرد متولد ہوئے اور پیدائشی نبی بنے اللہ نے ان کے وجود مبارک کو بابرکت بنایا نماز وزکوٰۃ کی تلقین کی اپنی والدہ کے ساتھ شفیق اور مہربان تھے حضرت یحییٰ کی طرح سراپا سلامتی تھے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات عطا فرمائے خود حضرت سراپائے اعجاز تھے کتاب وحکمت تورات وانجیل کی تعلیم دی گئی آپ صراط مستقیم پر گامزن تھے ان کو شریعت عطا ہوئی جیسے دیگر اولوالعزم انبیا کو عطا کی گئی حضرت عیسیٰ کے معجزات کو قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۲۱)

ترجمہ: وہ وقت یاد کرو جب خدا فرمائے گا کہ اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ ہم نے جو احسانات تم پر اور تمہاری ماں پر کئے انہیں یاد کرو جب ہم نے روح القدس (جبرائیل) سے تمہاری تائید کی کہ تم جھولے میں (پڑے پڑے) اور اڈھیڑ ہوکر (یکساں) باتیں کرنے لگے اور جب ہم نے تمہیں لکھنا اور عقل و دانائی کی باتیں اور توریت وانجیل (یہ سب چیزیں) سکھائیں اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے چڑیا کی

مورت بناتے پھر اس پر کچھ دم کر دیتے تو وہ میرے حکم سے (سچ مچ) چڑیا بن جاتی تھی اور جب تم میرے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے اور جب تم میرے حکم سے مردوں کو (زندہ کر کے قبروں سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جس وقت تم بنی اسرائیل کے پاس معجزے لے کر آئے اور اس وقت میں نے ان کو تم پر (دست درازی) کرنے سے روا کا تو ان میں سے بعض کفار کہنے لگے یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔

حضرت عیسیٰ نے مختلف معجزات پیش کئے مٹی کے پرندوں کو زندہ کیا خدا کے حکم سے نابیناؤں اور برص کے مریضوں کو شفا دی غیب کی باتیں بتائیں اس کے باوجود وہ لوگ آپ کی جان کے درپہ ہو گئے آپ کو جادوگر قرار دیا کبھی اپنے یقین کو مضبوط کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے فرمائش کی کہ وہ خدا سے ہمارے لئے دسترخوان نازل کروائیں کچھ لوگ عیسیٰ پر ایمان لائے اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا بالاخر آپ تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ یہودی آپ کو قتل کرنے کے درپے ہوئے اور انہوں نے اپنی دانست میں انکو سولی پر چڑھا دیا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا:

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْناً (۱۲۲)

ترجمہ: اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح خدا کے رسول کو قتل کر ڈالا حالانکہ نہ تو ان لوگوں نے اسے قتل ہی کیا اور نہ سولی ہی دی مگر ان کے لئے ایک دوسرا شخص عیسیکے مصابہ کر دیا گیا اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں یقیناً وہ لوگ اس کے حالت کی طرف سے دھوکے میں پڑے ہیں ان کو اس (واقعہ) کی خبر ہی نہیں مگر فقط اٹکل کے پیچھے (پڑے ہیں اور عیسی کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔

قرآن مجید میں انبیاء کے تذکرے بیان ہوئے۔ نبی آخرالزمان کے حوالے سے ہم نے ایک الگ خطبات کی فصل تیار کیا ہے جس میں صرف پیغمبر کی بعثت کی ذاتِ انور کے حوالے سے حضرت علی کے ارشادات نقل کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ پیغمبر کے اوصاف یا قرآن بیان کرسکتا ہے یا ناطقِ قرآن بیان کرسکتا ہے۔

وَمِنْ خُطْبَةٍ لَّهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فَتَبَارَكَ اللهُ الَّذِيْ لاَ يَبْلُغُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ وَلاَيَنَالُهُ حَدْسُ الْفِطَنِ الْاَوَّلُ الَّذِيْ لاَغَايَةَ لَهُ فَيَنْتَهِيْ وَلاَ اٰخِرَ لَهُ فَيَنْقَضِيْ۔

(مِنْهَا فِيْ وَصْفِ الْاَنْبِيَآءِ) فَاسْتَوْدَعَهُمْ فِيْٓ اَفْضَلِ مُسْتَوْدَعٍ، وَاَقَرَّهُمْ فِيْ خَيْرِ مُسْتَقَرٍّ تَنَاسَخَتْهُمْ كَرَآئِمُ الْاَصْلاَبِ اِلٰى مُطَهَّرَاتِ الْاَرْحَامِ كُلَّمَا مَضٰى مِنْهُمْ سَلَفٌ قَامَ مِنْهُمْ بِدِيْنِ اللهِ خَلَفٌ. حَتّٰى اَفْضَتْ كَرَامَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ فَاَخْرَجَهُ مِنْ اَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتًا وَاَعَزِّ الْاَرُوْمَاتِ مَغْرِسًا مِّنَ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ صَدَعَ مِنْهَا اَنْبِيَآءَهُ وَانْتَخَبَ مِنْهَا اُمَنَآءَهُ عِتْرَتُهُ خَيْرُ الْعِتَرِ، وَاُسْرَتُهُ، خَيْرُ الْاُسَرِ، وَ شَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ. نَبَتَتْ فِيْ حَرَمٍ وَبَسَقَتْ فِيْ كَرَمٍ لَهَا فُرُوْعٌ طِوَالٌ وَثَمَرَةٌ لاَتُنَالُ فَهُوَ اِمَامُ مَنِ اتَّقٰى وَبَصِيْرَةُ مَنِ اهْتَدٰى . سِرَاجٌ لَمَعَ ضَوْءُهُ وَشِهَابٌ سَطَعَ نُوْرُهُ وَ زَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهُ سِيْرَتُهُ الْقَصْدُ وَسُنَّتُهُ الرُّشْدُ وَكَلاَمُهُ الْفَصْلُ وَ حُكْمُهُ الْعَدْلُ اَرْسَلَهُ عَلٰى حِيْنِ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَهَفْوَةٍ عَنِ الْعَمَلِ، وَغَبَاوَةٍ مِنَ الْاُمَمِ. اِعْمَلُوْا رَحِمَكُمُ اللهُ عَلٰى اَعْلاَمٍ بَيِّنَةٍ فَالطَّرِيْقُ نَهْجٌ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلاَمِ وَاَنْتُمْ فِيْ دَارِ مُسْتَعْتَبٍ عَلٰى مَهَلٍ وَفَرَاغٍ وَالصُّحُفُ مَنْشُوْرَةٌ وَالْاَقْلاَمُ جَارِيَةٌ وَالْاَبْدَانُ صَحِيْحَةٌ وَالْاَلْسُنُ مُطْلَقَةٌ وَالتَّوْبَةُ مَسْمُوْعَةٌ وَالْاَعْمَالُ مَقْبُوْلَةٌ۔ (۱۲۳)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ خدا کہ جس کی ذات حکمت تک بلند پرواز وں کی رسائی نہیں اور نہ عقل وفہم کی قوتیں اسے پاسکتی ہیں وہ ایسا اول ہے کہ جس کے لئے نہ کوئی نقطہ ابتدا ہے کہ وہ محدود ہوجائے اور نہ کوئی اس کا آخر ہے کہ وہاں پہنچ کرختم ہوجائے۔

اسی خطبہ میں فرمایا: اس نے ان (انبیا) کو بہترین سونپے جانے کی جگہوں میں رکھا اور بہترین ٹھکانوں میں ٹھہرایا وہ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے جب ان میں

سے کوئی گزر جانے والا گزر گیا دوسرا دین خدا کو لے کر کھڑا ہو گیا یہاں تک یہ الٰہی شرف محمدؐ تک پہنچا جنہیں ایسے معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے کہ جو نشو ونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں پیدا کیا اسی شجرہ سے کہ جس سے بہت سے انبیا پیدا کئے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے۔ ان کی عزت بہترین عزت اور قبیلہ بہترین قبیلہ، اور شجرہ بہترین شجرہ ہے جو سرزمین حرم پر اُگا اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا جس کی شاخیں دراز اور پھل دسترس سے باہر ہیں وہ پرہیزگاروں کے امام ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے (سرچشمہ) بصیرت ہیں وہ ایسا چراغ ہیں جس کی روشنی لو دیتی ہے اور ایسا روشن ستارہ جس کا نور ضیا پاش اور ایسا چقماق، جس کی ضو شعلہ نشاں ہے ان کی سیرت افراط و تفریط سے بچ کر سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے ان کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا اور حکم بعین سدفلد ہے اللہ نے انہیں اس وقت بھیجا کہ جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا بدعملی پھیلی ہوئی اور امتوں پر غفلت چھائی ہوئی تھی اللہ تم پر رحم کرے روشن نشانوں پر جم کر عمل کرو راستہ بالکل سیدھا ہے وہ تمہیں سلامتیوں کے گھر جنت کی طرف بلا رہا ہے اور ابھی تم ایسے گھر میں ہو کہ جہاں تمہیں اتنی مہلت و فراغت ہے کہ اس کی خوشنودیاں حاصل کر سکو ابھی موقع ہے چونکہ اعمال نامے کھلے ہوئے ہیں قلم چل رہے ہیں بدن تندرست و توانا ہیں زبان آزار ہے توبہ سنی جاسکتی ہے اور اعمال قبول کئے جاسکتے ہیں۔

ومن خطبة له(عليه السلام) بَعَثَهُ وَالنَّاسُ ضُلاَّلٌ فِي حَيْرَةٍ، وَحَاطِبُونَ فِي فِتْنَةٍ، قَدِ اسْتَهْوَتْهُمُ الْأَهْوَاءُ، وَاسْتَزَلَّتْهُمُ الْكِبْرِيَاءُ، وَاسْتَخَفَّتْهُمُ الْجَاهِلِيَّةُ الْجَهْلاَءُ حَيَارَى فِي زَلْزَالٍ مِنَ الْأَمْرِ، وَبَلاَءٍ مِنَ الْجَهْلِ، فَبَالَغَ(صلى الله عليه وآله) فِي النَّصِيحَةِ، وَمَضَى عَلَى الطَّرِيقَةِ، وَدَعَا إِلَى الْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (۱۲۴)

ترجمہ: پیغمبرؐ کو اس وقت بھیجا کہ جب لوگ حیرت و پریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا اور بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں کھو دی تھیں اور حالات کے ڈانوں ڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے چنانچہ نبیؐ نے انھیں سمجھانے بجھانے کا پورا حق ادا کیا خود سیدھے راستے پر جمے رہے اور حکمت و دانائی اور اچھی نصیحتوں کی طرف انہیں بلاتے رہے۔

ومن خطبة له(عليه السلام) أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّداً (صلى الله عليه وآله)، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتَاباً، وَلاَ يَدَّعِي نُبُوَّةً وَلاَ وَحْياً، فَقَاتَلَ بِمَنْ أَطَاعَهُ مَنْ عَصَاهُ، يَسُوقُهُمْ إِلَى مَنْجَاتِهِمْ، وَيُبَادِرُ بِهِمُ السَّاعَةَ أَنْ تَنْزِلَ بِهِمْ، يَحْسِرُ الْحَسِيرُ وَيَقِفُ الْكَسِيرُ فَيُقِيمُ عَلَيْهِ حَتَّى يُلْحِقَهُ غَايَتَهُ، إِلاَّ هَالِكاً لاَ خَيْرَ فِيهِ، حَتَّى أَرَاهُمْ مَنْجَاتَهُمْ وَبَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ، فَاسْتَدَارَتْ رَحَاهُمْ وَ اسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ وَايْمُ اللهِ، لَقَدْ كُنْتُ مِنْ سَاقَتِهَا حَتَّى تَوَلَّتْ بِحَذَافِيرِهَا، وَاسْتَوْسَقَتْ فِي قِيَادِهَا، مَا ضَعُفْتُ، وَلاَ جَبُنْتُ، وَلاَ خُنْتُ، وَلاَ وَهَنْتُ، وَايْمُ اللهِ، لاَبْقُرَنَّ الْبَاطِلَ حَتَّى أُخْرِجَ الْحَقَّ مِنْ خَاصِرَتِهِ. (۱۲۵)

ترجمہ: جب اللہ نے محمدؐ کو بھیجا تو عربوں میں نہ کوئی (آسمانی) کتاب کا پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی نبوت و وحی کا دعوے دار آپ نے اطاعت کرنے والوں کو لے کر اپنے مخالفوں سے جنگ کی درآں حالیکہ آپ ان لوگوں کو نجات کی طرف لے جارہے تھے اور قبل اس کے کہ موت ان لوگوں پر آپڑے ان کی ہدایت کے لئے بڑھ رہے تھے جب کوئی تھکا ماندہ رُک جاتا تھا اور خستہ و درماندہ ٹھہر جاتا تھا تو آپ اس کے سر پر کھڑے ہو جاتے تھے اور اسے اس کی منزل مقصود تک پہنچا دیتے تھے یہ اور بات ہے کہ کوئی ایسا تباہ حال ہو جس میں ذرہ بھر بھلائی ہی نہ ہو یہاں تک کہ آپ نے انہیں نجات کی منزل دکھا دی اور انہیں ان کے مرتبہ پر پہنچا دیا چنانچہ ان کی چکی گھومنے لگی ان کے نیزے کا خم جاتا رہا خدا کی قسم میں بھی انہیں ہکانے والوں میں تھا یہاں تک کہ وہ پوری طرح پسپا ہو گئے اور اپنے بندھنوں میں جکڑ دیئے گئے اس دوران میں نہ میں عاجز ہوا نہ بزدلی دکھائی نہ کسی قسم کی خیانت کی اور نہ مجھ میں کمزوری آئی۔ خدا کی قسم! میں (اب بھی) باطل کو چیر کر حق کو اس کے پہلو سے نکال لوں گا۔

منها: في ذكر النبي(صلى الله عليه وآله) حَتَّى أَوْرَى قَبَساً لِقَابِسٍ وَأَنَارَ عَلَماً لِحَابِسٍ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ، وَشَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ، وَبَعِيثُكَ نِعْمَةً، وَرَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً. اللَّهُمَّ اقْسِمْ لَهُ مَقْسَماً مِنْ عَدْلِكَ، وَاجْزِهِ مُضَعَّفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ. اللَّهُمَّ أَعْلِ عَلَى بِنَاءِ الْبَانِينَ بِنَاءَهُ، وَأَكْرِمْ لَدَيْكَ نُزُلَهُ وَشَرِّفْ عِنْدَكَ مَنْزِلَهُ، وَآتِهِ الْوَسِيلَةَ،

وَأَعْطِهِ السَّنَاءَ وَالْفَضِيلَةَ، وَاحْشُرْنَا فِي زُمْرَتِهِ غَيْرَ خَزَايَا وَلاَ نَادِمِينَ، وَلاَ نَاكِبِينَ وَلاَ نَاكِثِينَ وَلاَ ضَالِّينَ، وَلاَ مَفْتُونِينَ. وقد مضى هذا الكلام فيما تقدم، إلاّ أنّنا كرّرناه هاهنا لما في الروايتين من الاختلاف (۱۲۶)

ترجمہ: **اسی خطبہ کا یہ جز نبیؐ کے متعلق ہے:** یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکانے اور (راستہ کھوکر) سواری کے روکنے والے لئے نشانات روشن کئے (اے اللہ) وہ تیرے بھروسے کا امین اور قیامت کے دن تیرا (ٹھہرایا ہوا) گواہ ہے وہ تیرا نبیؐ مرسل درسول برحق ہے جو دنیا کے لئے نعمت ورحمت ہے (خدایا) تو انہیں اپنے عدل وانصاف سے ان کا حصہ عطا کر اور اپنے فضل سے انہیں دہرے حسنات اجر میں دے (اے اللہ) ان کی عمارت کو تمام معماروں کی عمارتوں پر فوقیت عطا کر اور اپنے پاس ان کی عزت وآبرو سے مہمانی کر اور ان کے مرتبہ کو بلندی وشرف بخش اور انہیں بلند درجہ دے اور رفعت وفضیلت عطا کر اور ہمیں ان کی جماعت میں اس طرح محشور کر کہ نہ ہم ذلیل و رسوا ہوں نہ نادم وپریشان نہ حق سے روگردان، نہ عہد شکن، نہ گمراہ، نہ گمراہ کن اور نہ فریب خوردہ۔ سید ضی کہتے ہیں: یہ کلام اگرچہ پہلے گزر چکا ہے مگر ہم نے پھر اعادہ کہا ہے چونکہ دونوں روایتوں کی لفظوں میں کچھ اختلاف ہے۔

ومن خطبة له (عليه السلام)

وهي من خطب الملاحم

الْحَمْدُ للهِ الْمُتَجَلِّي لِخَلْقِهِ بِخَلْقِهِ، وَالظَّاهِرِ لِقُلُوبِهِمْ بِحُجَّتِهِ، خَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ غَيْرِ رَوِيَّة، إِذْ كَانَتِ الرَّوِيَّاتُ لاَ تَلِيقُ إِلاَّ بِذَوِي الضَّمَاءِ وَلَيْسَ بِذِي ضَمِيرٍ فِي نَفْسِهِ، خَرَقَ عِلْمُهُ بَاطِنَ غَيْبِ السُّتُرَاتِ وَأَحَاطَ بِغُمُوضِ عَقَائِدِ السَّرِيرَاتِ.

منها: في ذكر النبي (صلى الله عليه وآله) اخْتَارَهُ مِنْ شَجَرَةِ الأَنْبِيَاءِ، وَمِشْكَاةِ الضِّيَاءِ وَذُؤَابَةِ الْعَلْيَاءِ، وَسُرَّةِ الْبَطْحَاءِ وَمَصَابِيحِ الظُّلْمَةِ، وَيَنَابِيعِ الْحِكْمَةِ

منها: طَبِيبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ، قَدْ أَحْكَمَ مَرَاهِمَهُ، وَأَمْضَى مَوَاسِمَهُ يَضَعُ من ذلِكَ حَيْثُ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ، مِنْ قُلُوب عُمْي، وَآذَان صُمٍّ، وَأَلْسِنَة بُكْم؛ مُتَتَبِّعٌ بِدَوَائِهِ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ، وَمَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ؛ لَمْ يَسْتَضِيئُوا بِأَضْوَاءِ الْحِكْمَةِ، وَلَمْ يَقْدَحُوا بِزِنَادِ الْعُلُومِ الثَّاقِبَةِ؛

فَهُمْ فِي ذٰلِكَ كَالأَنْعَامِ السَّائِمَةِ، وَالصُّخُورِ الْقَاسِيَةِ. قَدِ انْجَابَتِ السَّرَائِرُ لِاَهْلِ الْبَصَائِرِ، وَوَضَحَتْ مَحَجَّةُ الْحَقِّ لِخَابِطِهَا وَأَسْفَرَتِ السَّاعَةُ عَنْ وَجْهِهَا، وَظَهَرَتِ الْعَلاَمَةُ لِمُتَوَسِّمِهَا. مَا لِي أَرَاكُمْ أَشْبَاحاً بِلاَ أَرْوَاحٍ، وَأَرْوَاحاً بِلاَ أَشْبَاحٍ، وَنُسَّاكاً بِلاَ صَلاَحٍ، وَتُجَّاراً بِلاَ أَرْبَاحٍ، وَأَيْقَاظاً نُوَّماً، وَشُهُوداً غُيَّباً، وَنَاظِرَةً عُمْيَاً، وسَامِعَةً صُمّاً، وَنَاطِقَةً بُكْماً رَايَةُ ضَلاَلَةٍ قَدْ قَامَتْ عَلَى قُطْبِهَا وَتَفرَّقَتْ بِشُعَبِهَا تَكِيلُكُمْ بِصَاعِهَا، وَتَخْبِطُكُمْ بِبَاعِهَا قَائِدُهَا خَارِجٌ مِنَ الْمِلَّةِ، قَائِمٌ عَلَى الضِّلَّةِ; فَلاَ يَبْقَى يَوْمَئِذٍ مِنْكُمْ إِلاَّ ثُفَالَةٌ كَثُفَالَةِ الْقِدْرِ، أَوْ نُفَاضَةٌ كَنُفَاضَةِ الْعِكْمِ تَعْرُكُكُمْ عَرْكَ الأَدِيمِ وَتَدُوسُكُمْ دَوْسَ الْحَصِيدِ وَتَسْتَخْلِصُ الْمُؤْمِنَ مِنْ بَيْنِكُمُ اسْتِخْلاَصَ الطَّيْرِ الْحَبَّةَ الْبَطِينَ مِنْ بَيْنِ هَزِيلِ الْحَبِّ.أَيْنَ تَذْهَبُ بِكُمُ الْمَذَاهِبُ، وَتَتِيهُ بِكُمُ الْغَيَاهِبُ، وَتَخْدَعُكُمُ الْكَوَاذِبُ؟ وَمِنْ أَيْنَ تُؤْتَوْنَ، وَأَنَّى تُؤْفَكُونَ؟ فَلِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ، وَلِكُلِّ غَيْبَةٍ إِيَابٌ، فَاسْتَمِعُوا مِنْ رَبَّانِيِّكُم وَأَحْضِرُوهُ قُلُوبَكُمْ، واسْتَيْقِظُوا إِنْ هَتَفَ بِكُمْ وَلْيَصْدُقْ رَائِدٌ أَهْلَهُ، وَلْيَجْمَعْ شَمْلَهُ، وَلْيُحْضِرْ ذِهْنَهُ، فَلَقَدْ فَلَقَ لَكُمُ الأَمْرَ فَلْقَ الْخَرَزَةِ، وَقَرَفَهُ قَرْفَ الصَّمْغَةِ فَعِنْدَ ذٰلِكَ أَخَذَ الْبَاطِلُ مَآخِذَهُ، وَرَكِبَ الْجَهْلُ مَرَاكِبَهُ، وَعَظُمَتِ الطَّاغِيَةُ، وَقَلَّتِ الدَّاعِيَةُ، وَصَالَ الدَّهْرُ صِيَالَ السَّبُعِ الْعَقُورِ، وَهَدَرَ فَنِيقُ الْبَاطِلِ بَعْدَ كُظُومٍ وَتَوَاخَى النَّاسُ عَلَى الْفُجُورِ، وَتَهَاجَرُوا عَلَى الدِّينِ، وَتَحَابُّوا عَلَى الْكَذِبِ، وَتَبَاغَضُوا عَلَى الصِّدْقِ. فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ كَانَ الْوَلَدُ غَيْظاً وَالْمَطَرُ قَيْظاً وَتَفِيضُ اللِّئَامُ فَيْضاً، وَتَغِيضُ الْكِرَامُ غَيْضا وَكَانَ أَهْلُ ذٰلِكَ الزَّمَانِ ذِئَاباً، وَسَلاَطِينُهُ سِبَاعاً، وَأَوْسَاطُهُ أُكَّالاً، وَفُقَرَاؤُهُ أَمْوَاتاً، وَغَارَ الصِّدْقُ، وَفَاضَ الْكَذِبُ، وَاسْتُعْمِلَتِ الْمَوَدَّةُ بِاللِّسَانِ، وَتَشَاجَرَ النَّاسُ بِالْقُلُوبِ، وَصَارَ الْفُسُوقُ نَسَباً، وَالْعَفَافُ عَجَباً، وَلُبِسَ الإِسْلاَمُ لُبْسَ الْفَرْوِ مَقْلُوباً (۱۲۰)

ترجمہ: **یہ ان خطبوں میں سے ہے جن میں زمانہ کے حوادث وفتن کا تذکرہ ہے:۔**

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو اپنے مخلوقات کی وجہ سے مخلوقات کے سامنے عیاں ہے اور اپنی حجت و برہان کے ذریعہ دلوں میں نمایاں ہے اس نے بغیر سوچ بچار میں پڑے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لئے کہ غور وفکر اس کے مناسب ہوا کرتی ہے جو دل و دماغ جیسے اعضا رکھتا ہو اور وہ دل و دماغ کی

احتیاج سے بری ہے اس کا علم غیب کے پردوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عقیدوں کی گہرائیوں کی تہ تک اُترا ہوا ہے:

اس خطبہ کا یہ جز نبیؐ کے متعلق ہے:

انہیں انبیا کے شجرہ روشنی کے مرکز (آل ابراہیمؑ ، بلندی کی جبیں (قریش)بطحا کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سر چشموں سے منتخب کیا۔

اس خطبہ کا یہ حصہ بھی رسولؐ ہی سے متعلق ہے:

وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت وطب کو لئے ہوئے چکر لگا رہا ہو۔ اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لئے ہوں اور داغنے کے آلات تپا لئے ہوں وہ اندھے دلوں بہرے کانوں ، گونگی زبانوں (کے علاج معالجہ) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو، اور دوا ایسے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔ مگر لوگوں نے نہ تو حکمت کی تنویروں سے ضیاو نور کو حاصل کیا۔ اور نہ علوم درخشاں کے چقماق کو رگڑ کر نورانی شعلے پیدا کئے وہ اس معاملہ میں چرنے والے حیوانوں اور سخت پتھروں کے مانند ہیں۔ اہل بصیرت کے لئے چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہوگئی ہیں اور بھٹکنے والوں کے لئے حق کی راہ واضح ہوگئی اور آنے والی ساعت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور غور سے دیکھنے والوں کے لئے علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں لیکن تمہیں میں دیکھتا ہوں کہ پیکرے روح اور روح بے قالب بنے ہوئے ہو عابد بنے پھرتے ہو بغیر صلاح وتقویٰ کے اور تاجر بنے ہوئے بغیر فائدوں کے بیدار مگر سور ہے جو حاضر ہو مگر ایسے جیسے غائب ہوں دیکھنے والے ہو مگر اندھے سننے والے ہو مگر بہرے گونگے گمراہی کا بولنے والے ہو مگر اپنی سواریوں جھنڈا تو اپنے مرکز پر جم چکا ہے اور اس کی شاخیں (ہرسو) پھیل گئی ہے تمہیں (تباہ کرنے کے لئے) اپنے پیمانوں میں تول رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے تمہیں ادھر ادھر بھٹکا رہا ہے اس کا پیشتر وملت (اسلام) سے خارج ہے اور گمراہی پر ڈٹا کھڑا ہے اُس دن تم میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر کچھ گرے پڑے لوگ جیسے دیگ کی کھرچن یا تھیلے کے جھاڑنے سے گرے ہوئے ریزے وہ گمراہی تمہیں اس طرح مسل ڈالے گی جس طرح چمڑے کو مسلا جاتا ہے اور اس طرح روندے گی جیسے کٹی ہوئی زراعت کو روندا جاتا ہے اور مصیبت وابتلا کے لئے تم میں سے مومن (کامل) کو اس طرح چن لے گی جس طرح پرندے باریک دانوں میں سے موٹے

دانہ کو چن لیتا ہے یہ (غلط) روشیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں اور یہ اندھیاریاں تمہیں کن پریشانیوں میں ڈال رہی ہیں اور یہ جھوٹی امیدیں تمہیں کاہے کا فریب دے رہی ہیں کہاں سے لائے جاتے ہو اور کدھر پلٹائے جاتے ہو ہر میعاد کا نوشتہ ہوتا ہے اور ہر غائب کو پلٹ کر آتا ہے اپنے اپنے عالم ربانی سے سنو اپنے دلوں کو حاضر کرو اگر تمہیں پکارے تو جاگ اٹھو قوم کے نمائندہ کو تو اپنی قوم سے سچ ہی بولنا چاہئے اور اپنی پریشاں خاطری میں یکسوئی پیدا کرنا اور اپنے ذہن کو حاضر رکھنا چاہئے چنانچہ اس نے حقیقت کو اس طرح واشگاف کر دیا ہے جس طرح دھاگے میں پروئے جانے والے مہرہ یکو چیر دیا جاتا ہے اور اس طرح اسے تہہ سے چھیل ڈالا ہے جیسے درخت سے گوند۔ باوجود اس کے باطل پھر اپنے مرکز پر آ گیا اور جہالت اپنی سواریوں پر چڑھ بیٹھی۔ اس کی طغیانیاں بڑھ گئی ہیں۔ اور حق کی آواز دب گئی ہے اور زمانہ نے پھاڑ کھانے والے درندے کی طرح حملہ کر دیا ہے اور باطل کا اونٹ چپ رہنے کے بعد پھر بلبلانے لگا ہے لوگوں نے فسق و فجور پر آپس میں بھائی چارہ کر لیا ہے اور دین کے سلسل میں ان میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے جھوٹ پر تو ایک دوسرے سے یارانہ گانٹھ رکھا ہے اور سچ کے معاملہ میں باہم کدر رکھتے ہیں۔ (ایسے موقع پر) بیٹا (آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کے بجائے) غیظ و غضب کا سبب ہوگا۔ اور بارشیں گرمی و تپش کا کینے پھیل جائیں گے اور شریف گھٹتے جائیں گے اس زمانہ کے لوگ بیڑیئے ہوں گے اور حکمراں درندے درمیانی طبقہ کے لوگ کھا پی کر مست رہنے والے اور فقیر و نادار بالکل مردہ۔ سچائی دب جائے گی اور جھوٹ ابھر آئے گا محبت کی لفظیں صرف زبانوں پر آئیں گے اور لوگ دلوں میں ایک دوسرے سے کشیدہ رہیں گے نسب کا معیار زنا ہوگا۔ عفت و پاکدامنی نرالی چیز سمجھی جائے گی اور اسلام کا لبادہ پوستیں کی طرح الٹا اوڑھا جائے گا۔

ومن خطبة له(عليه السلام): أَرْسَلَهُ دَاعِياً إِلَى الْحَقِّ، وَشَاهِداً عَلَى الْخَلْقِ، فَبَلَّغَ رِسَالاَتِ رَبِّهِ غَيْرَ وَانٍ وَلاَ مُقَصِّر، وَجَاهَدَ فِي اللهِ أَعْدَاءَهُ غَيْرَ وَاهِنٍ وَلاَ مُعَذِّرٍ إِمَامُ مَنِ اتَّقَى، وَبَصَرُ مَنِ اهْتَدَى.

(مِنْهَا)

وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ مِمَّا طُوِيَ عَنْكُمْ غَيْبُهُ، إِذاً لَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَبْكُونَ عَلَى

أَعْمَالِكُمْ، وَتَلْتَدِمُونَ عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَتَرَكْتُمْ أَمْوَالَكُمْ لاَ حَارِسَ لها وَلاَ خَالِفَ عَلَيْهَا، وَلَهَمَّتْ كُلَّ امْرِىءٍ مِنْكُمْ نَفْسُهُ، لاَ يَلْتَفِتُ إِلَى غَيْرِهَا؛ وَلكِنَّكُمْ نَسِيتُمْ مَا ذُكِّرْتُمْ، وَأَمِنْتُمْ مَا حُذِّرْتُمْ، فَتَاهَ عَنْكُمْ رَأْيُكُمْ، وَتَشَتَّتَ عَلَيْكُمْ أَمْرُكُمْ. وَلَوَدِدْتُ أَنَّ اللهَ فَرَّقَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ، وَأَلْحَقَنِي بِمَنْ هُوَ أَحَقُّ بِي مِنْكُمْ، قَوْمٌ واللهِ مَيَامِينُ الرَّأْيِ، مَرَاجِيحُ الْحِلْمِ، مَقَاوِيلُ بِالْحَقِّ مَتَارِيكُ لِلْبَغْيِ. مَضَوْا قُدُماً عَلَى الطَّرِيقَةِ، وَأَوْجَفُوا عَلَى الْمَحَجَّةِ فَظَفِرُوا بَالْعُقْبَى الدَّائِمَةِ، وَالْكَرَامَةِ الْبَارِدَةِ أَمَا وَاللهِ، لَيُسَلَّطَنَّ عَلَيْكُمْ غُلاَمُ ثَقِيف الذَّيَّالُ الْمَيَّالُ، يَأْكُلُ خَضِرَتَكُمْ، وَيُذِيبُ شَحْمَتَكُمْ، إِيهٍ أَبَا وَذَحَةَ.

(أَقُولُ: الْوَذَحَةُ الْخُنْفَسَاءُ وَهٰذَا الْقَوْلُ يُوْمِیءُ بِهٖ إِلَى الْحَجَّاجِ وَلَهُ مَعَ الْوَذَحَةِ حَدِيْثٌ لَيْسَ هٰذَا مَوْضِعُ ذِكْرِهٖ۔ (۱۲۸)

ترجمہ: اللہ نے آپؐ کو؟ حق کی طرف بلانے والا اور مخلوق کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا چنانچہ آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی اور اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جہاد کیا جس میں نہ کمزوری دکھائی نہ حیلے بہانے کئے وہ پرہیز گاروں کے امام اور ہدایت پانے والے کی آنکھوں کے لئے بصارت ہیں۔

اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے: جو چیزیں تم سے پردہ غیب میں لپیٹ دی گئی ہیں اگر تم بھی انہیں جان لیتے جس طرح میں جانتا ہوں تو بلا شبہ تم اپنی بداعمالیوں پر روتے ہوئے اور اپنے نفسوں کا ماتم کرتے ہوئے اور اپنے مال و متاع کو بغیر کسی نگہبان اور بغیر کسی نگہداشت کرنے والے کے یونہی چھوڑ چھاڑ کر کھلے میدانوں میں نکل پڑتے اور ہر شخص کو اپنے ہی نفس کی پڑی ہوتی کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتا لیکن جو تمہیں یاد دلایا گیا تھا اسے تم بھول گئے اور جن چیزوں سے تمہیں ڈرایا گیا تھا اُن سے تم نڈر ہو گئے اس طرح تمہارے خیالات بھٹک گئے اور تمہارے سارے امور درہم برہم ہو گئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے اور مجھے ان لوگوں سے ملا دے جو تم سے زیادہ میرے حقدار ہیں خدا کی قسم! وہ ایسے لوگ ہیں جن کے خیالات مبارک اور عقلیں ٹھوس تھیں۔ وہ کھل کر حق بات کہنے والے اور سرکشی و بغاوت کو چھوڑنے والے تھے وہ قدم آگے بڑھا کر اللہ کی راہ پر ہو لئے اور سیدھی راہ پر کھٹکے دوڑے چلے گئے چنانچہ انہوں نے ہمیشہ رہنے والی آخرت اور عمدہ و پاکیزہ

نعمتوں کو پالیا۔تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم پر بنی ثقیف کا ایک لڑکا تسلط پائے گا وہ دراز قد ہوگا اور بل کھا کر چلے گا وہ تمہارے تمام سبزہ زاروں کو چر جائے گا اور تمہاری چربی تک پگھلا دے گا ہاں اے ابو ودحہ کچھ اور!

سید رضی فرماتے ہیں:

کہ وذحہ کے معنی خنفسا کے ہیں آپؑ نے اپنے اس ارشاد سے حجاج بن یوسف ثقفی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا خنفسا سے متعلق ایک واقعہ ہے جس کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔

وَلَقَدْ كَانَ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَا يَدُلُّكَ عَلٰى مَسَاوِى الدُّنْيَا وَعُيُوْبِهَا اِذْ جَاعَ فِيْهَا مَعَ خَاصَّتِهٖ وَزُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيْمِ زُلْفَتِهٖ ۔ فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ بِعَقْلِهٖ اَكْرَمَ اللهُ مُحَمَّدًا بِذٰلِكَ اَمْ اَهَانَهُ ؛ فَاِنْ قَالَ اَهَانَهُ فَقَدْ كَذَبَ وَاَتٰى بِالْاِفْكِ الْعَظِيْمِ۔

وَاِنْ قَالَ اَكْرَمَهُ فَلْيَعْلَمْ اَنَّ اللهَ قَدْ اَهَانَ غَيْرَهُ حَيْثُ بَسَطَ الدُّنْيَا لَهُ وَزَوَاهَا عَنْ اَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ فَتَاَسّٰى مُتَاَسٍّ بِنَبِيِّهٖ وَاقْتَصَّ اَثَرَهُ وَوَلَجَ مَوْلِجَهُ وَاِلَّا فَلَا يَاْمَنِ الْهَلَكَةَ فَاِنَّ اللهَ جَعَلَ مُحَمَّداً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَمًا لِلسَّاعَةِ وَمُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ وَمُنْذِرًا بِالْعُقُوْبَةِ خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا خَمِيْصًا ، وَّوَرَدَ الْاٰخِرَةَ سَلِيْمًا لَمْ يَضَعْ حَجَرًا عَلٰى حَجَرٍ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ وَاَجَابَ دَاعِىَ رَبِّهٖ فَمَآ اَعْظَمَ مِنَّةَ اللهِ عِنْدَنَا حِيْنَ اَنْعَمَ عَلَيْنَا بِهٖ سَلَفًا نَتَّبِعُهُ وَ قَائِدًا نَطَاعَقِبَهُ وَاللهِ لَقَدْ رَقَعْتُ مِدْرَعَتِيْ هٰذِهٖ حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّاقِعِهَا وَلَقَدْ قَالَ لِىْ قَائِلٌ اَلَا تَنْبِذُهَا ؛ فَقُلْتُ اغْرُبْ عَنِّيْ فَعِنْدَ الصَّبَاحِ يَحْمَدُ الْقَوْمُ السُّرٰى۔ (۱۲۹)

ترجمہ: رسول اللہؐ (کے عادات وخصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب وقبائح کا پتہ دیں گی جب کہ آپ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قرب منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں چاہئے کہ دیکھنے والا عقل کی روشنی میں دیکھے کہ اللہ نے انہیں دنیا نہ دے کر ان کی عزت بڑھائی ہے یا اہانت کی ہے اگر کوئی یہ کہے کی اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور بہت بڑا بہتان باندھا اور اگر یہ کہے کہ عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا

چاہئے کہ اللہ نے دوسروں کی بے عزتی ظاہر کی جب کہ انہیں دنیا کی زیادہ سے زیادہ وسعت دے دی اور اس کا رخ اپنے مقرب ترین بندے سے موڑ رکھا پیروی کرنے والے کو چاہئے کہ ان کی پیروی کرے اور اُن کے نشان قدم پر چلے اور انہی کی منزل میں آئے ورنہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ اللہ نے ان کو قرب قیامت کی نشانی اور جنت کی خوشخبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا قرار دیا ہے دنیا سے آپ بھوکے کل کھڑے ہوئے اور آخرت میں سلامتیوں کے ساتھ پہنچ گئے آپ نے تعمیر کے لئے کبھی پتھر پر پتھر نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت کی راہ پر چل دیئے اور اللہ کی طرف بلاوا دینے والے کی آواز پر لبیک کہی یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایک پیشرو پیشوا جیسی نعمت عظمی بخشی کہ جن کی ہم پیروی کرتے ہیں اور قدم بقدم چلتے ہیں انہی کی پیروی میں خدا کی قسم میں نے اپنی اس قمیض میں اتنے پیوند لگائے ہیں کہ مجھے پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا آپ اسے اتاریں گے نہیں تو میں نے اسے کہا کہ میری نظروں سے دور ہو کہ صبح کے وقت ہی لوگوں کو رات کے چلنے کی قدر ہوتی ہے اور وہ اس کی مدح کرتے ہیں۔

ومن خطبة له(عليه السلام) بَعَثَهُ بِالنُّورِ الْمُضِيءِ، وَالْبُرْهَانِ الْجَلِيِّ، وَالْمِنْهَاجِ الْبَادِي وَالْكِتَابِ الْهَادِي.أُسْرَتُهُ خَيْرُ أُسْرَة، وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ شَجَرَة، أَغْصَانُهَا مُعْتَدِلَةٌ، وَثِمَارُهَا مُتَهَدِّلَةٌ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ، وَهِجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ عَلا بِهَا ذِكْرُهُ، وَامْتَدَّ مِنْهَا صَوْتُهُ. أَرْسَلَهُ بِحُجَّة كَافِيَة، وَمَوْعِظَة شَافِية، وَدَعْوَة مُتَلافِيَة أَظْهَرَ بِهِ الشَّرائِعَ الْمَجْهُولَةَ، وَقَمَعَ بِهِ الْبِدَعَ الْمَدْخُولَةَ، وَبَيَّنَ بِهِ الأَحْكَامَ الْمَفْصُولَةَ فَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الاسْلامِ دِين تَتَحَقَّقْ شِقْوَتُهُ، وَتَنْفَصِمْ عُرْوَتُهُ، وَتَعْظُمْ كَبْوَتُهُ وَيَكُنْ مَآبُهُ إِلَى الْحُزْنِ الطَّوِيلِ وَالْعَذَابِ الْوَبِيلِ وَأَتَوَكَّلُ عَلَى اللهِ تَوَكُّلَ الانَابَةِ إِلَيْهِ، وَأَسْتَرْشِدُهُ السَّبِيلَ الْمُؤَدِّيَةَ إِلى جَنَّتِهِ، الْقَاصِدَةَ إِلى مَحَلِّ رَغْبَتِهِ.

أُوصِيكُمْ عِبَادَاللهِ، بِتَقْوَى اللهِ وَطَاعَتِهِ، فَإِنَّهَا النَّجَاةُ غَداً، وَالْمَنْجَاةُ أَبَداً. رَهَّبَ فَأَبْلَغَ، وَرَغَّبَ فَأَسْبَغَ وَوَصَفَ لَكُمُ الدُّنْيَا وَانْقِطَاعَهَا، وَزَوَالَهَا وَانْتِقَالَهَا. فَأَعْرِضُوا

عَمَّا يُعْجِبُكُمْ فِيهَا لِقِلَّةِ مَا يَصْحَبُكُمْ مِنْهَا، أَقْرَبُ دَارٍ مِنْ سَخَطِ اللهِ، وَأَبْعَدُهَا مِنْ رِضْوَانِ اللهِ! فَغُضُّوا عَنْكُم عِبَادَاللهِ غُمُومَهَا وَأَشْغَالَهَا، لِمَا قَدْ أَيْقَنْتُمْ بِهِ مِنْ فِرَاقِهَا وَتَصَرُّفِ حَالاَتِهَا. فَاحْذَرُوهَا حَذَرَ الشَّفِيقِ النَّاصِحِ وَالْمُجِدِّ الْكَادِحِ وَاعْتَبِرُوا بِمَا قَدْ رَأَيْتُمْ مِنْ مَصَارِعِ الْقُرُونِ قَبْلَكُمْ: قَدْ تَزَايَلَتْ أَوْصَالُهُمْ وَزَالَتْ
أَسْمَاعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ، وَذَهَبَ شَرَفُهُمْ وَعِزُّهُمْ، وَانْقَطَعَ سُرُورُهُمْ وَنَعِيمُهُمْ؛ فَبُدِّلُوا بِقُرْبِ الأَوْلاَدِ فَقْدَهَا، وَبِصُحْبَةِ الأَزْوَاجِ مُفَارَقَتَهَا. لاَ يَتَفَاخَرُونَ، وَلاَ يَتَنَاصَرُونَ، وَلاَ يَتَنَاسَلُونَ، وَلاَ يَتَزَاوَرُونَ، وَلاَ يَتَجَاوَرُونَ. فَاحْذَرُوا، عِبَادَاللهِ، حَذَرَ الْغَالِبِ لِنَفْسِهِ، الْمَانِعِ لِشَهْوَتِهِ، النَّاظِرِ بِعَقْلِهِ؛ فَإِنَّ الأَمْرَ وَاضِحٌ، وَالْعَلَمَ قَائِمٌ، وَالطَّرِيقَ جَدَدٌ وَالسَّبِيلَ قَصْدٌ۔ (۱۳۰)

ترجمہ: اللہ نے اپنے رسولؐ کو چمکتے ہوئے نور روشن دلیل کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا، ان کا قوم وقبیلہ بہترین قوم وقبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔اُن کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے کہ جہاں سے آپؐ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا اللہ نے آپ کو مکمل دلیل، شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکارا کیں اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا اور (قرآن وسنت میں) بیان کئے ہوئے احکام واضح کئے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بدبختی مسلم اس کا شیرازہ درہم و برہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و (ناگزیر) اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے میں اللہ پر
بھروسا رکھتا ہوں ایسا بھروسا کہ جس میں ہمہ تن اس کی طرف توجہ ہے اور ایسے راستے کی ہدایت چاہتا ہوں کہ جو اُس کی جنت تک پہنچانے والا اور منزل مطلوب کی طرف بڑھنے والا ہے۔

اللہ کے بندوں! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہی کل رستگاری (کا وسیلہ) اور نجات کی منزل دائمی ہوگا۔اُس نے اپنے عذاب سے ڈرایا تو سب کو خبردار کر دیا۔اور جنت کی رغبت دلائی تو اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی دنیا اور اُس کے فنا و زوال اور اُس کے پلٹ جانے کو کھول کر بیان کیا جو چیزیں اس دنیا سے تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اُن سے

پہلو بچائے رکھو کیونکہ ان میں سے ساتھ جانے والی تو بہت ہی تھوڑی ہین ۔ دُنیا کی منزل اللہ کی ناراضگیوں سے قریب اور اُس کی رضا مندیوں سے دور ہے اللہ کے بندو اس کی فکروں اور اس کے دھندوں سے آنکھیں بند کرلو اس لئے کہ تمہیں یقین ہے کہ آخر یہ جُدا ہو جانے والی ہے اور اس کے حالات پلٹا کھانے والے ہیں اس دُنیا سے اس طرح خوف کھاؤ جس طرح کوئی ڈرنے والا اور اپنے نفس کا خیر خواہ اور جانفشانی کے ساتھ کوشش کرنے والا ڈرتا ہے تم نے اپنے سے پہلے لوگوں کے جو گرنے کی جگہیں دیکھی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو کہ اُن کے جوڑ بند الگ الگ ہو گئے نہ ان کی آنکھیں رہیں اور نہ کان اُن کا شرف و وقار مٹ گیا۔ اُن کی مسرتیں اور نعمتیں جاتی رہیں اور بال بچوں کے قرب کے بجائے علیحدگی اور بیویوں سے ہم نشینی کے بجائے اُن سے جدائی ہو گئی اب نہ وہ فخر کرتے ہیں اور نہ اُن کے اولاد ہوتی ہے نہ ایک دوسرے سے ملتے ملاتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے ہمسایہ بن کر رہتے ہیں اے اللہ کے بندو ڈرو جس طرح اپنے نفس پر قابو پالینے والا اور اپنی خواہشوں کو دبانے والا اور چشم بصیرت سے دیکھنے والا ڈرتا ہے کیونکہ ہر چیز واضح ہو چکی ہے نشانات قائم ہیں راستہ ہموار ہے اور راہ سیدھی ہے۔

باب چہارم

انبیا کرام اور آئمہ طاہرین کے ذریعے

اصلاح معاشرہ

انسان ہدایت کا محتاج ہے

حوالہ جات

۱۔القرآن ۱:۶

۲۔حافظ فرمان علی، تفسیر قرآن حکیم ص ۲، عمران کمپنی۔لاہور۔

۳۔القرآن ۱۹:۷۶

۴۔قاموس قرآن۔سید علی اکبر قرشی۔دار الکتب الاسلامیہ ص ۱۴۸ - ۱۴۷۸ھ

۵۔القرآن ۲۰:۵۰

۶۔القرآن ۱۷:۴۴

۷۔القرآن ۸۷: ۲۔۳

۸۔القرآن ۴۱:۱۷

۹۔القرآن ۲:۲۱۳

۱۰۔القرآن ۹۰: ۱۰

۱۱۔القرآن ۷۶:۳

۱۲۔القرآن ۹۲:۱۲-۱۳

۱۳۔القرآن ۷:۳۰

۱۴۔القرآن ۶:۱۹۴

۱۵۔القرآن ۲:۲۸۵

۱۶۔القرآن ۲:۲۶۴

۱۷۔القرآن ۵:۱۰۸

۱۸۔القرآن ۱۲:۵۲

۱۹۔القرآن ۲:۲۷۲

۲۰۔القرآن ۱۳:۷

۲۱۔القرآن ۳۵:۲۴

۲۲۔القرآن ۱۶:۳۶

۲۳۔القرآن ۶:۱۳۰

۲۴۔القرآن ۴:۱۶۴

۲۵۔القرآن ۴۰:۷۸

۲۶۔علامہ سید رضی نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ صفحہ ۷۶ امامیہ کتب خانہ لاہور

۲۷۔القرآن ۳۳:۷

۲۸۔ علامہ سید رضی نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ صفحہ ۷۶ امامیہ کتب خانہ لاہور

۲۹۔القرآن ۱۱:۲۵

۳۰۔ القرآن ۲۶:۱۰۵

۳۱۔ ۲۳:۴۴

۳۲۔ القرآن ۶۱:۶

۳۳۔القرآن ۷:۱۵۷

۳۴۔ القرآن ۵۱:۵۶

۳۵۔القرآن ۱۶: ۳۶

۳۶۔القرآن ۲۹:۳۶

۳۷۔القرآن ۷: ۶۵

۳۸۔القرآن ۱۱:۵۰

۳۹۔سید رضی علامہ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱ صفحہ ۷۷ امامیہ کتب خانہ لاہور

۴۰۔ علامہ سید رضی نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۴۵ صفحہ ۳۸۷ امامیہ کتب خانہ لاہور

۴۱۔القرآن ۲: ۲۱۳

۴۲۔ القرآن ۳:۱۹

۴۳۔ القرآن ۲:۱۴۶

۴۴۔ القرآن ۴۳: ۶۳

۴۵۔القرآن ۲:۲۵۱

۴۶۔ القرآن ۳۸:۲۶

۴۷۔قول نمبر ۴۳۰۷ سید رضی صفحہ ۹۴۶ نہج البلاغہ امامیہ کتب خانہ لاہور

۴۸۔ القرآن ۵۷:۲۵

۴۹۔ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ العظمٰی تفسیر نمونہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۰ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور — ۱۴۱۷ھ

۵۰۔القرآن ۷:۱۵۷

۵۱۔ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ العظمٰی تفسیر نمونہ جلد ۱۳ صفحہ ۳۹۱۔۳۹۰ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور — ۱۴۱۷ھ

۵۲۔القرآن ۲:۱۲۹

۵۳۔القرآن ۶۲:۲

۵۴۔القرآن ۱۴:۴

۵۵۔القرآن ۱۶: ۴۴

۵۶۔ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ العظمٰی تفسیر نمونہ جلد ۱۳ صفحہ ۵۸۶ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور — ۱۴۱۲ھ

۵۷۔ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ العظمٰی تفسیر نمونہ جلد ۱۳ صفحہ ۵۸۶ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور — ؍؍

۵۸۔سید رضی علامہ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۷ صفحہ ۱۸۵۲ امامیہ کتب خانہ لاہور

۵۹۔سید رضی علامہ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲ صفحہ ۱۸۵۲ امامیہ کتب خانہ لاہور

۶۰۔سید رضی علامہ نہج البلاغہ خطبہ ۸۹ صفحہ ۲۶۸۔۲۶۹ امامیہ کتب خانہ لاہور

۶۱۔القرآن ۴:۱۶۵

۶۲۔ القرآن ۵:۱۹

۶۳۔ القرآن ۷۵:۳۶

۶۴۔ القرآن ۳:۵۹

۶۵- القرآن ۷:۱۱

۶۶-القرآن ۱۵:۲۹

۶۷- القرآن ۱۹:۵۶-۵۷

۶۸-حافظ سید فرمان علی-تفسیر قرآن حکیم صفحہ ۴۹۲-عمران کمپنی لاہور

۶۹-القرآن ۲۹:۱۴

۷۰- القرآن ۷۱:۱۰-۲۰

۷۱- القرآن ۷۱:۵-۹

۷۲- القرآن ۶:۶

۷۳-القرآن ۷:۶۵-۶۹

۷۴-القرآن ۲۳:۳۳

۷۵-القرآن ۴۶:۲۴-۲۵

۷۶-القرآن ۷:۷۲

۷۷-القرآن ۷:۷۴

۷۸-القرآن ۱۱:۶۱

۷۹-القرآن ۲۶:۱۴۲-۱۵۲

۸۰-القرآن ۲۶:۱۵۴

۸۱-القرآن ۷:۷۳

۸۲-القرآن ۵۴-۲۷

۸۳-القرآن ۷:۷۷-۷۹

۸۴-القرآن ۱۱:۶۵-۶۸

۸۵-القرآن ۳۸:۴۵-۴۷

۸۶-القرآن ۲:۱۲۴

۸۷-القرآن ۶:۱۷۵

۸۸-القرآن ۲۶:۶۹-۸۲

۸۹۔القرآن ۱۹: ۵۴۔۵۵

۹۰۔القرآن ۲۹:۲۶

۹۱۔القرآن ۲۱: ۷۴۔۷۵

۹۲۔القرآن ۲۶:۱۶۰۔۱۶۶

۹۳۔القرآن ۷ ۳:۱۱۲

۹۴۔القرآن ۲۱:۷۲

۹۵۔القرآن ۲:۲ ۱۳

۹۶۔القرآن ۲:۳ ۱۳

۹۷۔القرآن ۶:۸۴

۹۸۔القرآن ۴۰:۳۴

۹۹۔حافظ فرمان علی تفسیر قرآن صفحہ ۳۹۳۔عمران کمپنی لاہور

۱۰۰۔ القرآن ۷:۸۵،۸۶

۱۰۱۔القرآن ۱۱:۴۸۔۸۶

۱۰۲۔القرآن ۱۱:۸۸

۱۰۳۔القرآن ۲۸:۳۔۶

۱۰۴۔القرآن ۲۸:۱۴

۱۰۵۔القرآن ۷:۷ ۱۳

۱۰۶۔القرآن ۳۸:۲۶

۱۰۷۔القرآن ۲:۷ ۲۴

۱۰۸۔القرآن ۲:۲۵۱

۱۰۹۔القرآن ۲۷:۱۵

۱۱۰۔القرآن ۲۷:۱۶

۱۱۱۔القرآن ۳۸:۳۵

۱۱۲۔القرآن ۲۰:۸۳

۱۱۳۔القرآن ۲۰: ۸۴
۱۱۴۔القرآن ۲۱: ۸۷۔۸۸
۱۱۵۔القرآن ۶: ۸۵
۱۱۶۔القرآن ۳: ۳۸
۱۱۷۔القرآن ۳: ۳۹
۱۱۸۔القرآن ۱۹: ۱۵
۱۱۹۔القرآن ۳: ۵۹
۱۲۰۔القرآن ۱۹: ۳۰
۱۲۱۔القرآن ۵: ۱۱۰
۱۲۲۔القرآن ۴: ۱۵۸
۱۲۳۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۹۲۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۴۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۹۳۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۵۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۰۲۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۶۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۰۴۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۷۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۰۶۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۸۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۱۴۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۲۹۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۵۸۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔
۱۳۰۔سید رضی۔نہج البلاغہ۔خطبہ نمبر ۱۵۹۔امامیہ کتب خانہ، لاہور۔

باب پنجم

اسلام کا تصور معاشرت مشمولات نہج البلاغہ

اسلام دین معرفت

حضرت علی نے نہج البلاغہ میں اسلام کا تعارف مختلف مقامات پر کر دیا۔خطبہ اوّل میں فرماتے ہیں:

اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتِہٖ وَ کَمال مَعرِفَتِہِ التَّصْدِیْقُ بِہٖ وَ کَمال التَّصْدِیْقِ بِہٖ تَوحیْدُہٗ و کَمالُ توحیدہ اِلاخلاصُ لَہٗ (۱)

ترجمہ: دین کی ابتدا اس کی معرفت ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے کمال توحید منزیہ واخلاص ہے۔

ہم پہلے ہی باب میں بیان کر چکے ہیں کہ معرفت کے معنی ہیں کسی کو اس کے آثار میں غور وفکر کے بعد پہچاننا ظاہر سی بات ہے جب تک خالق کی معرفت نہ ہو اس کے دین کی معرفت کیونکر ہو سکتی ہے پہلی منزل ذات حق کی معرفت ہے اور اس کی معرفت کا کمال یہ ہے کہ اس کی دل سے تصدیق کی جائے اس کو وحدہ لاشریک مانا جائے قرآن نے جو تین درجہ بیان کئے ہیں یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین تصدیق سے مراد یقین کی منزل حاصل کرنے کی کوشش کرنا تا کہ ذات پروردگار تک پہنچ سکے اور کمال تصدیق اس کی توحید کا اقرار ہے یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور یہی کمال توحید ہے کہ اس کی ذات کو صدق دل سے واحد تسلیم کرنا یہی اخلاص ہے دین میں شرک نہ کرنا دراصل کمال توحید ہے کہ اس کو ہر شرک سے منزہ اور مبرا اقرار دینا۔ پس مکمل اور خالص تصدیق یہ ہے کہ وہ وحدہ لاشریک ہے بہرحال ذات حق واجب الوجود ہے نہ کہ ممکن الوجود۔ اسلام دین معرفت ہے یعنی دین اسلام واحد دین ہے جو توحید پر مبنی ہے اور غور وفکر اور معرفت پر مبنی ہے دیگر ادیان رسمی اور آباؤ اجداد کے دین کا تسلسل ہیں جب کہ اسلام میں کچھ اصول دین ہیں جن کے بغیر ایمان نامکمل

ہے حضرت اسلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا تسبنّ الاسلام نِسبةً لمْ ینسبها احد تبلی: الاسلام هو التسلیم و التسلیم هو الیقین والیقین هو التصدیق، والتصدیق هو الاقرار، والاقرار هو الاَداء، والاداءُ هو العمل (۲)

ترجمہ: میں اسلام کی ایسی تعریف بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی۔ اسلام سرِ تسلیم خم کرنا ہے، اور سر تسلیم جھکانا یقین ہے، اور یقین تصدیق ہے، اور تصدیق اعتراف ہے، اور اعتراف فرض کی بجا آوری ہے، اور فرض کی بجا آوری عمل ہے۔

اسلام دین فطرت وحکمت

حضرتؑ ایک خطبہ میں بیان فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ هٰذَا الْاِسْلَامَ دِيْنُ اللهِ الَّذِی اصْطَفَاهُ لِنَفْسِهِ، وَاصْطَنَعَهُ عَلٰى عَيْنِهِ، وَأَصْفَاهُ خِيْرَةَ خَلْقِهِ، وَأَقَامَ دَعَائِمَهُ عَلٰى مَحَبَّتِهِ، أَذَلَّ الْاَدْيَانَ بِعِزِّهِ، وَوَضَعَ الْمِلَلَ بِرَفْعِهِ، وَأَهَانَ أَعْدَاءَهُ بِكَرَامَتِهِ، وَخَذَلَ مُحَادِّيهِ بِنَصْرِهِ، وَهَدَمَ أَرْكَانَ الضَّلَالَةِ بِرُكْنِهِ وَسَقٰى مَنْ عَطِشَ مِنْ حِيَاضِهِ، وَأَتْأَقَ الْحِيَاضَ بِمَوَاتِحِهِ

ثُمَّ جَعَلَهُ لَا انْفِصَامَ لِعُرْوَتِهِ، وَلَا فَكَّ لِحَلْقَتِهِ، وَلَا انْهِدَامَ لِاَسَاسِهِ، وَلَا زَوَالَ لِدَعَائِمِهِ، وَلَا انْقِلَاعَ لِشَجَرَتِهِ، وَلَا انْقِطَاعَ لِمُدَّتِهِ، وَلَا عَفَاءَ لِشَرَائِعِهِ، وَلَا جَذَّ لِفُرُوعِهِ، وَلَا ضَنْكَ لِطُرُقِهِ، وَلَا وُعُوثَةَ لِسُهُولَتِهِ،

وَلَا سَوَادَ لِوَضَحِهِ وَلَا عِوَجَ لِانْتِصَابِهِ، وَلَا عَصَلَ فِي عُودِهِ، وَلَا وَعَثَ لِفَجِّهِ وَلَا انْطِفَاءَ لِمَصَابِيحِهِ، وَلَا مَرَارَةَ لِحَلَاوَتِهِ.

فَهُوَ دَعَائِمُ أَسَاخَ فِي الْحَقِّ أَسْنَاخَهَا، وَثَبَّتَ لَهَا آسَاسَهَا، وَيَنَابِيعُ غَزُرَتْ عُيُونُهَا، وَمَصَابِيحُ شَبَّتْ نِيرَانُهَا، وَمَنَارٌ اقْتَدٰى بِهَا سُفَّارُهَا، وَأَعْلَامٌ قُصِدَ بِهَا فِجَاجُهَا، وَمَنَاهِلُ رَوِيَ بِهَا وُرَّادُهَا.

اللهُ فِيهِ مُنْتَهٰى رِضْوَانِهِ، وَذِرْوَةَ دَعَائِمِهِ، وَسَنَامَ طَاعَتِهِ، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ وَثِيقُ الْاَرْكَانِ، رَفِيعُ الْبُنْيَانِ، مُنِيرُ الْبُرْهَانِ، مُضِيءُ النِّيرَانِ، عَزِيزُ السُّلْطَانِ، مُشْرِفُ الْمَنَارِ، مُعْوِذُ الْمَثَارِ.

فَشَرِّفُوهُ وَاتَّبِعُوهُ، وَأَدُّوا إِلَيْهِ حَقَّهُ، وَضَعُوهُ مَوَاضِعَهُ. ہ(۳)

ترجمہ: پھر یہ کہ اسلام ہی وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے پہچاننے کے لئے پسند کیا اپنی نظروں کے سامنے اس کی دیکھ بھال کی اس کی تبلیغ کے لئے بہترین نطق کا انتخاب فرمایا۔ اپنی محبت پر اُس کے ستون کھڑے کئے اس کی برتری کی وجہ سے تمام دینوں کو سرنگوں کیا اور اس کی بلندی کے

سامنے سب منتوں کو پست کیا۔ اس کی عزت و بزرگی کے ذریعہ دشمنوں کو ذلیل اور اس کی نصرت و تائید سے مخالفوں کو رسوا کیا۔ اس کے ستون سے گمراہی کے کھمبوں کو گرا دیا۔ پیاسوں کو اس کے تالابوں سے سیراب کیا اور پانی اُلچنے والوں کے ذریعہ حوضوں کو بھر دیا۔ پھر یہ کہ اسے اس طرح مضبوط کیا کہ اس کے بندھنوں کے لئے شکست و ریخت نہیں، نہ اس کے حلقہ (کی کڑیاں) الگ الگ ہوسکتی ہیں نہ اس کی بنیاد گر سکتی ہے نہ اس کے ستون اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں نہ اس کا درخت اکھڑ سکتا ہے نہ اس کی مدت ختم ہوسکتی ہے نہ اس کے قوانین محو ہوتے ہیں نہ اس کی شاخیں کٹ سکتی ہیں۔ نہ اس کی راہیں تنگ، نہ اس کی آسانیاں دشوار میں نہ اس کے سفید دامن پر سیاہی کا دھبہ، نہ اس کی استقامت میں پیچ وخم، نہ اس کی لکڑی میں کجی نہ اس کی کشادہ راہ میں کوئی دشواری ہے نہ اس کے چراغ گل ہوتے ہیں نہ اس کی خوشگواریوں میں تلخیوں کا گزر ہوتا ہے اسلام ایسے ستونوں پر حاوی ہے جس کے پائے اللہ نے حق (کی سرزمین) میں قائم کئے ہیں اور ان کی اساس و بنیاد کو استحکام بخشا ہے اور ایسے سرچشمے ہیں جن کے چشمے پانی سے بھرپور اور ایسے چراغ ہیں جن کی لو میں ضیا بار ہیں ایسے مینار ہیں جن کی روشنی میں مسافر قدم بڑھاتے ہیں اور ایسے نشان ہیں کہ جن سے سیدھی راہوں کا قصد کیا جاتا ہے اور ایسے گھاٹ ہیں جن پر اترنے والے ان سے سیراب ہوتے ہیں۔ اللہ نے اسلام میں اپنی انتہائے رضامندی بلند ترین ارکان اور اپنی اطاعت کی اونچی سطح کو قرار دیا ہے چنانچہ اللہ کے نزدیک اس کے ستون مضبوط اس کی عمارت سربلند دلیلیں روشن اور ضیائیں نور پاش ہیں۔ اس کی سلطنت غالب اور مینار بلند ہیں اور اس کی بیخ کنی دشوار ہے اس کی عزت و وقار باقی اس کے احکام کی پیروی کرو اس کے حقوق ادا کرو اور اس کے (ہر حکم کو) اس کی جگہ پر قائم کرو۔

ایک اور خطبہ دین اسلام کے بارے میں بیان فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَعَ الْاِسْلَامَ فَسَهَّلَ شَرَائِعَهُ لِمَنْ وَرَدَهُ، وَأَعَزَّ أَرْكَانَهُ عَلٰى مَنْ غَالَبَهُ، فَجَعَلَهُ أَمْناً لِمَنْ عَلِقَهُ، وَسِلْماً لِمَنْ دَخَلَهُ، وَبُرْهَاناً لِمَنْ تَكَلَّمَ بِهِ، وَشَاهِداً لِمَنْ خَاصَمَ بِهِ، وَنُوراً لِمَنِ اسْتَضَاءَ بِهِ، وَفَهْماً لِمَنْ عَقَلَ، وَلُبّاً لِمَنْ تَدَبَّرَ، وَآيَةً لِمَنْ

تَوَسَّمَ، وَتَبْصِرَةً لِمَنْ عَزَمَ، وَعِبْرَةً لِمَنِ اتَّعَظَ، وَنَجَاةً وَلِمَنْ صَدَّقَ، وَثِقَةً لِمَنْ تَوَكَّلَ، وَرَاحَةً لِمَنْ فَوَّضَ، وَجُنَّةً لِمَنْ صَبَرَ.

فَهُوَ أَبْلَجُ الْمَنَاهِجِ وَاضِحُ الْوَلَائِجِ، مُشْرَفُ الْمَنَارِ، مُشْرِقُ الْجَوَادِّ، مُضِيءُ الْمَصَابِيحِ، كَرِيمُ الْمِضْمَارِ، رَفِيعُ الْغَايَةِ، جَامِعُ الْحَلْبَةِ، مُتَنَافِسُ السُّبْقَةِ، شَرِيفُ الْفُرْسَانِ.

التَّصْدِيقُ مِنْهَاجُهُ، وَالصَّالِحَاتُ مَنَارُهُ، وَالْمَوْتُ غَايَتُهُ، وَالدُّنْيَا مِضْمَارُهُ، وَالْقِيَامَةُ حَلْبَتُهُ، وَالْجَنَّةُ سُبْقَتُهُ. (۴)

ترجمہ: تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے کہ جس نے شریعت اسلام کو جاری کیا اور اس (کے سرچشمۂ) ہدایت پر اترنے والوں کے لئے اس کے قوانین کو آسان کیا اور اس کے ارکان کو حریف کے مقابلے میں غلبہ وسرفرازی دی۔ چنانچہ جو اس سے وابستہ ہو اس کے لئے امن، جو اس میں داخل ہو اس کے لئے صلح وآشتی، جو اس کی بات کرے اس کے لئے دلیل، جو اس کی مدد لے کر مقابلہ کرے اس کے لئے اُسے گواہ قرار دیا ہے اور اس سے کسب ضیا کرنے والے کے لئے نور سمجھنے بوجھنے اور سوچ بچار کرنے والے کے لئے فہم و دانش، غور کرنے والے کے لئے (روشن) نشانی، ارادہ کرنے والے کے لئے بصیرت نصیحت قبول کرنے والے کے لئے عبرت تصدیق کرنے والے کے لئے نجات بھروسا کرنے والے کے لئے اطمینان، ہر چیز اسے سونپ دینے والے کے لئے راحت، صبر کرنے والے کے لئے سپر بنایا ہے وہ تمام سیدھی راہوں میں نہ زیادہ روشن اور تمام عقیدوں میں زیادہ واضح ہے اس کے مینار بلند، راہیں درخشاں اور چراغ روشن ہیں۔ اس کا میدان (عمل) باوقار اور مقصد و غایت بلند ہے۔ اس کے میدان میں تیز رفتار گھوڑوں کا اجتماع ہے وہ اس کی طرف بڑھنا مطلوب و پسندیدہ ہے اس کے شاہسوار عزت والے اور اس کا رستہ اللہ و رسول ؐ کی تصدیق ہے اور اچھے اعمال (راستے کے) نشانات ہیں۔ دنیا گھوڑ دوڑ کا میدان اور موت پہنچنے کی حد، اور قیامت گھوڑوں کے جمع ہونے کی جگہ اور جنت بڑھنے کا انعام ہے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے: اللہ نے اپنے رسول ؐ کو چمکتے ہوئے نور روشن دلیل کھلی ہوئی راہ شریعت

اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا ان کا قوم وقبیلہ بہترین قوم وقبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے کہ جہاں سے آپ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا اللہ نے آپ کو مکمل دلیل، شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے شریعت کی نامعلوم راہیں آشکارا کیں اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا اور قرآن وسنت میں بیان کئے ہوئے احکام واضح کئے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بدبختی مسلم، اس کا شیرازہ درہم وبرہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و ناگزیر اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ ایسا بھروسا کہ جس میں ہمہ تن اس کی طرف توجہ ہے اور ایسے راستے کی ہدایت چاہتا ہوں کہ جو اس کی جنت تک پہنچانے والا اور منزل مطلوب کی طرف بڑھنے والا ہے۔

اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہی کل رستگاری کا وسیلہ اور نجات کی منزل دائمی ہوگا۔ اُس نے اپنے عذاب سے ڈرایا تو سب کو خبردار کر دیا۔ اور جنت کی رغبت دلائی تو اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی دنیا اور اس کے فنا و زوال اور اُس کے پلٹ جانے کو کھول کر بیان کیا جو چیزیں اس دنیا سے تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں ان سے پہلو بچائے رکھو۔ کیونکہ ان میں سے ساتھ جانے والی تو بہت ہی تھوڑی ہیں۔ دنیا کی منزل اللہ کی ناراضگیوں سے قریب اور اس کی رضامندیوں سے دور ہے اللہ کے بندو اس کی فکروں اور اس کے دھندوں سے آنکھیں بند کر لو اس لئے کہ تمہیں یقین ہے کہ آخر یہ جدا ہو جانے والی ہے اور اس کے حالات پلٹا کھانے والے ہیں اس دنیا سے اس طرح خوف کھاؤ جس طرح کوئی ڈرنے والا اور اپنے نفس کا خیر خوا اور جانفشانی کے ساتھ کوشش کرنے والا ڈرتا ہے تم نے اپنے سے پہلے لوگوں کے جو گرنے کی جگھیں دیکھی ہیں ان سے عبرت حاصل کرو کہ ان کے جوڑ بند الگ الگ ہو گئے نہ ان کی آنکھیں رہیں اور نہ کان اُن کا شرف و وقار مٹ گیا اُن کی مسرتیں اور نعمتیں جاتی رہیں اور بال بچوں کے قرب کے بجائے علیحدگی اور بیویوں سے ہم نشینی

کے بجائے اُن سے جدائی ہوگئی۔ اب نہ وہ فخر کرتے ہیں اور نہ اُن کے اولاد ہوتی ہے۔ نہ ایک دوسرے سے ملتے ملاتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے ہمسایہ بن کر رہتے ہیں اے اللہ کے بندو! ڈرو جس طرح اپنے نفس پر قابو پالینے والا اور اپنی خواہشوں کو دبانے والا اور چشم بصیرت سے دیکھنے والا ڈرتا ہے کیونکہ ہر چیز واضح ہو چکی ہے نشانات قائم ہیں راستہ ہموار ہے اور راہ سیدھی ہے۔

اسلام کے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں انسانی ذہن میں کائنات کی خلقت کے بارے میں جو جو سوالات ابھرتے ہیں اسلام ان تمام سوالوں کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت سے قریب ہیں۔ دین اسلام سے پہلے بہت سے دین آئے شریعتیں آئیں مذاہب وجود میں آئے وہ سب منسوخ ہو گئے کیونکہ ان کی بنیاد فطرت پر نہیں تھی البتہ چند آسمانی دین جو آئے وہ بھی ناقص تھے جن کی تکمیل کے لئے دین اسلام کو خدا نے پسند فرمایا کیونکہ اس دین میں انسان کے لئے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلو کا احاطہ کیا گیا جس پر عمل کر کے انسان بلند درجہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ یہ آفاقی مذہب ہے اس لئے اس میں کوئی نقص نہیں اس دیں میں ہر صنف ہر رنگ نسل کے لوگوں کے لئے فلاح موجود ہے۔

دنیا کے دیگر جتنے بھی ادیان ہیں وہ عبادت گاہوں تک محدود ہیں عام معاشرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں جب کہ اسلام وہ واحد دین ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں نفوذ کر سکتا ہے چاہے وہ شیعہ تعلیم و تربیت، شعبہ طب، انجینئرنگ، زراعت ہو، چاہے انتظامی امور ہوں دفاعی امور ہوں تجارت کا شعبہ اقتصادی میدان ہو ہر ایک میں دینِ اسلام رہنمائی کرتا ہے جس پر عمل کر کے ہمیشہ انسان ایک کامیاب زندگی گزر سکتا ہے۔ دنیاوی قوانین پائیدار نہیں ہوتے کیونکہ وہ انسانوں کے ذریعے بنائے جاتے ہیں ان میں ترامیم کرنا پڑتی ہیں حالات و واقعات کے لحاظ سے وضع کئے جاتے ہیں ان میں نقص پایا جاتا ہے۔ جب کہ اسلامی قوانین فطرت کے مطابق ہیں۔ حضرت ایک خطبہ میں دین اسلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسلام دین معاشرت

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کیا گیا کہ دین تو شروع میں ایک ہی تھا اور وہ صرف اسلام تھا جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین تھا جس کی ابتدا حضرت آدمؑ کی خلقت سے ہوئی اور معاشرہ کی بنیاد بھی وہیں سے پڑی۔ علامہ محمد حسین طباطبائی فرماتے ہیں۔

''حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کے بعد ان کی اولاد اپنا وقت بے حد سادگی کے ساتھ اور بغیر کسی اختلاف کے گزارنے لگی۔ چونکہ افراد کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی اس لئے رفتہ رفتہ وہ مل جل کر رہنے لگے اور یوں اجتماعی زندگی کی بنیاد پڑی ان حالات میں وہ بتدریج زندگی کے طور طریقے سیکھتے رہے اور اپنے آپ کو تہذیب وتمدن کے قریب کرتے رہے جب لوگوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو مختلف قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔ ہر قبیلے میں ایسے بزرگ بھی پائے جاتے تھے جن کا اہل قبیلہ احترام کرتے تھے حتی کہ ان کی موت کے بعد ان کے مجسمے بنا کر انھیں خراج عقیدت پیش کرتے تھے اسی زمانے سے لوگوں میں بت پرستی کا آغاز اسی طریقے سے ہوا ہے اور بت پرستی کی تاریخ بھی اس بات کی تائید کرتی ہے چونکہ طاقتور لوگ کمزور لوگوں کا استحصال کرنے لگے اس لئے رفتہ رفتہ لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے یہ اختلافات اور کبھی کبھار پیدا ہونے والے بڑے بڑے اختلافات زندگی کی گوناگوں کشمکشوں کا باعث بن گئے۔ یہ اختلافات انسان کو نیک بختی کے راستے سے ہٹا کر بدبختی اور ہلاکت کی جانب کھینچنے لگے یہی وجہ ہے کہ مہربان خدا نے پیغمبر مبعوث کئے اور ان کو لوگوں کے اختلافات سے دور کرنے کے لئے آسمانی کتابیں دیں چنانچہ خداوند تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے: (۵)

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النّبيّنَ مُبشرينَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِحَكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوا فِيْه (٦)

ترجمہ: پہلے سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر آپس میں جھگڑنے لگے تب خدا نے (نجات

سے) خوشخبری دینے والے (عذاب سے) ڈرانیوالے پیغمبروں کو بھیجا اور ان پیغمبروں کے ساتھ برحق کتاب بھی نازل کی تا کہ جن باتوں میں لوگ جھگڑتے تھے (کتاب خدا اس کا) فیصلہ کردے۔

کیونکہ آغاز دنیا میں حضرت آدمؑ اور ان کا خاندان آباد تھا دین اسلام اس وقت بھی موجود تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن حضرت آدمؑ اور ان کے فرزندوں کے حالات نقل کردیئے جس میں حق و باطل کی پہلی جنگ دو بھائیوں کے درمیان ہوئی ایک حق کا علمبردار تھا دوسرا باطل کا پرستار تھا ایک مظلوم تھا دوسرا ظالم تھا ایک مقتول تھا دوسرا قاتل تھا ھابیل دین اسلام کا پیروکار تھا اور اس کا بھائی قابیل بے دین تھا حسد نے اس کو جہنم رسید کیا بہر حال جیسے جیسے انسانوں کی تعداد بڑھتی رہی اسی قدر اختلاف بھی جنم لیتے رہے ان اختلافات کو دور کرنے کے لئے ایسے ہادی اور رہنما کی ضرورت تھی جو دین کی معرفت رکھتا ہو اور الٰہی نمائندہ ہو اور اپنے ساتھ الٰہی دستاویز لے کر آئے تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔دین اسلام نے آغاز میں تمام مسائل کا حل پیش کیا اور انجام میں بھی وہ انسان کی سعادت کا باعث بنا۔

''دین اسلام آخری آسمانی دین ہے اور اسی وجہ سے سب ادیان کے مقابلے میں کامل ترین دین ہے اس دین کے آنے پر سابقہ ادیان منسوخ ہو گئے کیونکہ جب ایک کامل چیز موجود ہو تو ناقص کی ضرورت نہیں رہتی۔دین اسلام ہمارے جلیل القدر پیغمبرؐ کے ذریعے بنی نوع انسان کے لئے بھیجا گیا۔نجات اور خوش بختی کا یہ دروازہ اہل عالم کے لئے اس وقت کھولا گیا جب انسانی معاشرے نے ذہنی خامی اور کمزوری کے ادوار گزار چکے تھے اور انسانیت کا کمال حاصل کرنے کے لئے تیار تھے یعنی انہوں نے اتنی صلاحیت پیدا کرلی تھی کہ بلند پایہ الٰہی معارف اور مطالب کو سمجھ سکیں اور ان پر عمل کرسکیں لہٰذا اسلام نوع بشر کے لئے ایسے حقائق اور معارف لایا ہے جنھیں حقیقت پسند انسان کے لئے وجہ امتیاز ہیں اور ایسے احکام بھی لایا ہے جو انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے امور کو ترتیب دیتے ہیں اور وہ بنی نوع انسان کو ان کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

اس بنا پر اسلام ایک آفاقی اور ہمیشہ قائم رہنے والا دین ہے۔یہ اعتقادی امور اور اخلاقی وعملی

قواعد وضوابط کا وہ مجموعہ ہے کہ جس کے مطابق عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں سعادت اور نیک بختی حاصل کرتا ہے دین اسلام کے احکام ایسے ہیں کہ جو فرد اور جمع معاشرہ بھی ان پر عمل کرے وہ بہترین زندگی گزارتا ہے اور ان کی بدولت کمال کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے۔(۷)

یہی وجہ ہے کہ اسلام دین معاشرت ہے اور معاشرے کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ہر طبقے کے حقوق کا ضامن ہے کیونکہ اسلام ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق حق دیتا ہے اسلام عدل وانصاف کا علمبردار ہے۔امتیازی سلوک دنیاوی معیارات ہیں اس نے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔علامہ طباطبائی رقم طراز ہیں:

''دین اسلام ہر شخص اور ہر معاشرے کو مساوی طور پر اپنی برکتوں سے بہرہ مند کرتا ہے۔بڑے اور چھوٹے ،عقلمند اور نادان ،مرد اور عورت ،گورے اور کالے ،مشرقی ومغربی کسی امتیاز کے بغیر اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اپنی ضروریات بہترین طریقے سے پوری کر سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے انے معارف اور قوانین کی بنیاد کائنات پر رکھی ہے اور وہ انسان کی ضروریات کا احساس کرتے ہوئے ان کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔مختلف لوگوں ،نسلوں اور زمانوں میں انسان کی فطرت اور ساخت ایک جیسی ہوتی ہے کیونکہ جیسا کہ ظاہر ہے مشرق سے مغرب تک سارا انسانی معاشرہ ایک ہی نوع کا خاندان ہے یعنی سبھی بنی نوع انسان ہیں بڑا چھوٹا ، مرد اور عورت ،عقلمند ار نادان گورا اور کالا وغیرہ سبھی اس خاندان کے افراد اور انسانی عمارت کی بنیادوں میں برابر کے شریک ہیں ان مختلف افراد اور نسلوں کی ضروریات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والے انسان بھی انھیں لوگوں کی اولاد ہوں گے جو یقینی طور پر انھی جیسی ضروریات ورثے میں پائیں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی حقیقی اور فطری ضروریات پوری کرتا ہے یہ دین سب کے لئے کافی ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسی بنا پر خدا اسلام کو'' دین فطرت'' کا نام دیتا ہے اور لوگوں کو انسان فطرت کے قائم رکھنے کی دعوت دیتا ہے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ اسلام ایک آسان دین ہے جو انسانوں پر سخت گیری نہیں کرتا۔(۸)

اسلامی معاشرے کی اعلیٰ اقدار

جب پروردگار عالم نے انسان کو وجود جیسی نعمت بخشی تو اس کو تمام مخلوقات میں اشرف قرار دیا اور یہ شرف انسان کو ذوالعقل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا لیکن انسان ازل سے اپنے اندر دونوں قسم کی صفات کا حامل رہا ہے ایک صفات اور بد صفات جو اس کی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہیں جیسا کہ سورۂ والشمس میں بیان ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۔(۹)

ترجمہ: اور (قسم ہے) جان کی جسے اس نے درست کیا پھر اس کی بدکاری اور پرہیز گاری کو اسے سمجھا دیا (قسم ہے) جس نے اس جان کو (گناہ سے) پاک رکھا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے (گناہ کرکے) دبا دیا وہ نامراد ہوا۔

یعنی انسان کے اندر ازل سے یہ دو طاقتیں پائی جاتی ہیں اچھائی اور برائی اور انسان کو عقل بھی دی ہے تاکہ انسان اس کو استعمال کرکے دوسری مخلوقات سے ممتاز ہوسکت ہے بہرحال اس کی فطرت میں مختلف قوات کارفرما ہوتی ہیں جن کا پہچاننا چنداں آسان نہیں ہے۔ اس لئے کہ نفس انسانی دو چیزوں کا مرکب ہے ایک جسم اور دوسرا روح جسم کا تعلق کیونکہ عالم مادہ سے ہے اور حواس ظاہری سے اس کا ادراک ہوسکتا ہے البتہ روح کا تعلق مجردات میں سے ہے اس کا پہچاننا مشکل ہے۔ پروردگار عالم نے خود پیغمبرؐ سے فرمایا:

وَیسئلونكَ عَنِ الرّوح قل الروح من امر ربی(۱۰)

ترجمہ: اور (اے رسول) تم سے لوگ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تم (ان کے جواب میں) کہہ دو کہ روح (بھی) میرے پروردگار کے حکم سے (پیدا ہوئی ہے)

لہٰذا انسان وہ مخلوق ہے جس کی ماہیت کو سمجھنا آسان نہیں ہے جب تک کہ انسان علم و معرفت نہ رکھتا ہو شناخت نفس وہی کرسکتا ہے جو علوم جسمانیہ و روحانیہ کا ادراک رکھتا ہو۔ انسان کی صفات حمیدہ بہت سی ہیں جن محبت و شفقت، شرم و حیا، تواضع و انکساری، فہم و فراست اس کے مقابلے میں بغض و حسد، طمع و لالچ، غرور و تکبر، جہل و

نادانی ہے دونوں میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے اور آپس میں جنگ و جدال کی سی کیفیت رہتی ہے کبھی اخلاق پسندیدہ غالب آجاتے ہیں کبھی صفات رزیلہ حاوی ہوجاتی ہیں اسلامی تعلیمات میں اوصاف حمیدہ کو بلند درجہ حاصل ہے جب کہ صفات رزیلہ کو پست درجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے نیک صفات کو رحمانی صفات کا نام دیا جاتا ہے جب کہ بری صفات کو شیطانی صفات کہا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی اعلیٰ اقدار صفات حمیدہ پر مبنی ہیں جن میں سرفہرست کو علم وحکمت ہے جس کے ذریعے انسان ابدی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔ان کے علاوہ فکرونظر،صبر واستقامت،توکل علی اللہ،عدل وانصاف ایفائے عہد،عفو درگزر،حلم وبردباری،جودوسخا،حسن ظن،صداقت صلہ رحمی،تواضع وانکساری،اخوت،فقروغنی،قناعت،امانت پردہ پوشی، حسن معاشرت،شکرگذاری،حیاوعفت،تقوی وپرہیزگاری،حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں اوصاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے جن کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا یہاں ہم کلمات قصار میں سے ایک قول نقل کررہے ہیں:

لاَ مَالَ أَعْوَدُمِنَ الْعَقْلِ، وَلاَ وَحْدَةَ أَوْحَشُ مِنَ الْعُجْ، وَلاَ عَقْلَ كَالتَّدْبِيرِ، وَلاَ كَرَمَ كَالتَّقْوَى، وَلاَ قَرِينَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ، وَلاَ مِيرَاثَ كَالأَدَبِ، وَلاَ قَائِدَ كَالتَّوْفِيقِ، وَلاَ تِجَارَةَ كَالْعَمَلِ الصَّالِحِ، وَلاَ رِبْحَ كَالثَّوَابِ، وَلاَ وَرَعَ كَالْوُقُوفِ عِنْدَ الشُّبْهَةِ، وَلاَ زُهْدَ كَالزُّهْدِ فِي الْحَرَامِ، ولاَ عِلْمَ كَالتَّفَكُّرِ، وَلاَ عِبَادَةَ كَأَدَاءِ الْفَرائِضِ، وَلاَ إِيمَانَ كَالْحَيَاءِ وَالصَّبْرِ، وَلاَ حَسَبَ كَالتَّوَاضُعِ، وَلاَ شَرَفَ كَالْعِلْمِ، وَلاَ مُظَاهَرَةَ أَوْثَقُ مِن مُشَاوَرَة.ِ (۱۱)

ترجمہ:عقل سے بڑھ کر کوئی مال سودمند اور خود بینی سے بڑھ کر کوئی تنہائی وحشتناک نہیں اور تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل کی بات نہیں اور کوئی بزرگی تقویٰ کے مثل نہیں اور خوش خلقی سے بہتر کوئی ساتھی اور ادب کے مانند کوئی میراث نہیں اور توفیق کے مانند کوئی پیشرو اور اعمال خیر سے بڑھ کر کوئی تجارت نہیں اور ثواب کا ایسا کوئی نفع نہیں اور کوئی پرہیزگاری شبہات میں توقف سے بڑھ کر نہیں اور حرام کی طرف بے رغبتی سے بڑھ کر کوئی زہد اور تفکر و پیش بینی سے بڑھ کر کوئی علم نہیں اور ادائے فرائض کے مانند کوئی عبادت اور حیا وصبر سے بڑھ کر کوئی ایمان نہیں اور فروتنی سے بڑھ کر کوئی سرفرازی اور علم کے مانند کوئی بزرگی و شرافت نہیں علم کے مانند کوئی عزت اور مشورہ سے مضبوط کوئی پشت پناہ نہیں۔

علم و حکمت

حضرت علیؑ کمیل ابن زیاد نخعی کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دیکھو تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک عالم ربانی، دوسرا متعلم کہ جو نجات کی راہ پر برقرار ہے۔اور تیسرا عوام الناس کا وہ پست گروہ ہے کہ جو ہر پکارنے والے کے پیچھے ہو لیتا ہے اور ہر ہوا کے رخ پر مڑ جاتا ہے نہ انہوں نے نور علم سے کسب ضیا کیا نہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ لی۔

اے کمیل! یاد رکھو کہ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری نگہداشت کرتا ہے اور مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے لیکن علم صرف کرنے سے بڑھتا ہے مال و دولت کے نتائج واثرات مال کے فنا ہونے سے فنا ہو جاتے ہیں۔

اے کمیل! علم کی شناسائی ایک دین ہے کہ جس کی اقتدا کی جاتی ہے اسی سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے یاد رکھو کہ علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم۔

اے کمیل! مال اکٹھا کرنے والے زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے والے رہتی دنیا تک باقی رہتے ہیں۔ بے شک ان کے اجسام نظروں سے اوجھل ہیں مگر ان کی صورتیں دلوں میں موجود رہتی ہیں'' (۱۲)

حضرت علیؑ ایک صحابی اصبغ بن نباتہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:

''علم حاصل کرو کہ اس کا پڑھنا نیکی ہے مذاکرہ تسبیح ہے۔ بحث جہاد ہے اور تعلیم دینا صدقہ ہے علم صاحب علم کے لئے ذریعہ تقرب، وجہ معرفت حلال وحرام ہے اس کے ذریعے جنت حاصل ہوتی ہے وہ انیس وحشت مونس تنہائی، سلاح جنگ اور زینت احباب ہے۔ پروردگار نے اسی کے ذریعے افراد کو خیر کا قائد قرار دیا کہ ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائے ان کے آثار کا اتباع کیا جائے۔علم قلوب کی زندگی آنکھوں کی بصارت، بدن کی قوت، اور منازہ ابرار تک جانے کا ذریعہ

علم سے اللہ کی عبادت و اطاعت معرفت و توحید حاصل ہوتی ہے علم کے ذریعے صلہ رحم، معرفت حلال و حرام ہوتی ہے علم عقل کا اعام ہے اور عقل علم کے تابع علم نیک بختوں کے لئے الہام خداوندی ہے اور بد بختوں کی محرومی کا ظہار دفد فد فلند ۔'' (۱۳)

حکمت کے بارے میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

حکمت کے باتیں جہاں کہیں ہوں اسے حاصل کرو کیونکہ حکمت منافق کے سینہ میں بھی ہوتی ہے لیکن جب تک اس کی زبان سے نکل کر مومن کے سینہ میں پہنچ کر دوسری حکمتوں کے ساتھ بہل نہیں جاتی تڑپتی رہتی ہے ۔ (۱۴)

ایک اور قول علم و ہنر کے حوالے سے حضرت کا علامہ رضی نے نقل کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسا انمول جملہ ہے کہ نہ کوئی حکیمانہ بات اس کے ہم وزن ہوسکتی ہے اور نہ کوئی جملہ اس کا ہم پایہ ہوسکتا ہے ۔ (۱۵)

''ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے جو اس شخص میں ہے'' (۱۶)

علامہ مفتی جعفر حسین اس جملے کی شرح کی ذیل میں فرماتے ہیں:

انسان کی حقیقی قیمت اس کا جوہر علم و کمال ہے وہ علم و کمال کی جس بلندی پر فائز ہوگا اسی کے مطابق اس کی قدر و منزلت ہوگی ۔ چنانچہ جو ہر شناس نگاہیں شکل و صورت ، بلندی قد و قامت اور ظاہری جاہ و حشمت کو نہیں دیکھتیں بلکہ انسان کے ہنر کو دیکھتی ہیں اور اسی ہنر کے لحاظ سے اس کی قیمت ٹھہراتی ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو اکتساب فضائل و تحصیل علم و دانش میں جدوجہد کرنا چاہئے ۔ (۱۷)

فکر ونظر

انسان کی فکر اگر بلند ہو تو وہ بلند درجات حاصل کر لیتا ہے اسے اپنے بارے میں فکر ونظر کرنا چاہئے کہ وہ کہاں سے آیا اسے یہاں کس لئے بھیجا گیا ہے اور اسے یہاں سے واپس کہاں جانا ہے اس کائنات پر غور کرے کہ اس کا خالق و مالک کون ہے یہی فکر اسے خدا تک پہنچا دے گی۔ روایت میں ہے کہ:

''تفکر راس و رئیس عبادات ہے یہ روح و جانِ بندگی ہے۔ بہترین عبادات اللہ اور اس کی قدرت کے بارے میں غور و فکر ہے''۔(۱۸)

''علما نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ عبادت انسان کو ثواب تک پہنچاتی ہے اور فکر خود خدا تک پہنچاتی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا کا مرتبہ ثواب سے بالاتر ہے۔ اسکے علاوہ عبادات اعضا کا عمل ہے اور فکر دل کا عمل ہے اور دل کا مرتبہ اعضا و جوارح سے بالاتر ہے اس لئے ایک ساعت کی فکر کو ایک سال کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں ساٹھ، ستر سال کی عبادت سے بہتر بھی وارد ہوا ہے۔(۱۹)

اگر غور و فکر کرے تو اس دنیا سے دل لگانے کے بجائے اپنی آخرت کی فکر میں رہے کہ یہ دنیا مصائب و الام کا گھر ہے یہاں راحت و سکون نہیں بلکہ اصل زندگی انسان کی ابدی زندگی ہے جو اس دنیاوی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے بلکہ اگر انسان غور کرے کہ وہ پروردگار جس میں نے اس عارضی دنیاوی زندگی کے لئے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازجس کا شکر ہم زندگی بھر ادا نہیں کر سکتے جب کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور آخرت کی زندگی جو کہ ہمیشہ کے لئے ہے پروردگار ہم کو اس زندگی سے کہیں زیادہ نعمات سے عطا کرے گا جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے لہٰذا انسان کبھی اپنی موت کے بارے میں فکر کرے اپنے مرحومین کی زندگی غور و فکر کرے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

موت کی یاد سے اپنے دل کو قابو رکھنا۔ فنا کے اقرار پر اسے ٹھہرانا دنیا کے حادثے اس کے سامنے لانا۔ گردش روزگار سے اسے ڈرانا گزرے ہوؤں کے واقعات اس کے سامنے رکھنا تمہارے

پہلے والوں پر جو بیتیں اسے یاد دلانا ان کے گھروں اور کھنڈروں میں چلنا پھرنا اور دیکھنا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا کہاں سے کوچ کیا، کہاں اترے اور کہاں ٹھہرے ہیں۔(۲۰)

حضرت علیؑ کا ایک اور مفید قول جو غور و فکر کے بارے میں ہے:

اَلْفِکْرُ مِرآۃٌ صَافِیَۃٌ۔

ترجمہ: فکر صاف و شفاف آئینہ ہے۔(۲۱)

یعنی انسان کی فکر ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہر اچھائی اور برائی صاف نظر آ جاتی ہے۔ اگر انسان سوچ سمجھ کر تفکر کے ساتھ کام انجام دے تو اچھے اور برے پہلو سامنے آ جاتے ہیں۔

صبر و استقامت

صبر و استقامت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات بے انتہا ہیں کیونکہ اسلام کی تبلیغ میں یہی ایک صفت سب سے زیادہ کارفرما رہی ہے اسلام کو پھیلانے میں اور معاشرے میں حقوق الناس کے تحفظ کے لئے رسول اکرمؐ نے بہت زیادہ مصائب برداشت کئے اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کے لئے کفار کی ایذا رسانی ہو یا اسلامی جنگیں مسلمانوں نے ہمیشہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے رسول اکرمؐ اور ان کے اصحاب کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور عام زندگی میں بھی اگر صبر کا مظاہرہ کرے تو اس کے دیرپا نتائج سامنے آتے ہیں اور اسے کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ کا ایک قول نہج البلاغہ میں موجود ہے آپؑ فرماتے ہیں:

''صبر کرنے والا ظفر و کامرانی سے محروم نہیں ہوتا چاہے اس میں طویل زمانہ لگ جائے'' (۲۲)

تیئس سال میں حضور اکرمؐ نے مدینہ میں ایک اسلامی ریاست قائم کی جس میں صبر و استقامت ایک بنیادی عنصر تھا جس کی بدولت آپؐ کو کامیابی و کامرانی حاصل ہوئی۔ معاشرتی اقدار میں بھی صبر و استقامت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ علامہ صاحقانی اپنے فرزند کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''فرزند امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب صبر تمام ہوتا ہے تو فرحت نصیب ہوتی ہے اور تجربہ بھی اس کا گواہ ہے کہ ہر تنگی کے ساتھ ایک وسعت ہے۔

فرزند! یہ بھی یاد رکھو کہ صبر بہتر اوصاف و اخلاق کا مرجع و مقدر ہے حالات کے اعتبار اس کے نام الگ الگ ہیں ورنہ سب صبر کی شاخیں شکم و شرمگاہ کے بارے میں ہو تو اس کا نام عفت ہے مصیبت پر صبر ہو تو اس کے نام صبر ہے جس کے مقابلے میں جزع و فریاد ہے ترک معصیت پر صبر ہو تو اس کا نام تقویٰ ہے۔

دولت کی برداشت پر ہو تو ضبط نفس ہے جس کی ضد اکڑ ہے مصائب و حوادث دنیا پر ہو تو اس کا نام وسعت صدر ہے جس کی ضد تنگ دلی ہے۔

جنگ میں صبر ہو تو اس کا نام شجاعت ہے جس کی ضد بزدلی ہے ضبط غیظ میں ہو تو اس کا نام حلم ہے

جس کی ضد شکایت ہے کلام کے اخفا میں ہوتو اس نام راز داری ہے جس کی ضد افشا راز ہے فضول عیش کے مقابلے میں ہوتو اس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص ہے مختصر حصہ پر ہوتو اس کا نام قناعت ہے جس کی ضد لالچ اور ہوس ہے''۔(۲۳)

توکل علی اللہ

ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اعلیٰ اقدار میں سے ہے اس لئے کہ جو انسان اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے وہ انسانوں سے امید نہیں رکھتا انسان کو چاہئے کہ اپنے تمام امور کو اللہ کے سپرد کردے کیونکہ تمام قضا وقدر کا مالک وہی ذات پروردگار ہے جس نے کائنات کو خلق فرمایا وہی مسبب الاسباب ہے اگر انسان اللہ پر توکل کرے تو وہ بے وجہ تگ ودو سے بچ جائے گا۔ البتہ توکل علی اللہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور اپنے دینی اور دنیاوی امور کے لئے سعی وکوشش نہ کرے انسان محنت کرے اور اسباب کو خدا پر چھوڑ دے تو کامیابی ضرور ملے گی۔ انبیا کے حالات میں ملتا ہے جنہوں نے توکل علی اللہ کیا تو کامیابی حاصل ہوئی۔ جنہوں نے بندوں پر بھروسہ کیا وہ غضب کا شکار ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے توکل علی اللہ کیا تو آتش نمرود سے نجات پائی۔ دیگر انبیا میں ہمارے پیارے نبیؐ نے ہمیشہ اپنے رب پر بھروسہ کیا اور کفار ومشرکین پر غلبہ حاصل کیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ:

''کسی بندے کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہوتا جب تک اپنے ہاتھ میں موجود ہونے والے مال سے اس پر زیادہ اطمینان نہ ہو جو قدرت کے ہاتھ میں ہے۔'' (۲۴)

اس قول سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ سچا مومن وہ ہے جو قدرت خدا پر پختہ یقین رکھتا ہے اپنے اللہ کے ہاتھ میں اپنے تمام امور سپرد کر دیتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

"فَاذا عَزَمتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْن (۲۵)

ترجمہ: (اے رسولؐ) جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو کیونکہ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا ان کو ضرور دوست رکھتا ہے۔

عدل وانصاف

اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (۲۶)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے اور قرابتداروں کو (کچھ) دینے کا حکم کرتا ہے اور بدکاری اور ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے کو منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے۔

معاشرے میں ناہمواری اور بے راہ روی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ ایسے لوگوں کے ظلم وجور کا شکار ہو جاتا ہے جو ناہمواری کا سبب بنتے ہیں۔ اور کیونکہ ظلم وجور، عدل و انصاف کی ضد ہے لہٰذا اس کو مٹانے کا حکم دیا جا رہا ہے مذکورہ آیت اسی مفہوم کو واضح کر رہی ہے اور اتنی جامع و مانع آیت ہے جس میں تمام نیکیوں کا حکم دیا گیا ہے اور برائیوں سے منع کیا گیا ہے عدل کے معنی برابری اور انصاف کے ہیں انسان کو اپنی زندگی میں ہر ایک کے ساتھ عدل سے کام لینا چاہئے کیونکہ عدل ہی ایک دوسرے کے حقوق کا ضامن انسان سب سے پہلے اپنے ساتھ انصاف کرے اور اپنے نفس پر ظلم نہ کرے کیونکہ شیطان اسے معصیت الٰہی پر ابھارتا ہے بدکاری اور نازیبا اعمال کا حکم دیتا ہے اس کے برعکس پروردگار عادل اپنے بندوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

استعمل الْعَدْلَ وَاحْذَرْ الْعَسفَ وَالْحَیْفَ فَاِنَّ الْعَسفَ یَعُوْدُ بِالْجَلاَءِ وَالْحَیْفَ یَدْعُوْ اِلَی السَّیْفِ (۲۷)

ترجمہ: عدل کی روش پر چلو۔ بے راہ روی اور ظلم سے کنارہ کشی کرو کیونکہ بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں گھر بار چھوڑنا پڑے گا اور ظلم انہیں تلوار اٹھانے کی دعوت دے گا۔

نہج البلاغہ کے علاوہ حضرت کے کلمات دیگر کتب میں درج ہیں جن میں آپؑ نے عدل وانصاف کی تاکید کی ہے اور عادل افراد کو شرفا میں سے قرار دیا ہے:

اَعۡدَلُ النَّاسِ مَنۡ انصَفَ عَن قُوَّةٍ (۲۸)

ترجمہ: عادل ترین شخص وہ ہے جو قوت کے باوجود انصاف سے کام لے۔

کسی نے جب آپؑ سے دریافت کیا کہ عدل بہتر یا سخاوت تو آپؑ نے فرمایا:

اَلۡعَدۡلُ یَضَعُ الۡاُمُوۡرَ مَوَاضِعَهَا وَالۡجُوۡدُ یخرجُهَا مِنۡ جِهَتِهَا وَالۡعَدلُ سَائِسٌ عَامٌّ وَالۡجُوۡدُ عارِضٌ خَاصٌّ فَالۡعَدۡلُ اَشۡرَفهَا وَافۡضَلُهَا ۔(۲۹)

ترجمہ: عدل تمام امور کو ان کے موقع و محل پر رکھتا ہے اور سخاوت ان کو ان کی حدوں سے باہر کر دیتی ہے عدل سب کی نگہداشت کرنے والا ہے اور سخاوت اسی سے مخصوص ہوگی جیسے دیا جائے لہٰذا عدل سخاوت سے بہتر و برتر ہے۔

مذکورہ قول میں عدل کی جو تعریف کی گئی وہ بالکل منفرد ہے کیونکہ اسلام میں مساوات کا حکم بھی ہے اور عدل واحسان کا بھی حضرت کی تعریف سے ایک نئی جہت سامنے آتی ہے کہ مساوات کے معنی بھی برابری کے ہیں اور عدل وانصاف بھی معنی برابری مثل، فدیہ وغیرہ کے ہیں لیکن مساوات میں ہر ایک کو برابر کے حقوق ہیں جب کہ عدل کی تعریف جو کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس کی جو حیثیت ہے جس کا جو مقام ومرتبہ ہے اس کے مطابق اس کو اس کا حق دیا جائے جیسے والدین کے حقوق اور ہیں، بہن بھائیوں کے حقوق اور ہیں، رشتہ داروں کے حقوق اور ہیں، پڑوسیوں کے حقوق اور ہیں، اولاد کے حقوق اور ہیں، میاں بیوی کے حقوق اور ہیں استاد کا حق اور ہے مردوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق اور ہیں۔لہٰذا عدل کی تعریف یہ ہے کہ جس کا حق ہے اپنے نفس سمیت وہ اس کو دیا جائے یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

ایفائے عہد

پروردگارِ عالم نے قرآن مجید میں بعض مقامات پر ایفائے عہد کا حکم دیا ہے کیونکہ وعدہ وفا کرنا ایک معاشرتی اقدار میں سے ہے اور عہد کو پورا کرنے والا معاشرہ میں ایک معزز اور شریف انسان قرار پاتا ہے۔اور خاص طور پر جب انسان اپنے پروردگار کو حاضر و ناظر جان کر کوئی وعدہ کرے تو اس کو ضرور پورا کرے جیسا کہ خداوند کریم اس آیت میں تاکید فرما رہا ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (۳۰)

ترجمہ: جب تم لوگ باہم قول وقرار کرلیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے ضرور جانتا ہے۔

حضرت علیؑ کا نہج البلاغہ میں ایک مفید قول ہے جو معاشرے کے اور قوم کے غداروں کے بارے میں ایک حد فاصل ہے:

الوَفَاءُ لِاَهْلِ الغدر غدرٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْغَدْرُ باهلِ الْغَدرِ وَفَاءٌ عِنْدَ اللّٰهِ (۳۱)

ترجمہ: غداروں سے وفا کرنا اللہ کے نزدیک غداری ہے اور غداروں کے ساتھ غداری کرنا اللہ کے نزدیک عین وفا ہے۔

الوفا توامُ الامانة وَزَينُ الاخوّة (۳۲)

ترجمہ: وفاداری امانت کی جڑواں اور اخوت کی زینت ہے۔

عفوودرگذر

عفوودرگذر صفات انبیا میں سے ہے اور جس میں صفت پائی جاتی ہے پروردگار اس سے راضی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غفورورحیم ہے جب ہم کسی مسلماں کی خطا پر ہم معافکریں گے تو یقیناً پروردگار ہمیں ہماری لغزشوں سے درگذر فرمائے گا۔ یہ بات عقل سے ماورا ہے کہ ہم دوسروں کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور خود خدا سے بخشش کے طلبگار رہیں۔حضرت نے ایک قول میں ایک معاشرتی پہلو کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

اَوۡلَی النّاس بِالۡعفوِ اَقدَرُهُمۡ عَلَی الۡعُقُوبةِ۔ (۳۳)

ترجمہ: معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے جو سزا دینے پر قادر ہو۔

حضرتؑ کا ایک اور قول جو موجودہ معاشرہ میں عام ہے اور اگر انسان لوگوں کے رویے سے دل برداشتہ نہ ہو تو کامیاب ہے:

اَغۡضِ عَلَی اَلقذیٰ وَاِلاّ لَمۡ تَرۡضَ اَبَدًا۔(۳۴)

ترجمہ: تکلیف سے چشم پوشی کرو ورنہ کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔

ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خامی و کمزوری ضرورہ ہوتی ہے۔ اگر انسان دوسروں کی خامیوں اور کمزوریوں سے متاثر ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کرتا جائے تو رفتہ رفتہ وہ اپنے دوستوں کو کھودے گا جس سے اس کی زندگی تلخ اور الجھنیں بڑھ جائیں گی ایسے موقع پر انسان کو یہ سوچنا چائے کہ اس معاشرہ میں اسے فرشتے نہیں مل سکتے کہ جن سے اسے کبھی کوئی حکایت پیدا نہ ہوا سے انہی لوگوں میں رہنا سہنا اور انہی لوگوں میں زندگی گذارنا ہے۔لہٰذا جہاں تک ہو سکے ان کی کمزوریوں کو نظرانداز کرے۔اوران کی ایذارسانیوں سے چشم پوشی کرتا رہے۔(۳۵)

حلم و بردباری

حلیم الطبع ہونا بھی انسان کے لئے ایک بڑا آزمائشی مرحلہ ہوتا ہے کیونکہ برداشت وتحمل ایک ایسی صفت ہے جو اہل علم حضرات میں پائی جاتی ہے کیونکہ علم اور حلم دونوں لازم وملزوم ہیں جو شخص معاشرہ میں حلم و بردباری سے کام لے گا وہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ نہج البلاغہ میں قول امیر المومنینؑ ہے:

اَوَّلُ عِوَضِ الحکیم من حِلْمِهِ اَنَّ الناس اَنْصَارُهُ عَلَی الْجَاهِلِ (۳۶)

ترجمہ: حلیم وبردبار کو اپنی بردباری کا پہلا عوض یہ ملتا ہے کہ لوگ جہالت دکھانے والے کے خلاف اس کے طرفدار ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ قول ایک برداشت کرنے والے کی نیکی کا صلہ ہے جو اسے بردباری کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے ایک اور قول میں حضرتؑ فرماتے ہیں:

الحِلمُ غِطَاءٌ سَاتِرٌ وَالْعَقْلُ حُسامٌ قَاطِعٌ فَاسْتُرْ خَلَلَ خُلُقِكَ بِحِلْمِكَ وقَاتِلِ هَوَاكَ بِعَقْلِكَ۔ (۳۷)

ترجمہ: حلم وتحمل ڈھانکنے والا پردہ اور عقل کاٹنے والی تلوار۔ لہٰذا اپنے اخلاق کے کمزور پہلو کو حلم و بردباری سے چھپاؤ اور اپنی عقل سے خواہش نفسانی کا مقابلہ کرو۔

جود وسخا

حضرت علیؑ نے کلمات قصار میں سخاوت کے حوالے سے بیان فرمایا ہے ان میں سے چند اقوال نقل کرر ہے ہیں جب آپؑ سے حاتم طائی کی سخاوت کا تذکرہ کیا اور امیر المومنینؑ سنا ہے کہ حاتم طائی جب لوگوں کی امداد کرتا تھا تو چالیس دروازے اس نے رکھے ہوئے تھے اور وہ ہر دروازے سے لوگوں کو دیتا تھا تو حضرت نے جواب دیا کہ یہ سخاوت نہیں ہے کہ کسی انسان کو چالیس در کی ٹھوکر کھانا پڑے بلکہ ایک در سے اتنا دے دیا جائے کہ وہ مستغنی ہو جائے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں:

''سخاوت وہ ہے جو بن مانگے ہو اور مانگے سے دینا یا شرم ہے یا بدگوئی سے بچنا۔'' (۳۸)

یعنی انسان محتاج کی ضرورت کو اس کے مانگنے سے پہلے عطا کر دے اگر کوئی دست سوال بڑھائے پھر انسان دے گا تو یہ تاثر ہوگا کہ اس نے شرمندگی سے بچنے کے لئے دیا ہے یا اگر نہیں دے گا تو لوگ باتیں بنائیں کہ اور اس پر بخل کی تہمت لگائیں گے۔

ایک اور قول میں حضرتؑ فرماتے ہیں:

جسے عوض ملنے کا یقین ہو وہ عطیہ دینے میں دریا دلی دکھاتا ہے (۳۹)

یعنی کسی محتاج کی مدد کرنا جود وسخا کا مظاہرہ کر ایک مستحسن عمل ہے جس کا ثواب رب ذوالجلال کی جانب سے ضرور ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔ (۴۰)

ترجمہ: (اس کی رحمت تو دیکھو) جو شخص نیکی کرے گا تو اس کو اس کا دس گنا ثواب عطا ہوگا۔

مذکورہ قول اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان کلام الٰہی یہ یقین رکھتا ہے اور خدا کو رازق و مالک سمجھتا ہے تو وہ سخاوت کرنے میں بخل نہیں کرے گا اور یہ ایک ایسا بیوپار ہے جس میں انسان ہی کا فائدہ ہے۔

حسن ظن

حُسن ظن یعنی خوش گمانی اسلامی معاشرہ میں حسن ظن کو بہت اہمیت حاصل ہے اور حسن ظن سے انسان بہت سے اختلافات سے محفوظ رہتا ہے اور معاشرے سے بدگمانی قلع قمع ہوتا ہے۔

حضرتؑ فرماتے ہیں کہ:

''جوتم سے حسن ظن رکھے اس کے گمان کو سچا کر دکھاؤ''۔ (۴۱)

بدگمانی سے فساد برپا ہوتا ہے چاہئے وہ گھر والوں کے ساتھ ہو دوستوں کے ساتھ ہو رشتہ داروں کے ساتھ ہو پڑوسیوں کے ساتھ ہو یا حکمرانوں کے ساتھ ہو اس سے معاشرہ میں فتنہ وفساد کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا

حضرتؑ کا ایک اور قول ہے جس پر ہم اکتفا کر رہے ہیں:

''جس کا لوگوں کے متعلق گمان اچھا ہوگا وہ ان سے بدلے میں محبت پائے گا''۔ (۴۲)

حضرت کا ایک اور ارشاد جو معاشرتی پہلو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے:

''جب دنیا اور اہل دنیا میں نیکی کا چلن ہو اور پھر کوئی شخص کسی ایسے شخص سے کہ جس سے رسوائی کی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی سوظن رکھے تو اس نے اس پر ظلم وزیادتی کی اور جب دنیا واہل دنیا پر شر و فساد کا غلبہ ہو اور پھر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے حسن ظن رکھے تو اس نے (خود ہی اپنے کو) خطرے میں ڈالا۔ (۴۳)

صداقت

سچائی اور ایمان داری ایک ایسا جوہر ہے جو ہر مومن کی زینت ہونا چاہئے لیکن بدقسمتی سے یہ اسلامی قدر مسلمانوں کے بجائے غیر مسلموں میں زیادہ پائی جاتی ہے اگر آپ یورپ چلے جائیں تو وہ کم از کم اپنے معاشرے میں کسی کو دھوکہ اور فریب نہیں دیتے جس کی وجہ سے وہاں اور جرائم ہیں لیکن جھوٹ اور فریب جیسی لعنت نہیں ہے۔

ہم لوگ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی جو دو صفات تھیں اعلان رسالت سے پہلے مشہور ہو گئی تھیں ایک ''صادق'' اور دوسری ''امین'' کیونکہ دونوں صفات کا دعویٰ رسالت میں بڑا دخل تھا اور کفار و مشرکین نے بھی آپ کی صداقت اور امانت کا اعتراف کیا حضرت صدق کے بارے میں فرماتے ہیں:

صدق (سچائی) زبان کی امانت اور ایمان کا زیور ہے۔ (۴۴)

ایک اور مفید قول اور ضمانت نجات بھی ہے فرماتے ہیں:

صدق تمہیں نجات دے گا چاہے تم اس سے خوفزدہ رہو۔ (۴۵)

انسان سچ بولنے سے گھبراتا ہے کہ اگر میں سچ بولا تو میں عتاب کا شکار ہو جاؤں گا حالانکہ جھوٹ بولنے سے انسان نقصان اٹھاتا ہے۔ سچ ہمیشہ اسے نجات دلاتا ہے۔

تواضع وانکساری

تواضع یعنی اپنے نفس کو تذلل اور عاجزی کے ساتھ جھکانا اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے پست اور حقیر جاننا عاجزی وانکساری بھی اولیا اللہ کی صفات میں سے ہے۔ بہت مشہور کہاوت ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے سر کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکا کے رکھتا ہے آخرت کے دن اس کا سر فخر سے بلند ہوگا اور جو دنیا میں غرور وتکبر سے اپنے سر کو بلند کرتا ہے آخرت کے روز اس کا سر جھکا ہوا ہوگا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

> اللہ کے یہاں اجر کے لئے دولتمندوں کا فقیروں سے عجز وانکساری برتنا کتنا اچھا ہے اور اس سے اچھا فقرا کا اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دولتمندوں کے مقابلہ میں غرور سے پیش آنا ہے۔(۴۶)

متکبروں کے ساتھ تکبر سے پیش آنا عین تواضع ہے ایک اور قول میں فرماتے ہیں:

> آدمی کا بلند مقامی کے وقت فروتنی وتواضع سے پیش آنا اسے عہدے کے ختم ہوجانے کے بعد لوگوں کی مذمت سے بچالیتا ہے۔(۴۷)

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے جو صاحب اقتدار یا اعلیٰ عہدے پر فائز کوئی شخص تکبر نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ مدارات سے پیش آتا ہے لوگ عہدہ ختم ہونے کے بعد بھی اس کا احترام کرتے ہیں اور جو منصب کے دوران لوگوں کے ساتھ عاجزی سے نہیں پیش آتا اس کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد لوگ اس کو پوچھنے بھی نہیں آتے بلکہ اور برا بھلا کہتے ہیں۔

اخوت و بھائی چارہ

اخوت یعنی بھائی چارہ اسلام کا ایک بلند شعار ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے کہ قبل از اسلام مختلف مذاہب اور قبائل کے لوگ آپس میں جنگ وجدال کی کیفیت میں رہتے تھے اور ان کی دشمنیاں نسل در نسل رہتی تھیں نبی آخر الزمانؐ نے آکر پروردگار کا پیغام پہنچایا اور سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ حضورؐ نے مہاجر و انصار میں مواخاۃ قائم کر کے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا الْمُوْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔(۴۸)

ترجمہ: مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضرت علیؑ اور دیگر صحابہ کرام کی سیرت میں ملتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کا جذبہ رکھتے تھے اور ایثار و ہمدردی جو اسلامی تعلیمات میں سے ہے اس کے حامل تھے۔ حضرت اپنے دورِ حکومت میں تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اپنے گورنرز کو خاص ہدایات دی تھیں۔ مصر کے گورنر مالک اشتر نخعی کو خط میں تحریر کیا:

> رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم ورافت اور لطف و محبت کو جگہ دو ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انھیں نگل جانا غنیمت سمجھتے ہو۔ اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوق خدا ان کی لغزشیں بھی ہوں گی خطاؤں سے بھی انہیں سابقہ پڑے گا اور ان کے ہاتھوں سے جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ تم ان سے اسی طرح عفوودرگزر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفوودرگذر کو پسند کرتے ہو۔(۴۹)

فقروغنیٰ

فقروغنیٰ انسان کی زندگی کا حصہ ہے کبھی انسان کے دن اچھے ہوتے ہیں اور کبھی بالکل مفلس ہوتا ہے لیکن جو بندہ مومن ہے وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے چاہے وہ غریب (فقیر) ہو یا امیر ہو متقین کی صفات میں سے ایک صفت نہج البلاغہ میں امام علیؑ فرماتے ہیں:

ان کے نفس زحمت وتکلیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام وآسائش میں۔(۵۰)

یعنی اگر انہیں کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہ ظاہر نہیں کرتے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہے بہر حال فقرو غنیٰ دو الگ کیفیتیں ہیں جس کے بارے میں حضرت کا قول بہت واضح اور روشن ہے فرماتے ہیں:

دولت ہو تو پردیس میں بھی دیس ہے اور مفلسی ہو تو دیس میں بھی پردیس۔(۵۱)

اگر انسان صاحب دولت وثروت ہو تو وہ جہاں کہیں ہوگا اسے دوست وآشنامل جائیں گے۔جس کی وجہ سے اسے پردیس میں بھی مسافرت کا احساس نہ ہوگا۔اور اگر فقیر ونادار ہو تو وطن میں بھی دوست وآشنا میسر نہ ہوں گے کیونکہ لوگ غریب ونادار سے دوستی قائم کرنے کے خواہش مند نہیں ہوتے اور نہ اس سے تعلقات بڑھانا پسند کرتے ہیں اس لئے وہ وطن میں بھی بے وطن ہوتا ہے اور کوئی اس کا شناسا و پرسان حال نہیں ہوگا۔(۵۲)

قناعت

قناعت ایک پسندیدہ صفت ہے جو اسلامی اقدار میں سے ایک ہے قناعت پسند انسان کبھی بھی رزق حرام کی طرف نہیں جاتا اور خدا کے دیئے ہوئے رزق پر شکرادا کرتا ہے وہ قناعت کو ایک بہت بڑی دولت سمجھتا ہے اور طمع ولالچ سے پرہیز کرتا ہے حضرت فرماتے ہیں:

قناعت وہ سرمایہ ہے جو ختم نہیں ہوتا۔(۵۳)

قناعت سے بڑھ کر کوئی سلطنت اور خوش خلقی سے بڑھ کر کوئی عیش وآرام نہیں حضرتؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا "ہم اس کو پاک وپاکیزہ زندگی دیں گے" آپؑ نے فرمایا کہ وہ قناعت ہے۔(۵۴)

حسن معاشرت

ہم یہاں ذیل میں حسن معاشرت کی مناسبت سے حضرت علیؑ کے کلمات قصار نقل کر رہے ہیں:

لوگوں سے اس طریقہ سے ملو کہ اگر مرجاؤ تو تم پر روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔(۵۵)

جو شخص لوگوں کے ساتھ نرمی اور اخلاق کا برتاؤ کرتا ہے لوگ اس کی طرف دست تعاون بڑھاتے ہیں اس کی عزت وتوقیر کرتے ہیں اور اس کے مرنے کے بعد اس کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں ۔لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ اس طرح مرنجاں مرنج زندگی گذارے کہ کسی کو اس سے شکایت پیدا نہ ہو اور نہ اس سے کسی کو گزند پہنچے تا کہ اسے زندگی میں دوسروں کی ہمدردی حاصل ہو اور مرنے کے بعد بھی اسے اچھے لفظوں سے یاد کیا جائے۔(۵۶)

تقویٰ و پرہیز گاری

تقوی کے معنی اپنے آپ کو بچانا یعنی عذاب آخرت سے بچانا، غضبِ الٰہی سے بچانا یا اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا، معصیتِ خداوندی سے بچانا۔ بہر حال انسان ایسا کوئی فعل انجام نہ دے جو عذاب کا باعث بنے یعنی واجبات کو ادا کرے محرمات سے پرہیز کرے۔ یہی تقوی کا مختصر مفہوم ہے۔ بہر حال ایک مسلمان اور مومن کو تقوی کی صفات سے مزین ہونا چاہئے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے جو متقین کی صفات بیان کی ہیں وہ آج تک کسی نے بیان نہیں کیں، ہر انسان کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ہر مومن کو ان اوصاف کا حامل ہونا چاہئے تا کہ ہم صحیح معنوں میں امت رسولؐ اور پیرو کارِ امام کہلائے جاسکیں۔ ہم ذیل میں وہ جامع صفات جو حضرت نے اپنے ایک صحابی سے بیان فرمائیں ہیں نقل کر رہے ہیں۔

رُوِیَ اَنَّ صَاحِبًا لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ یُقَالُ لَهُ هَمَّامٌ كَانَ رَجُلاً عَابِدًا، فَقَالَ یَاأَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ صِفْ لِیَ الْمُتَّقِیْنَ حَتّٰی كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْهِمْ فَتَثَاقَلَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ عَنْ جَوَابِهٖ ثُمَّ قَالَ:۔یَاهَمَّامُ اتَّقِ اللهَ وَاَحْسِنْ فَاِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقُوا وَالَّذِیْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ، فَلَمْ یَقْنَعْ هَمَّامٌ بِهٰذَا الْقَوْلِ حَتّٰی عَزَمَ عَلَیْهِ فَحَمِدَ اللهَ وَ اَثْنٰی عَلَیْهِ وَصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ:۔

بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے ایک صحابی نے کہ جنہیں ہمام کہا جاتا ہے اور جو بہت عبادت گزار شخص تھے حضرت سے عرض کیا کہ یا امیر المومنین مجھ سے پرہیز گاروں کی حالت اس طرح بیان فرمائیں کہ ان کی تصویر میری نظروں میں پھرنے لگے حضرت نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا۔ پھر اتنا فرمایا کہ اے ہمام اللہ سے ڈرو اور اچھے عمل کرو، کیونکہ اللہ ان

لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ذی کردار ہوں۔ ہمام نے آپ کے اس جواب پر اکتفا نہ کیا اور آپ کو مزید بیان فرمانے کے لئے قسم دی جس پر حضرت نے خدا کی حمد وثنا کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور یہ فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى خَلَقَ الْخَلْقَ حِيْنَ خَلَقَهُمْ غَنِيًّا عَنْ طَاعَتِهِمْ، اٰمِنًا مِنْ مَعْصِيَتِهِمْ، لِاَنَّهُ لَا تَضُرُّهُ مَعْصِيَةُ مَنْ عَصَاهُ وَلَا تَنْفَعُهُ طَاعَةُ مَنْ اَطَاعَهُ، فَقَسَمَ بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ وَوَضَعَهُمْ مِنَ الدُّنْيَا مَوَاضِعَهُمْ فَالْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا هُمْ اَهْلُ الْفَضَائِلِ مَنْطِقُهُمُ الصَّوَابِ وَمَلْبَسُهُمُ الْاِقْتِصَادُ وَمَشْيُهُمُ التَّوَاضُعُ غَضُّوْا اَبْصَارَهُمْ عَمَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَوَقَفُوْا اَسْمَاعَهُمْ عَلَى الْعِلْمِ النَّافِعِ لَهُمْ نُزِّلَتْ اَنْفُسُهُمْ مِنْهُمْ فِي الْبَلَاءِ كَالَّتِيْ نُزِّلَتْ فِي الرَّخَاءِ وَلَوْ لَا الْاَجَلُ الَّذِيْ كُتِبَ لَهُمْ لَمْ تَسْتَقِرَّ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْسَادِهِمْ طَرْفَةَ عَيْنٍ شَوْقًا اِلَى الثَّوَابِ، دَعَوْفًا مِنَ الْعِقَابِ. عَظُمَ الْخَالِقُ فِيْ اَنْفُسِهِمْ فَصَغُرَ مَا دُوْنَهُ فِيْ اَعْيُنِهِمْ فَهُمْ وَالْجَنَّةُ كَمَنْ قَدْ رَاٰهَا فَهُمْ فِيْهَا مُتَنَعِّمُوْنَ، وَهُمْ وَالنَّارُ كَمَنْ رَاٰهَا فَهُمْ فِيْهَا مُعَذَّبُوْنَ قُلُوْبُهُمْ مَحْزُوْنَةٌ وَشُرُوْرُهُمْ مَاْمُوْنَةٌ، وَاَجْسَادُهُمْ نَحِيْفَةٌ، وَحَاجَاتُهُمْ خَفِيْفَةٌ وَ اَنْفُسُهُمْ عَفِيْفَةٌ، صَبَرُوْا اَيَّامًا قَصِيْرَةً قَبَتْهُمْ رَاحَةً طَوِيْلَةً، تِجَارَةٌ مُرْبِحَةٌ يَسَّرَهَا لَهُمْ رَبُّهُمْ اَرَادَتْهُمُ الدُّنْيَا فَلَمْ يُرِيْدُوْهَا، وَاَسَرَتْهُمْ فَفَدَوْا اَنْفُسَهُمْ مِنْهَا. اَمَّا اللَّيْلُ فَصَافُّوْنَ اَقْدَامَهُمْ، تَالِيْنَ لِاَجْزَاءِ الْقُرْاٰنِ يُرَتِّلُوْنَهُ تَرْتِيْلًا، يُحَزِّنُوْنَ بِهِ اَنْفُسَهُمْ وَيَسْتَثِيْرُوْنَ بِهِ دَوَاءَ دَائِهِمْ. فَاِذَا مَرُّوْا بِاٰيَةٍ فِيْهَا تَشْوِيْقٌ رَكَنُوْا اِلَيْهَا طَمَعًا، تَطَلَّعَتْ نُفُوْسُهُمْ اِلَيْهَا شَوْقًا، وَظَنُّوْا اَنَّهَا نُصْبَ اَعْيُنِهِمْ. وَاِذَا مَرُّوْا بِاٰيَةٍ فِيْهَا تَخْوِيْفٌ اَصْغَوْا اِلَيْهَا مَسَامِعَ قُلُوْبِهِمْ وَظَنُّوْا اَنَّ زَفِيْرَ جَهَنَّمَ وَشَهِيْقَهَا فِيْ اُصُوْلِ اٰذَانِهِمْ فَهُمْ حَافُوْنَ عَلَى اَوْسَاطِهِمْ مُفْتَرِشُوْنَ لِجِبَاهِهِمْ وَاَكُفِّهِمْ وَرُكَبِهِمْ وَ اَطْرَافِ اَقْدَامِهِمْ يَطَّلِبُوْنَ اِلَى اللهِ تَعَالَى فِيْ فَكَاكِ رِقَابِهِمْ وَاَمَّا النَّهَارُ فَحُلَمَاءُ عُلَمَاءُ اَبْرَارٌ اَتْقِيَاءُ. قَدْ بَرَاهُمُ الْخَوْفُ بَرْيَ الْقِدَاحِ يَنْظُرُ اِلَيْهِمُ النَّاظِرُ فَيَحْسَبُهُمْ مَرْضٰى

وَمَا بِالْقَوْمِ مِنْ مَرَضٍ وَيَقُولُ قَدْ خُولِطُوا وَلَقَدْ خَالَطَهُمْ امْرٌ عَظِيمٌ. لَايَرْضَوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمُ الْقَلِيلَ وَلَايَسْتَكْثِرُوْنَ الْكَثِيرَ. فَهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ مُتَّهِمُوْنَ وَمِنْ اَعْمَالِهِمْ مُشْفِقُوْنَ. اِذَا زُكِّيَ اَحَدُهُمْ خَافَ مِمَّا يُقَالُ لَهُ فَيَقُولُ. اَنَا اَعْلَمُ بِنَفْسِي مِنْ غَيْرِي وَرَبِّي اَعْلَمُ بِيْ مِنِّي بِنَفْسِي اَللّٰهُمَّ لاَ تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا يَقُوْلُوْنَ . وَاجْعَلْنِي اَفْضَلَ مِمَّا يَظُنُّوْنَ. وَاغْفِرْلِيْ مَالَايَعْلَمُوْنَ.

اللہ سبحانہ نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو ان کی اطاعت سے بے نیاز اور ان کے گناہوں سے بے خطر ہو کر کارگاہ ہستی میں انہیں جگہ دی کیونکہ اسے نہ کسی معصیت کار کی معصیت سے نقصان اور نہ کسی فرمانبردار کی اطاعت سے فائدہ پہنچتا ہے۔اس نے زندگی کا سروسامان ان میں بانٹ دیا ہے اور دنیا میں ہر ایک کو اس کے مناسب حال محل ومقام پر رکھا ہے چنانچہ فضیلت ان کے لئے ہے جو پرہیز گار ہیں کیونکہ ان کی گفتگو جچی تلی ہوئی پہناوا میانہ روی اور چال ڈھال عجز و فروتنی ہے۔اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور فائدہ مند علم پر کان دھر لئے ہیں ان کے نفس زحمت وتکلیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام وآسائش میں اگر (زندگی کی مقررہ) مدت نہ ہوتی جو اللہ نے ان کے لئے لکھ دی ہے تو ثواب کے شوق اور عتاب کے خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں چشم زدن کے لئے بھی نہ ٹھہرتیں خالق کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس لئے کہ اس کے ماسوا ہر چیز ان کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے ان کو جنت کا ایسا ہی یقین ہے جیسے کسی کو آنکھوں دیکھی چیز کا ہوتا ہے تو گویا اسی وقت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور دوزخ کا بھی ایسا ہی یقین ہے جیسے کہ وہ دیکھ رہے ہیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں کا عذاب ان کے گرد پیش موجود ہے ان کے دل غمزدہ مخزون اور لوگ ان کے شر وایذا سے محفوظ و مامون ہیں ان کے بدن لاغر ضروریات کم اور نفس انسانی خواہشوں سے بری ہیں انہوں نے چند مختصر سے دلوں کی تکلیفوں پر صبر کیا جس کے نتیجہ میں دائمی آسائش حاصل کی۔ یہ ایک فائدہ مند تجارت ہے جو اللہ نے ان کے لئے مہیا کی دنیا نے انہیں چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہ چاہا اس نے انہیں قیدی بنایا تو انہوں نے اپنے نفسوں کا فدیہ دے کر اپنے کو

چھڑایا۔رات ہوتی ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر قرآن کی آیتوں کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے ہیں جس سے اپنے دلوں میں غم واندوہ تازہ کرتے ہیں اور اپنے مرض کا چارہ ڈھونڈتے ہیں جب کسی ایسی آیت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت کی ترغیب دلائی گئی ہو تو اس کی طمع میں ادھر جھک پڑتے ہیں اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل بے تابانہ کھنچتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ پرکیف منظران کی نظروں کے سامنے ہے اور جب کسی ایسی آیت پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں دوزخ سے ڈرایا گیا ہو تو اس کی جانب دل کے کانوں کو جھکا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز اور وہاں کی چیخ پکار ان کے کانوں کے اندر پہنچ رہی ہے وہ رکوع میں اپنی کمریں جھکائے اور سجدہ میں اپنی پیشانیاں ہتھیلیاں گھٹنے اور پیروں کے کنارے انگوٹھے زمین پر بچھائے ہوئے ہیں اور اللہ سے گلوخلاصی کے لئے التجائیں کرتے ہیں۔دن ہوتا ہے تو وہ دانشمند عالم، نیکوکار اور پرہیزگار نظر آتے ہیں خوف نے انہیں تیروں کی طرح لاغر چھوڑا ہے دیکھنے والا انہیں کو دیکھ کر مریض سمجھتا ہے حالانکہ انہیں کوئی مرض نہیں ہوتا اور جب ان کی باتوں کو سنتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ ان کی عقلوں میں فتور ہے (ایسا نہیں) بلکہ انہیں تو ایک دوسرا ہی خطرہ لاحق ہے وہ اپنے اعمال کی کم مقدار سے مطمئن نہیں ہوتے اور زیادہ کو زیادہ نہیں سمجھتے، وہ اپنے ہی نفسوں پر (کوتاہیوں) کا الزام رکھتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں جب ان میں سے کسی ایک کو صلاح وتقویٰ کی بنا پر سراہا جاتا ہے تو وہ اپنے حق میں کہی ہوئی باتوں سے لرز اٹھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہوں اور میرا پروردگار مجھ سے بھی زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے خدایا ان کی باتوں پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے متعلق جو یہ حسن ظن رکھتے ہیں مجھے اس سے بہتر قرار دینا اور میرے ان گناہوں کو بخش دینا جو ان کے علم میں نہیں۔

فَمِنْ عَلَامَةِ اَحَدِهِمْ اَنَّكَ تَرٰى لَهُ قُوَّةً فِيْ دِيْنٍ وَحَزْمًا فِيْ لِيْنٍ، وَاِيْمَانًا فِيْ يَقِيْنٍ وَحِرْصًا فِيْ عِلْمٍ، وَعِلْمًا فِيْ حِلْمٍ وَقَصْدًا فِيْ غِنًى، وَخُشُوْعًا فِيْ عِبَادَةٍ، وَتَجَمُّلاً فِيْ فَاقَةٍ، وَصَبْرًا فِيْ شِدَّةٍ وَطَلَبًا فِيْ حَلَالٍ. وَنَشَاطًا فِيْ هُدًى وَتَحَرُّجًا عَنْ طَمَعٍ يَعْمَلُ الْاَعْمَالَ الصَّالِحَةَ وَهُوَ عَلٰى وَجَلٍ. يُمْسِيْ وَهَمُّهُ الشُّكْرُ وَيُصْبِحُ وَهَمُّهُ الذِّكْرُ يَبِيْتُ حَذِرًا

وَيُصْبِحُ فَرِحًا۔ حَذِرًا لِمَا حَذِرَ مِنَ الْغَفْلَةِ وَفَرِحًا بِمَا اَصَابَ مِنَ الْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ اِنِ اسْتَصْعَبَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ فِيمَا تَكْرَهُ لَمْ يُعْطِهَا سُؤْلَهَا فِيمَا تُحِبُّ قُرَّةُ عَيْنِهٖ فِيمَا وَزَهَادَتُهُ فِيمَا لَا يَبْقٰى ۔ يَمْزَجُ الْحِلْمَ بِالْعِلْمِ وَالْقَوْلَ بِالْعَمَلِ تَرَاهُ قَرِيبًا اَمَلُهُ قَلِيلاً زَلَلُ خَاشِعًا قَلْبُهُ قَانِعَةً نَفْسُهُ مَنْزُورًا اَكْلُهُ۔ سَهْلاً اَمْرُهُ۔ حَرِيزًا دِيْنُهُ مَيِّتَةً شَهْوَتُهُ مَكْظُومًا غَيْظُهُ۔ اَلْخَيْرُ مِنْهُ مَأْمُولٌ وَالشَّرُّ مِنْهُ مَاْمُوْنٌ اِنْ كَانَ فِي الْغَافِلِيْنَ كُتِبَ فِي الذَّاكِرِيْنَ۔ وَاِنْ كَانَ فِي الذَّاكِرِيْنَ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ يَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَهُ وَيُعْطِي مَنْ حَرَمَهُ وَيَصِلُ مَنْ قَطَعَهُ۔ بَعِيدًا فُحْشُهُ۔ لَيِّنًا قَوْلُهُ غَائِبًا مُّنْكَرُهُ۔ حَاضِرًا مَّعْرُوفُهُ مُقْبِلاً خَيْرُهُ۔ مُدْبِرًا شَرُّهُ۔ فِي الزَّلَازِلِ وَقُوْرٌ، وَفِي الْمَكَارِهِ صَبُوْرٌ وَفِي الرَّخَاءِ شَكُوْرٌ۔ لَا يَحِيفُ عَلٰى مَنْ يُّبْغِضُ ۔ وَلَا يَأْثَمُ فِيمَنْ يُّحِبُّ يَعْتَرِفُ بِالْحَقِّ قَبْلَ اَنْ يُّشْهَدَ عَلَيْهِ، لَا يُضِيعُ مَا اسْتُحْفِظَ۔ وَلَا يَنْسٰى مَا ذُكِّرَ۔ وَلَا يُنَابِزُ بِالْاَلْقَابِ۔ وَلَا يُضَارُّ بِالْجَارِ۔ وَلَا يَشْمَتُ بِالْمَصَائِبِ۔ وَلَا يَدْخُلُ فِي الْبَاطِلِ، وَلَا يَخْرُجُ مِنَ الْحَقِّ۔ اِنْ صَمَتَ لَمْ يَغُمَّهُ صَمْتُهُ وَاِنْ ضَحِكَ لَمْ يَعْلُ صَوْتُهُ وَاِنْ بُغِيَ عَلَيْهِ صَبَرَ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْ يَنْتَقِمُ لَهُ نَفْسُهُ مِنْهُ فِي عَنَاءٍ۔ وَالنَّاسُ مِنْهُ فِي رَاحَةٍ اَتْعَبَ نَفْسَهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَاَرَاحَ النَّاسَ مِنْ نَفْسِهٖ ۔بُعْدُهُ عَمَّنْ تَبَاعَدَ عَنْهُ زُهْدٌ وَّنَزَاهَةٌ۔ وَدُنُوُّهُ مِمَّنْ دَنَا مِنْهُ لِيْنٌ وَ رَحْمَةٌ۔ لَيْسَ تَبَاعُدُهُ بِكِبْرٍ وَّ عَظَمَةٍ، وَلَا دُنُوُّهُ بِمَكْرٍ وَّ خَدِيعَةٍ (۵۷)

ان میں سے ایک کی علامت یہ ہے کہ تم اس کے دین میں استحکام، نرمی وخوش خلقی کے ساتھ دوراندیشی، ایمان میں یقیین واستواری، بردباری کے ساتھ دانائی، خوش حالی میں میانہ روی، عبادت میں عجز و نیاز مندی فقر وفاقہ میں آن بان، مصیبت میں صبر، طلب رزق میں حلال پر نظر، ہدایت میں کیف وسرور اور طمع سے نفرت و بے تعلقی دیکھو گے۔ وہ نیک اعمال بجالانے کے باوجود خائف رہتا ہے شام ہوتی ہے تو اس کے پیش نظر اللہ کا شکر اور صبح ہوتی ہے تو اس کا مقصد یاد خدا ہوتا ہے رات خوف و خطر میں گزارتا ہے اور صبح کو خوش اٹھتا ہے خطرہ اس کا کہ رات غفلت میں نہ گزر جائے اور خوشی اس فضل ورحمت کی دولت پر جو اسے نصیب ہوئی ہے اگر اس کا نفس کسی ناگوار صورت حال کے

برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے تو وہ اس کی من مانی خواہش کو پورا نہیں کرتا جاودانی نعمتوں میں اس کے لئے آنکھوں کا سرور ہے اور دار فانی کی چیزوں سے بے تعلقی و بیزاری ہے اس نے علم میں علم اور قول میں عمل کو سمو دیا ہے تم دیکھو گے اس کی امیدوں کا دامن کوتاہ لغزشیں کم، دل متواضع اور نفس قانع، غذا قلیل رویہ بے زحمت دین محفوظ خواہشیں مردہ اور غصہ ناپید ہے اس سے بھلائی ہی کی توقع ہو سکتی ہے اور اس سے گزند کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ جس وقت ذکر خدا سے غافل ہونے والوں میں نظر آتا ہے جب بھی ذکر کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے چونکہ اس کا دل غافل نہیں ہوتا اور جب ذکر کرنے والوں میں ہوتا ہے تو ظاہر ہی ہے کہ اسے غفلت شعاروں میں شمار نہیں کیا جاتا، جو اس پر ظلم کرتا ہے اس سے درگزر کر جاتا ہے جو اسے محروم کرتا ہے اس کا دامن اپنی عطا سے بھر دیتا ہے جو اس سے بگاڑتا ہے یہ اس سے بناتا ہے بیوہودہ بکواس اس کے قریب نہیں پھٹکتی اس کی باتیں نرم برائیاں ناپید اور اچھائیاں نمایاں ہیں خوبیاں ابھر کر سامنے آتی ہیں یہ مصیبت کے جھٹکوں میں کوہ علم و وقار سختیوں پر صابر اور خوش حالی میں شاکر رہتا ہے جس کا دشمن بھی ہو اس کے خلاف بے جا زیادتی نہیں کرتا اور جس کا دوست ہوتا ہے اس کی خاطر بھی کوئی گناہ نہیں کرتا قبل اس کے کہ اس کی کسی بات کے خلاف گواہی کی ضرورت پڑے وہ خود ہی حق کا اعتراف کر لیتا ہے امانت کو ضائع و برباد نہیں کرتا جو اسے یاد دلایا گیا ہے اسے فراموش نہیں کرتا۔ نہ دوسروں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے نہ ہمسایوں کو گزند پہنچاتا ہے، نہ دوسروں کی مصیبتوں پر خوش ہوتا ہے، نہ باطل کی سرحد میں داخل ہوتا ہے، اور نہ جادۂ حق سے قدم باہر نکالتا ہے اگر چپ سادھ لیتا ہے تو اس خاموشی سے اس کا دل نہیں بجھتا اور اگر ہنستا ہے تو آواز بلند نہیں ہوتی۔ اگر اس پر زیادتی کی جائے تو سہ لیتا ہے تاکہ اللہ ہی اس کا انتقام لے۔ اس کا نفس اس کے ہاتھوں مشقت میں مبتلا ہے اور دوسرے لوگ اس سے امن و راحت میں ہیں۔ اس نے آخرت کی خاطر اپنے نفس کو زحمت میں اور خلق خدا کو اپنے نفس (کے شر) سے راحت میں رکھا ہے جن سے دوری اختیار کرتا ہے تو یہ زہد و پاکیزگی کے لئے ہوتی ہے اور جن سے قریب ہوتا ہے تو یہ خوش خلقی و رحم دلی کی بنا پر ہے نہ اس کی دوری غرور و کبر کی وجہ سے اور نہ اس کا میل جول کسی فریب اور مکر کی بنا پر ہوتا ہے۔

نہج البلاغہ کی نظر میں معاشرے کی تشکیل

اقتصادی، دفاعی، عوامی بہبود

ایک پاک و پاکیزہ معاشرے کے لئے لازمی ہے کہ ایک عادلانہ نظام رائج ہو جس میں تمام انسانوں کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہو۔ اقوام متحدہ کا ادارہ جو حقوق انسانی کا منشور رکھتا ہے جس کو اہم ممالک کے سرکردہ افراد نے مرتب کیا ہے اس کے باوجود اس میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کا منشور تو مرتب کر دیا لیکن اس پر عمل درآمد کرنے کے لئے اس کے پاس اختیار نہیں۔ طاقت ور ممالک ویٹو پاور کے زور پر اپنی بات منوالیتے ہیں نتیجۃً وہ منشور صرف کتاب کی حد تک ہے۔ اس کو تمام ممالک کے لئے مشعلِ راہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ذیل میں عہد نامہ پیش کیا جا رہا ہے وہ حقوق انسانی کا دائمی منشور ہے جس کو ایک الٰہی نمائندہ نے تنہا مرتب کیا ہے اور اس میں کوئی خامی نہیں ہے کیوں کہ یہ دستور العمل قرآن و سنت کی روشنی میں ہے۔ حضرتؑ نے اس خطبہ میں اقتصادی، دفاعی، عوامی فلاح و بہبود اور بلدیاتی نظام کی بات کی ہے اور تقوی کی نصیحت کی اور اللہ کی نصرت کا حکم دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

> اس دستاویز کو (مالک) اشتر نخعی رحمۃ اللہ کے لئے تحریر فرمایا۔ جب کہ محمد ابن ابی بکر کے حالات بگڑ جانے پر انہیں مصر اور اس کے اطراف کی حکومت سپرد کی یہ سب سے طویل عہد نامہ اور امیر المومنینؑ کے توقیعات میں سب سے زیادہ محاسن پر مشتمل ہے:

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

یہ ہے وہ فرمان جس پر کار بند رہنے کا حکم دیا ہے خدا کے بندے علی امیر المومنینؑ نے مالک ابن حارث اشتر کو جب مصر کا انہیں والی بنایا تا کہ وہ خراج جمع کریں دشمنوں سے لڑیں رعایا کی فلاح و بہبود اور شہروں کی آبادی کا انتظام کریں انہیں حکم ہے کہ اللہ کا خوف کریں اس کی اطاعت کو مقدم سمجھیں اور جن فرائض و سنن کا اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے ان کا اتباع کریں کہ انہی کی پیروی سے سعادت اور نبی کے ٹھکرانے اور برباد کرنے سے بدبختی دامن گیر ہوتی ہے اور یہ کہ

اپنے دلھ اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے اللہ کی نصرت میں لگے رہیں کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ذمہ لیا ہے کہ جو اس کی نصرت کرے گا وہ اس کی مدد کرے گا اور جو اس کی حمایت کے لئے کھڑا ہو گا وہ اسے عزت وسرفرازی بخشے گا۔ اس کے علاوہ انہیں حکم ہے کہ وہ نفسانی خواہشوں کے وقت اپنے نفس کو کچلیں اور اس کی منہ زوریوں کے وقت اسے روکیں کیونکہ نفس برائیوں ہی کی طرف لے جانے والا ہے مگر یہ کہ خدا کا لطف وکرم شامل حال ہو۔

حکمرانوں کو کیسا ہونا چاہیے

ذیل کے پیراگراف میں حکمرانوں کے کردار کے حوالے سے ہدایت کی گئی ہے۔۔ ایک حکمران کو عادل ہونا چاہیے ،اسے اپنی نفسانی خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے بیت المال کے امور میں مکمل طور پر محتاط رہنا چاہیے۔

اے مالک اس بات کو جانے رہو کہ تمہیں ان علاقوں کی طرف بھیج رہا ہوں کہ جہاں تم سے پہلے عادل اور ظالم کئی حکومتیں گزر چکی ہیں اور لوگ تمہارے طرز عمل کو اسی نظر سے دیکھیں گے جس نظر سے تم اپنے اگلے حکمرانوں کے طور طریقے کو دیکھتے رہے ہو اور تمہارے بارے میں بھی وہی کہیں گے جو تم ان حکمرانوں کے بارے میں کہتے ہو۔ یہ یاد رکھو کہ خدا کے نیک بندوں کا پتہ چلتا ہے اسی نیک نامی سے جو انہیں بندگانِ الٰہی میں خدا نے دے رکھی ہے لہٰذا ہر ذخیرے سے زیادہ پسند تمہیں نیک اعمال کا ذخیرہ ہونا چاہیے تم اپنی خواہشوں پر قابو رکھو اور جو مصاغل تمہارے لئے حلال نہیں ان میں صرف کرنے سے اپنے نفس کے ساتھ بخل کرو کیونکہ نفس کے ساتھ بخل کرانا ہی اس کے حق کو ادا کرنا ہے چاہے وہ خود اسے پسند کرے یا ناپسند رعایا کے لئے اپنے دل کے اندر رحم ورافت اور لطف ومحبت کو جگہ دو۔ ان کے لئے پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ انہیں نگل جانا غنیمت سمجھتے ہو۔ اس لئے کہ رعایا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوق خدا۔ ان کی لغزشیں بھی ہوں گی ۔ خطاؤں سے بھی انہیں سابقہ پڑے ئ گا اور ان کے ہاتھوں سے جان بوجھ کر یا بھولے چوکے سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ تم ان

سے اسی طرح عفوو درگزر سے کام لینا جس طرح اللہ سے اپنے لئے عفوو درگزر کو پسند کرتے ہو اس لئے کہ تم ان پر حاکم ہو اور تمہارے او پر تمہارا امام حاکم ہے اور جس (امام) نے تمہیں والی بنایا ہے اس کے او پر اللہ ہے اور اس نے تم سے ان لوگوں کے معاملات کی انجام دہی چاہی ہے اور ان کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی ہے اور دیکھو خبردار! اللہ سے مقابلہ کے لئے نہ اُترنا۔ اس لئے کہ اس کے غضب کے سامنے تم بے بس ہو اور اس کے عفورحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تمہیں کسی کو معاف کردینے پر پچھتانا، اور سزا دینے پر اترانا نہ چاہئے غصہ میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ جب کہ اس کے ٹال دینے کی گنجائش ہو کبھی یہ نہ کہنا کہ میں حاکم بنایا گیا ہوں لہٰذا میرے حکم کے آگے سر تسلیم خم ہونا چاہئے کیونکہ یہ دل می فساد پیدا کرنے دین کو کمزور بنانے اور بربادیوں کو قریب لانے کا سبب ہے اور کبھی حکومت کی وجہ سے تم میں تمکنت یا غرور پیدا ہو تو اپنے سے بالاتر اللہ کی عظمت کو دیکھو! اور خیال کرو کہ وہ تم پر وہ قدرت رکھتا ہے کہ جو خود تم اپنے آپ پر نہیں رکھتے۔ یہ چیز تمہاری رعونت وسرکشی کو دبا دے گی اور تمہاری طغیانی کو روک دے گی اور تمہاری کھوئی عقل کو پلٹا دے گی۔

اللہ حاکم اعلیٰ ہے

ذیل کے پیراگراف میں سب سے پہلے اللہ سے مقابلے کو منع فرمایا کہ جس حکمرن نے خدا بنے کی کوشش کی وہ عذاب کا شکار ہوا۔ فرعون، نمرود، شداد، اور ابرہا کے نام سے سب باخبر ہیں۔ حاکم کو اللہ کا بندہ بن کر رہنا چاہئے۔ وہ اس کے بندوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے اور سزا دینے کے بجائے معاف کردے۔ حاکم کو مغرور نہیں ہونا چاہئے۔

خبردار! کبھی اللہ کے ساتھ اس کی عظمت میں نہ ٹکراؤ اور اس کی شان و جبروت سے ملنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ ہر جبار وسرکش کو نیچا دکھاتا ہے اور ہر معزور کے سر کو جھکا دیتا ہے۔

اقربا پروری ظلم ہے

مکتوب کے مندرجہ ذیل حصہ میں اقربا پروری کی ممانعت کی گئی ہے۔انصاف کا حکم دیا گیا ہے اور اپنی ذات، رشتہ دار، اورعوام پرظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کے متعلق بھی انصاف کرنا۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہرو گے۔اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف ودشمن بن جاتا ہے اور جس کا وہ حریف ودشمن ہو۔اس کی ہر دلیل کو کچل دے گا اور وہ اللہ سے برسر پیکار رہے گا۔ یہاں تک کہ باز آئے اور توبہ کرلے۔ اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی اس کی عقوبتوں کو جلد بلاوادینے والی کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ظلم پر باقی رہا جائے کیونکہ اللہ مظلوموں کی پکار سنتا ہے اور ظالموں کے لئے موقع کا منتظر رہتا ہے۔

تمہیں سب طریقوں سے زیادہ وہ طریقہ پسند ہونا چاہئے جو حق کے اعتبار سے بہترین انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کی مرضی کے مطابق ہو کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور خاص کی نارضگی عوام کی رضا مندی کے ہوتے ہوئے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔اور یہ یاد رکھو! کہ رعیت میں خاص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں کہ جو خوش حالی کے وقت حاکم پر بوجھ بننے والا مصیبت کے وقت امداد سے کترا جانے والا، انصاف پر ناز ک بھنوں چڑھانے والا، طلب وسوال کے موقع پر پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ جانے والا بخشش پر کم شکر گزار ہونے والا، محروم کردیئے جانے پر بمشکل عذر سننے والا اور زمانہ کی ابتلاؤں پر بے صبری دکھانے والا ہو اور دین کا مضبوط سہارا مسلمانوں کی قوت اور دشمن کے مقابلہ میں سامان دفاع یہی امت کے عوام ہوتے ہیں لہٰذا تمہاری پوری توجہ اور تمہارا پورا (رُخ) انہی کی جانب ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے

اس جز میں حضرت نے عیب جوئی، کینہ، دشمنی چغل خوری اور فریب سے منع کیا ہے اور لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کا حکم دیا ہے۔

اور تمہاری رعایا میں تم سے سب سے زیادہ دور اور سب سے زیادہ تمہیں ناپسند وہ ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی میں زیادہ لگا رہتا ہو۔ کیونکہ لوگوں میں عیب تو ہوتے ہی ہیں حاکم کے لئے انتہائی شایان یہ ہے کہ ان پر پردہ ڈالے۔ لہٰذا جو عیب تمہاری نظر او جھل بول انہیں نہ اچھالنا۔ کیونکہ تمہارا کام انہی عیبوں کو مٹانا ہے کہ جو تمہارے اوپر ظاہر ہوں اور جو چھپے ڈھکے ہوں۔ ان کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اس لئے جہاں تک بن پڑے عیبوں کو چھپاؤ تا کہ اللہ بھی تمہارے ان عیوب کی پردہ پوشی کرے جنہیں تم رعیت سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو لوگوں سے کینہ کی ہر گرہ کو کھول دو اور دشمنی کی ہر رسی کاٹ دو اور ہر ایسے رویہ سے جو تمہارے لئے مناسب نہیں بے خبر بن جاؤ اور چغل خور کی جھٹ سے ہاں میں ہاں نہ لاؤ کیونکہ وہ فریب کار ہوتا ہے۔ اگر چہ خیر خواہوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

وزیروں اور مشیروں کے اوصاف

اس حصہ میں حضرت نے مشورہ کے حوالے سے تاکید کی ہے کہ کن لوگوں سے مشورہ لینا چاہئے اور کن سے نہیں لینا چاہئے۔ متقی لوگوں سے مشورہ لینا چاہئے جو مخلص ہوں۔ نیز آپؑ نے رعایا سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شریک نہ کرنا کہ وہ تمہیں دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے سے روکے گا اور فقر و افلاس کا خطرہ دلائے گا۔ اور نہ کسی بزدل سے مہمات میں مشورہ لینا کہ وہ تمہاری ہمت پست کر دے گا۔ اور نہ کسی لالچی سے مورہ کرنا کہ وہ ظلم کی راہ سے مال بٹورنے کو تمہاری نظروں میں سج دے گا۔ یاد رکھو! کہ بخل، بزدلی اور حرص اگر چہ الگ الگ خصلتیں ہیں مگر اللہ سے بدگمانی ان سب میں شریک ہے تمہارے لئے سب سے بدتر وزیر وہ ہوگا، جو تم سے پہلے بدکرداروں کا وزیر اور گناہوں میں ان کا شریک رہ چکا ہے اس قسم کے لوگوں کو تمہارے مخصوصین

میں سے نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ گنہگاروں کے معاون اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں ان کی جگہ تمہیں ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو تدبیر ورائے اور کارکردگی کے اعتبار سے ان کے مثل ہوں گے مگر ان کی طرح گناہوں کی گراانباریوں میں دبے ہوئے نہ ہوں جنھوں نے نہ کسی ظالم کی اس کے ظلم میں مدد کی ہو۔ اور نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ہاتھ بٹایا ہو ان کا بوجھ تم پر ہلکا ہوگا اور یہ تمہارے بہترین معاون ثابت ہوں گے اور تمہاری طرف محبت سے جھکنے والے ہوں گے اور تمہارے علاوہ دوسروں سے ربط ضبط نہ رکھیں گے انہی کو تم خلوت وجلوت میں اپنا مصاحب خاص ٹھہراتا پھر تمہارے نزدیک ان میں زیادہ ترجیح ان لوگوں کو ہونا چاہئے کہ جو حق کی کڑوی باتیں تم سے کھل کر کہنے والے ہوں اور ان چیزوں میں کہ جنہیں اللہ اپنے مخصوص بندوں کے لئے ناپسند کرتا ہے تمہاری بہت کم مدد کرنے والے ہوں چاہے وہ تمہاری خواہشوں سے کتنی ہی میل کھاتی ہوں۔ پرہیزگاروں اور استبازوں سے اپنے کو وابستہ رکھنا۔ پھر انہیں اس کا عادی بنانا کہ وہ مہارے کسی کارنامہ کے بغیر تمہاری تعریف کر کے تمہیں خوش نہ کریں۔ کیونکہ زیادہ مدح سرائی غرور پیدا کرتی ہے۔ اور سرکشی کی منزل سے قریب کر دیتی ہے اور تمہارے نزدیک نیکوکار اور برکردار دونوں برابر نہ ہوں اس لئے کہ ایسا کرنے سے نیکوں کو نیکی سے بے رغبت کرنا اور بدوں کو بدی پر آمادہ کرنا ہے ہر شخص کو اسی کی منزلت پر رکھو۔ جس کا وہ مستحق ہے اور اس بات کو یاد رکھو کہ حاکم کو اپنی رعایا پر پورا اعتماد اسی وقت کرنا چاہئے جب کہ وہ ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور ان پر بوجھ نہ لادے اور انہیں ایسی ناگوار چیزوں پر مجبور نہ کرے جو انکے بس میں نہ ہوں۔ تمہیں ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ حسن سلوک سے تمہیں رعیت پر پورا اعتماد ہو سکے کیونکہ یہ اندرونی الجھنوں کو ختم کر دے گا اور سب اعتماد کے وہ مستحق ہیں جن کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہو اور سب سے زیادہ بے اعتمادی کے مستحق وہ ہیں جن سے تمہارا برتاؤ اچھا نہ رہا ہو۔

بزرگوں اور اسلاف کی سنت کو زندہ رکھنا

بزرگوں کے طور طریقے تجربہ کی بنیاد پر ہوتے ہیں جو فائدہ مند ہیں اور علما اور حکما سے مشورہ بھی سود

مند ہوتا ہے۔

اور دیکھو! اس اچھے طور طریقے کو ختم نہ کرنا کہ جس پر اس امت کے بزرگ چلتے رہے ہیں اور جس سے اتحاد و یک جہتی پیدا اور رعیت کی اصلاح ہوئی ہے اور ایسے طریقے ایجاد نہ کرنا کہ جو پہلے طریقوں کو کچھ ضرر پہنچائیں اگر ایسا کیا تو نیک روش کے قائم کرجانے والوں کو ثواب تو تمہارے گا مگر انہیں ختم کردینے کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا اور اپنے شہروں کے اصلاحی امور کو مستحکم کرنے اور ان چیزوں کے قائم کرنے میں کہ جن سے اگلے لوگوں کے حالات مضبوط رہے تھے علما و حکما کے ساتھ باہمی مشورہ اور بات چیت کرتے رہنا۔

رعایا کے طبقات

اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں جن کی سود و بہبود ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے ان میں سے ایک طبقہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کام آنے والے فوجیوں کا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو عمومی و خصوصی تحریروں کا کام انجام دیتا ہے میرا انصاف کرنے والے قضاۃ کا ہے چوتھا۔حکومت کے وہ اعمال جن سے امن اور انصاف قائم ہوتا ہے پانچواں خراج دینے والے مسلمان اور جزیہ دینے والے ذمیوں کا چھٹا تجارت پیشہ و اہل حرفہ کا ساتواں فقرا و مساکین کا وہ طبقہ ہے کہ جو سب سے پست ہے اور اللہ نے ہر ایک کا حق معین کردیا ہے اور اپنی کتاب یا سنت نبویؐ میں اس کی حد بندی کردی اور وہ (مکمل) دستور ہمارے پاس محفوظ ہے۔

(پہلا طبقہ) فوجی دستے یہ بحکم خدا رعیت کی حفاظت کا قلعہ، فرمانرواؤں کی زینت، دین و مذہب کی قوت اور امن کی راہ ہیں۔ رعیت کا نظم و نسق انہی سے قائم رہ سکتا ہے اور فوج کی زندگی کا سہارا وہ خراج ہے جو اللہ نے اس کے لئے معین کیا ہے کہ جس سے وہ دشمنوں سے جہاد کرنے میں تقویت حاصل کرتے اور اپنی حالت کو درست بناتے اور ضروریات کو بہم پہنچاتے ہیں۔ پھر ان دونوں طبقوں کے نظم و بقا کے لئے تیسرے طبقے کی ضروریات ہے کہ جو قضاۃ اعمال اور منشیان

دفاتر کا ہے کہ جن کے ذریعے باہمی معاہدوں کی مضبوطی اور خراج اور دیگر منافع کی جمع آوری ہوتی ہے اور معمولی اور غیر معمولی معاملوں میں ان کے ذریعہ وثوق واطمینان حاصل کیا جاتا ہے اور سب کا دارومدار سوداگروں اور صناعوں پر ہے کہ وہ ان کی ضروریات کو فراہم کرتے ہیں بازار لگاتے ہیں اور اپنی کاوشوں سے ان کی ضروریات کو مہیا کر کے انہیں خود مہیا کرتے سے آسودہ کردیتے ہیں اس کے بعد پھر فقیروں اور ناداروں کا طبقہ ہے جن کی امانت و دستگیری ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے گزارے کی صورتیں پیدا پیدا کررکھی ہیں اور ہر طبقے کا حاکم پر حق قائم ہے کہ وہ ان کے لئے اتنا مہیا کرے جوان کی حالت درست کرسکے اور حاکم خدا کے ان تمام ضروری حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا مگر اسی صورت میں کہ پوری طرح کوشش کرے اور اللہ سے مدد مانگے اور اپنے کو حق پر ثابت برقرار رکھے اور چاہے اس کی طبیعت پر آسان ہو یا دشوار بہرحال اس کو برداشت کرے فوج کا سردار اس کو بنانان جو اپنے اللہ کا اور اپنے رسول کا اور تمہارے امامؑ کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہو سب سے زیادہ پاک دامن ہو اور بردباری میں نمایاں ہو جلد غصہ میں نہ آجاتا ہو عذر معذرت پر مطمئن ہوجاتا ہو۔ کمزوروں پر رحم کھاتا ہو اور طاقتوروں کے سامنے اکڑ جاتا ہو، نہ بدخوئی اسے جوش میں لے آتی ہو اور نہ پست ہمتی اسے بٹھا دیتی ہو۔ بپھر ایسا ہونا چاہئے کہ تم بلند خاندان نیک گھرانے اور عمدہ روایات رکھنے والوں اور ہمت و شجاعت اور جودوسخاوت کے مالکوں سے اپنا رابط وضبط بڑھاؤ کیونکہ یہی لوگ (بزرگیوں کا سرمایہ اور نیکیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ پھر ان کے حالات کی اس طرح دیکھ بھال کرتا، جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرو جو ان کی تقویت کا سبب ہو تو اسے بڑا نہ سمجھنا اور اپنے کسی معمولی سلوک کو بھی خیر اہم نہ سمجھ لینا کھا سے چھوڑ بیٹھو) کیونکہ اس حسن سلوک سے ان کی خیر خواہی کا جذبہ ابھرے گا اور حسن اعتماد میں اضافہ ہوگا اور اس خیال سے کہ تم نے ان کی بڑی ضرورتوں کو پورا کردیا ہے کہیں ان کی چھوٹی ضرورتوں سے آنکھ بند نہ کرلینا کیونکہ یھ چھوٹی قسم کی مہربانی کی بات بھی اپنی جگہ فائدہ بخش ہوتی ہے اور وہ بڑی ضرورتیں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں اور فوجی سرداروں میں تمہارے یہاں وہ بلند منزلت

سمجھا جائے جو فوجیوں کی اعانت میں برابر کا حصہ لیتا ہو۔اور اپنے روپے پیسے سے اتنا سلوک کرتا ہو کہ جس سے ان کا اور ان کے پیچھے رہ جانے والے بال بچوں کا بخوبی گزارا ہوسکتا ہو تا کہ وہ ساری فکروں سے بے فکر ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ دشمن سے جہاد کریں۔اس لئے کہ فوجی سرداروں کے ساتھ تمہارا مہربانی سے پیش آنا ان کے دلوں کو تمہاری طرف موڑ دے گا۔

عدل وانصاف کا قیام

حکمرانوں کے لئے سب سے بڑی آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ شہروں میں عدل و انصاف برقرار رہے اور رعایا کی محبت ظاہر ہوتی رہے اور ان کی محبت اسی وقت ظاہر ہوا کرتی ہے کہ جب ان کے دلوں میں میل نہ ہو اور ان کی خیر خواہی اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے گرد حفاظت کے لئے گھیرا ڈالے رہیں۔ان کا قتدار سر پڑا بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت کے خاتمہ کے لئے گھڑیاں گنیں لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت و کشائش رکھنا انہیں اچھے لفظوں سے سراہتے رہنا اور ان کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا اس لئے کہ ان کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے انشا اللہ جو شخص جس کارنامے کو انجام دے اسے پہچانتے رہنا اور ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کر دینا اور اس کی حسن کارکردگی کا صلہ دینے میں کمی نہ کرنا اور کبھی ایسا نہ کرنا کہ کسی شخص کی بلندی و رفعت کی وجہ سے اس کے معمولی کام کو بڑا سمجھ لو اور کسی کے بڑے کام کو اس کے خود پست ہونے کی وجہ سے معمولی قرار دے لو۔

جب ایسی مشکلیں تمہیں پیش آئیں کہ جن کا حل نہ ہو سکے اور ایسے معاملات کو جو مشتبہ ہو جائیں تو ان میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔کیونکہ خدا نے جن لوگوں کو ہدایت کرنا چاہی ہے ان کے لئے فرمایا ہے اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں اور اگر تم میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب کی محکم آیتوں

پر عمل کیا جائے اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ان متفق علیہ ارشادات پر عمل کیا جایئے جن میں کوئی اختلاف نہیں۔

عادل قاضی کو منصوب کرنا

پھر یہ کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمہارے نزدیک تمہاری رعایا میں سبس ے بہتر ہو جو واقعات کی پیچیدگیوں سے ضیق میں نہ پڑ جاتا ہو اور نہ جھگڑا کرنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو۔ نہ اپنے کسی غلط نقطۂ نظر پر اتراتا ہو، نہ حق کو پہچان کر اس کے اختیار کرنے میں طبیعت پر بار محسوس کرتا ہو نہ اس کا نفس ذاتی طمع پر جھک پڑتا ہو، اور نہ بغیر پوری طرح چھان بین کئے ہوئے سرسری طور پر کسی معاملہ کو سمجھ لینے پر اکتفا کرتا ہو۔ شک وشبہہ کے موقع پر قدم روک لیتا ہو اور دلیل وحجت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہو فریقین کی بحثا بحثی سے اکتا نہ جاتا ہو معاملات کی تحقیق میں بڑے صبر وضبط سے کام لیتا ہو۔ اور جب حقیقت آئینہ ہو جاتی ہو تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہو۔ وہ ایسا ہو جسے سراہنا مغرور نہ بنائے اور تاننا جلبہ داری پر آمادہ نہ کر دے۔ اگر چہ ایسے لوگ کم ہی ملتے ہیں پھر یہ کہ تم خود ان کے فیصلوں کا بار بار جائزہ لیتے رہنا۔ دل کھول کر انہیں اتنا دینا کہ جو ان کے ہر عذر کو غیر مسموع بنا دے اور لوگوں کی انہیں کوئی احتیاج نہ رہے۔ اپنے ہاں انہیں ایسے باعزت مرتبہ پر رکھو کہ تمہارے دربار رس لوگ انہیں ضرر پہچانے کا کوئی خیال نہ کر سکیں تا کہ وہ تمہارے التفات کی وجہ سے لوگوں کی سازش سے محفوظ رہیں اس بارے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لینا۔ کیونکہ (اس سے پہلے) یہ دین بدکرداروں کے پنجے میں اسیر رہ چکا ہے جس میں نفسانی خواہشوں کی کارفرمائی تھی۔ اور اسے دنیا طلبی کا ایک ذریعہ بنالیا گیا تھا۔

افسر شاہی کیسے ہونے چاہئیں

پھر اپنے عہدہ داروں کے بارے میں نظر رکھنا ان کو خوب آزمائش کے بعد منصب دنیا کبھی صرف رعایت اور جانبداری کی بنا پر انہیں منصب عطا نہ کرنا۔ اس لئے کہ یہ باتیں ناانصافی اور

بے ایمانی کا سرچشمہ ہیں اور ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو آزمودہ وغیرت مند ہوں۔ ایسے خاندانوں میں سے جو اچھے ہوں۔ اور جن کی خدمات اسلام کے سلسلہ میں پہلے سے ہوں کیونکہ ایسے لوگ بلند اخلاق اور بے داغ عزت والے ہوتے ہیں۔ حرص وطمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور عواقب و نتائج پر زیادہ نظر رکھتے ہیں پھر ان کی تنخواہوں کا معیار بلند رکھنا کیونکہ اس سے انہیں اپنے نفوس کے درست رکھنے میں مدد ملے گی اور اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو ان ہاتھوں میں بطور امانت ہوگا اسکے بعد بھی وہ تمہارے حکم کی خلافی ورزی یا امانت میں رخنہ اندازی کریں۔ تو تمہاری حجت ان پر قائم ہوگی۔ پھر ان کے کاموں کو دیکھتے بھالتے رہنا اور سچے اور وفادار مخبروں کو ان پر چھوڑ دینا کیونکہ خفیہ طور پر ان کے امور کی نگرانی انہیں امانت کے برتنے اور رعیت کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کی باعث ہوگی۔ خائن مددگاروں سے اپنا بچاؤ کرتے رہنا۔ اگر ان میں سے کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور متفقہ طور پر جاسوسوں کی اطلاعات تم تک پہنچ جائیں تو شہادت کے لئے بس اُسے کافی سمجھنا اسے جسمانی طور پر سزا دینا اور جو کچھ اس نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمیٹا ہے، اسے واپس لینا اور اسے ذلت کی منزل پر کھڑا کر دینا اور خیانت کی رسوائیوں کے ساتھ اسے روشناس کرانا اور ننگ ورسوائی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دینا۔

مال گذاری کے معاملہ میں مال گذاری ادا کرنے والوں کا مفاد پیش نظر رکھنا،، کیونکہ باج اور باجگزاروں کی بدولت ہی دوسروں کے حالات درست کئے جاسکتے ہیں سب اسی خراج اور خراج دینے والوں کے سہارے پر جیتے ہیں۔ اور خراج کی جمع آوری سے زیادہ زمین کی آبادی کا خیال رکھنا کیونکہ خراج بھی تو زمین کی آبادی ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور جو آباد کئے بغیر خراج چاہتا ہے وہ ملک کی بربادی اور بندگان خدا کی تباہی کا سامان کرتا ہے اور اس کی حکومت تھوڑے دنوں سے زیادہ نہیں رہ سکتی۔

اب اگر وہ خراج کی گرانباری یا کسی آفت، ناگہانی یا نہری وبارانی علاقوں میں ذرائع آب پاشی کے ختم ہونے یا زمین کے سیلاب میں گھر جانے یا سیرابی کے نہ ہونے کے باعث اس کے تباہ ہونے کی شکایت کریں تو خراج میں اتنی کمی کردو جس سے تمہیں ان کے حالات کے سدھرنے

کی توقع ہو اور ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے سے تمہیں گرانی نہ محسوس ہو کیونکہ انہیں زیر باری سے بچانا ایک ایسا ذخیرہ ہے کہ جو تمہارے ملک کی آبادی اور تمہارے قلمرو حکومت کی زیب و زینت کی صورت میں تمہیں پلٹا دیں گے اور اس کے ساتھ تم ان سے خراج تحسین اور عدل قائم کرنے کی وجہ سے مسرت بے پایاں بھی حاصل کر سکو گے اور اپنے اس حسن سلوک کی وجہ سے کہ جس کا ذخیرہ تم نے ان کے پاس رکھ دیا ہے تم (آڑے وقت پر) ان کی قوت کے بل بوتے پر بھروسہ کر سکو گے اور رحم درافت کے جلو میں جس سیرت عادلانہ کا تم نے انہیں خوگر بنایا ہے اس کے سبب سے تمہیں ان پر وثوق واعتماد ہو سکے گا اس کے بعد ممکن ہے کہ ایسے حالات بھی پیش آئیں کہ جن میں تمہیں ان پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہو تو وہ انہیں بطیب خاطر جھیل لے جائیں گے کیونکہ ملک آباد ہے تو جیسا بوجھ اس پر لادو گے وہ اٹھالے گا اور زمین کی تباہی تو اس سے آتی ہے کہ کاشتکاروں کے ہاتھ تنگ ہو جائیں اور ان کی تنگ دستی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ حکام مال و دولت کے سمیٹنے پر تُل جاتے ہیں اور انہیں اپنے اقتدار کے ختم ہونے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور عبرتوں سے بہت کم فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

پھر یہ کہ اپنے منشیان دفاتر کی اہمیت پر نظر رکھنا اپنے معاملات ان کے سپرد کرنا جو ان میں بہتر ہوں اور اپنے ان فرامین کو جن میں مخفی تدابیر اور (مملکت کے) رموز واسرار درج ہوتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ان کے حوالے کرنا جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک ہوں۔ جنہیں اعزاز کا حاصل ہونا سرکش نہ بنائے کہ وہ بھری محفلوں میں تمہارے خلاف کچھ کہنے کی جرات کرنے لگیں اور ایسے بے پروا نہ ہوں کہ لین دین کے بارے میں جو تم سے متعلق ہوں تمہارے کارندوں کے خطوط تمہارے سامنے پیش کرنے اور ان کے مناسب جوابات روانہ کرنے میں کوتاہی کرتے ہوں اور وہ تمہارے حق میں جو معاہدہ کریں اس میں کوئی خامی نہ رہنے دیں اور نہ تمہارے خلاف کسی ساز باز کا توڑ کرنے میں کمزوری دکھائیں اور وہ معاملات میں اپنے صحیح مرتبہ اور مقام سے نا آشنا نہ ہوں کیونکہ جو اپنا صحیح مقام نہیں پہچانتا وہ دوسروں کے قدر و مقام سے اور بھی زیادہ ناواقف ہوگا۔ پھر یہ کہ ان کا انتخاب تمہیں اپنی فراست، خوش اعتمادی اور حسن ظن کی

بنا پر نہ کرنا چاہئے کیونکہ لوگ تصنع اور حسن خدمات کے ذریعہ حکمرانوں کی نظروں میں سما کر تعارف کی راہیں نکال لیا کرتے ہیں حالانکہ ان میں ذرا بھی خیر خواہی اور امانت داری کا جذبہ نہیں ہوتا لیکن تم انہیں ان خدمات سے پرکھو۔ جو تم سے پہلے وہ نیک حاکموں کے ماتحت رہ کر انجام دے چکے ہوں تو جو عوام میں نیک نام اور امانت داری کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہوں ان کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرو۔؛اس لئے کہ ایسا کرنا اس کی دلیل ہوگا کہ تم اللہ کے مخلص اور اپنے امام کے خیر خواہ ہو تمہیں محکمہ تحریر کے ہر شعبہ پر ایک ایک افسر مقرر کرنا چاہئے جو اس شعبہ کے بڑے سے بڑے کام سے عاجز نہ ہو، اور کام کی زیادتی سے بوکھلا نہ اُٹھے۔ یاد رکھو! کہ ان منشیلوں میں جو بھی عیب ہوگا۔اور تم اس سے آنکھ بند رکھو گے اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔

تاجروں اور صنعتکاروں کے ساتھ اچھا برتاؤ

پھر تمہیں تاجروں اور صناعوں کے خیال اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی ہدایت کی جاتی ہے اور تمہیں دوسروں کو ان کے متعلق ہدایت کرنا ہے خواہ وہ ایک جگہ رہ کر بیوپار کرنے والے ہوں یا پھیری لگا کر بیچنے والے ہوں یا جسمانی مشقت (مزدوری یا دستکاری) سے کمانے والے ہوں کیونکہ یہی لوگ منافع کا سرچشمہ اور ضروریات کے مہیا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان ضروریات کو خشکیوں تریوں میدانی علاقوں اور پہاڑوں ایسے دور افتادہ مقامات سے درآمد کرتے ہیں اور ایسی جگہوں سے کہ جہاں لوگ پہنچ نہیں سکتے اور نہ وہاں جانے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ امن پسند اور صلح جو ہوتے ہیں۔ ان سے کسی فساد اور شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ تمہارے سامنے ہوں یا جہاں جہاں دوسرے شہروں میں پھیلے ہوئے ہوں۔تم ان کی خبر گیری کرتے رہنا۔ ہاں! اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھو کہ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو انتہائی تنگ نظر اور بڑے کنجوس ہوتے ہیں جو نفع اندوزی کے لئے مال روک رکھتے ہیں اور اُونچے نرخ معین کر لیتے ہیں یہ چیز عوام کے لئے نقصان دہ اور حکام کی بدنامی کا باعث ہوتی ہے لہٰذا ذخیرہ اندوزی سے منع کرنا۔ کیونکہ رسول اللہؐ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور خرید و فروخت صحیح ترازوؤں

اور مناسب نرخوں کے ساتھ سہولت ہونا چاہئے کہ نہ بیچنے والے کو نقصان ہو اور نہ خریدنے والے کو خسارہ ہو اس کے بعد بھی کوئی ذخیرہ اندوزی کے جرم کا مرتکب ہو تو اسے مناسب حد تک سزا دینا۔ پھر خصوصیت کے ساتھ اللہ کا خوف کرنا پسماندہ و افتادہ طبقہ کے بارے میں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ وہ مسکینوں، محتاجوں، فقیروں اور معذوروں کا طبقہ ہے ان میں کچھ تو ہاتھ پھیلا کر مانگنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کی صورت سوال ہوتی ہے اللہ کی خاطر ان بے کسوں کے بارے میں اس کے اس حق کی حفاظت کرنا جس کا اس نے تمہیں ذمہ دار بنایا ہے ان کے لئے ایک حصہ بیت المال سے معین کر دینا اور ایک حصہ ہر شہر کے اس غلہ میں سے دینا جو اسلامی غنیمت کی زمینوں سے حاصل ہوا ہو کیونکہ اس میں دور والوں کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا نزدیک والوں کا ہے اور تم ان سب کے حقوق کی نگہداشت کے ذمہ دار بنائے گئے ہو لہٰذا تمہیں دولت کی سرمستی ان سے غافل نہ کرد سے کیونکہ کسی معمولی بات کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جائے گا کہ تم نے بہت سے اہم کاموں کو پورا کر دیا ہے لہٰذا اپنی توجہ ان سے نہ ہٹانا اور نہ تکبر کے ساتھ ان کی طرف سے اپنا رخ پھیرنا اور خصوصیت کے ساتھ خبر رکھو۔ ایسے افراد کی جرم تم تک پہنچ نہیں سکتے جنہیں آنکھیں دیکھنے سے کراہت کرتی ہوں گی اور لوگ انہیں حقارت سے ٹھکراتے ہوں گے۔ تم ان کے لئے اپنے کسی بھروسے کے آدمی کو جو خوف خدا رکھنے والا اور متواضع مقرر کر دینا کہ وہ ان کے حالات تم تک پہنچاتا رہے پھر ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرنا جس سے کہ قیامت کے روز اللہ کے سامنے حجت پیش کر سکو کیونکہ رعیت میں دوسروں سے زیادہ یہ انصاف کے محتاج ہیں اور یوں تو سب ہی ایسے ہیں کہ تمہیں ان کے حقوق سے عہدہ برآ ہو کر اللہ کے سامنے سرخرو ہونا ہے اور دیکھو یتیموں اور سال خورد بوڑھوں کا خیال رکھنا۔ کہ جو نہ کوئی سہارا رکھتے ہیں اور نہ سوال کے لئے اٹھتے ہیں اور یہی وہ کام ہے جو حکام پر گراں گزرا کرتا ہے ہاں خدا ان لوگوں کے لئے جو عقبیٰ کے طلب گار رہتے ہیں۔ اس کی گرانیوں کو ہلکا کر دیتا ہے وہ اسے اپنی ذات پر جھیل لے جاتے ہیں اور اللہ نے جو ان سے وعدہ کیا ہے اس کی سچائی پر بھروسا رکھتے ہیں۔

فقرا اور محتاجوں کی دادرسی

اور تم اپنے اوقات کا ایک حصہ حاجتمندوں کے لئے معین کر دینا جس میں سب کام چھوڑ کر انہی کے لئے مخصوص ہو جانا اور ان کے لئے ایک عام دربار کرنا اور اس میں اپنے پیدا کرنے والے اللہ کے لئے تواضع وانکساری سے کام لینا اور فوجیوں، نگہبانوں اور پولیس والوں کو ہٹا دینا تا کہ کہنے والے بے دھڑک کہہ سکیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہؐ کو کئی موقعوں پر فرماتے سنا ہے کہ اس قوم میں پاکیزگی نہیں آسکتی جس میں کمزوروں کو کھل کر طاقتوروں سے حق نہیں دلایا جاتا۔ پھر یہ کہ اگر ان کے تیور بگڑیں یا صاف صاف مطلب نہ کہہ سکیں، تو اسے برداشت کرنا اور تنگ دلی اور نخوت کو ان کے مقابلہ میں پاس نہ آنے دینا۔ اس کی وجہ سے اللہ تم پر اپنی رحمت کے دامنوں کو پھیلا دے گا اور اپنی فرماں برداری کا تمہیں ضرور اجر دے گا اور جو حسن سلوک کرنا اس طرح کہ چہرے پر شکن نہ آئے اور نہ دینا تو اچھے طریقے سے عذر خواہی کر لینا۔

پھر کچھ امور ایسے ہیں کہ جنہیں خود تم ہی کو انجام دینا چاہئیں۔ ان میں سے ایک حکام کے ان مراسلات کا جواب دینا ہے جو تمہارے منشیوں کے بس میں نہ ہوں اور ایک لوگوں کی حاجتیں جب تمہارے سامنے پیش ہوں اور تمہارے عملہ کے ارکان ان سے جی چرائیں تو خود انہیں انجام دینا ہے۔ روز کا کام اسی روز ختم کر دیا کرو، کیونکہ ہر دن اپنے ہی کام کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور اپنے اوقات کا بہتر وافضل حصہ اللہ کی عبادت کے لئے خاص کر دینا۔ اگر چہ وہ تمام کام بھی اللہ ہی کے لئے ہیں جب نیت بخیر ہو اور ان سے رعیت کی خوش حالی ہو۔

حاکم کو عبادت گذار ہونا چاہئے

ان مخصوص اشغال میں سے کہ جن کے ساتھ تم خلوص کے ساتھ اللہ کے لئے اپنے دینی فریضہ کو ادا کرتے ہو ان واجبات کی انجام دہی ہونا چاہئے جو اس کی ذات سے مخصوص ہیں تم شب و روز کے اوقات میں اپنی جسمانی طاقتوں کا کچھ حصہ اللہ کے سپرد کرو اور جو عبادت بھی تقریب الٰہی کی غرض سے بجالانا ایسی ہو کہ نہ اس میں کوئی خلل ہو اور نہ کوئی نقص چاہئے اس میں

تمہیں ض کتنی جسمانی زحمت اٹھانا پڑے اور دیکھو! جب لوگوں کو نماز پڑھانا تو ایسی نہیں کہ (طول سے کہ) لوگوں کو بے زار کردو، اور نہ ایسی مختصر کہ نماز برباد ہو جائے اس لئے کہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور ایسے بھی جنہیں کوئی ضرورت درپیش ہوتی ہے چنانچہ جب مجھے رسول اللہؐ نے یمن کی طرف روانہ کیا تو میں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ انہیں نماز کس طرح پڑھاؤں تو فرمایا کہ جیسی ان میں سب سے زیادہ کمزور و ناتواں کی نماز ہو سکتی ہے اور تمہیں مومنوں کے حال پر مہربان ہونا چاہئے اس کے بعد یہ خیال رہے کہ رعایا سے عرصہ تک روپوشی اختیار نہ کرنا کیونکہ حکمرانوں کا رعایا سے چھپ کر رہنا ایک طرح کی تنگ دلی اور معاملات سے بے خبر رہنے کا سبب ہے اور یہ روپوشی انہیں بھی ان امور پر مطلع ہونے سے روکتی ہے کہ جن سے وہ ناواقف ہیں جس کی وجہ سے بڑی چیز ان کی نگاہ میں چھوٹی اور چھوٹی چیز بڑی، اچھائی برائی اور برائی اچھائی ہو جایا کرتی ہے اور حق باطل کے ساتھ مل جل جاتا ہے اور حکمران بھی آخر ایسا ہی بشر ہوتا ہے جو ناواقف رہے گا ان معاملات سے جو لوگ اس سے پوشیدہ کریں اور حق کی پیشانی پر کوئی نان نہیں ہوا کرتے کہ جس کے ذریعے جھوٹ سے سچ کی قسموں کو الگ کر کے پہچان لیا جائے اور پھر تم دو ہی طرح کے آدمی ہو سکتے ہو یا تو تم ایسے ہو کہ تمہارا نفس حق کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہے تو پھر واجب حقوق ادا کرنے اور اچھے کام کر گذرنے سے منہ چھپانے کی ضرورت کیا؟ اور یا تم ایسے ہو کہ لوگوں کو تم سے کور جواب ہی ملنا ہے تو جب لوگ تمہاری عطا سے مایوس ہو جائیں گے تو خود ہی بہت جلد تم سے مانگنا چھوڑ دیں گئے اور پھر یہ کہ لوگوں کی اکثر ضرورتیں ایسی ہوں گی جن سے تمہاری جیب پر کوئی بار نہیں پڑتا۔ جیسے کسی کے ظلم کی شکایت یا کسی معاملہ میں انصاف کا مطالبہ۔

مفاد پرست موقع پرست لوگوں سے ہوشیار رہو

اس کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ حکام کے کچھ خواص اور سر چڑھے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جن میں خود غرضی دس درازی اور بد معاملگی ہوا کرتی ہے۔ تم کو ان حالات کے پیدا ہونے کی وجوہ ختم کر کے اس گندے مواد کو ختم کر دینا چاہئے اور دیکھو! اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ

دینا اور اسے تم سے توقع نہ بندھنا چاہئے کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آبپاشی یا کسی مشترکہ معاملہ میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لئے ضرر کی باعث ہو یوں کہ اس کا بوجھ دوسرے پر ڈال دے اس صورت میں اس کے خوش گوار مزے تو اس کے لئے ہوں گے نہ تمہارے لئے مگر اس کا بدنما دھبہ دنیا و اخرت میں تمہارے دامن پر رہ جائے گا۔

اور جس پر جو حق عائد ہوتا ہو اس پر اس حق کو نافذ کرنا چاہئے وہ تمہارا اپنا ہو یا بیگانہ ہو اور اس کے بارے میں تحمل سے کام لینا اور ثواب کے امیدوار رہنا چاہے اس کی زد تمہارے کسی قریبی عزیز یا کسی مصاحب خاص پر کیسی ہی پڑتی ہو اور اس میں تمہاری طبیعت کو جو گرانی محسوس ہو اور اس کے اُخروی نتیجہ کو پیش نظر رکھنا کہ اس کا انجام بہرحال اچھا ہوگا۔

اور اگر رعیت کو تمہارے بارے میں کبھی یہ بدگمانی ہو جائے کہ تم نے اس پر ظلم وزیادتی کی ہے تو اپنے عُذر کو واضح طور سے پیش کر دو اور عُذر واضح کر کے ان کے خیالات کو بدل دو۔ اس سے تمہارے نفس کی تربیت ہوگی اور رعایا پر مہربانی ثابت ہوگی اور اس عُذر آوری سے ان کو حق پر استوار کرنے کا مقصد تمہارا پورا ہوگا۔

دشمن کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا

اگر دشمن ایسی صلح کی تمہیں دعوت دے کہ جس میں اللہ کی رضا مندی ہو تو اسے کبھی ٹھکرانہ دینا۔ کیونکہ صلح میں تمہارے لشکر کے لئے آرام و راحت خود تمہارے لئے فکروں سے نجات اور شہروں کے لئے امن کا سامان ہے لیکن صلح کے بعد دشمن سے چوکنا اور خوب ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قرب حاصل کرتا ہے تا کہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھائے لہٰذا احتیاط کو ملحوظ رکھو اور اس بارے میں حُسن ظن سے کام نہ لو اور اگر اپنے اور دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ کرو یا اسے اپنے دامن میں پناہ دو تو پھر عہد کی پابندی کرو، وعدہ کا لحاظ رکھو۔ اور اپنے قول و قرار کی حفاظت کے لئے اپنی جان کو سپر بنا دو۔ کیونکہ اللہ فرائض میں سے ایفائے عہد کی ایسی کوئی چیز نہیں کہ جس کی اہمیت پر دنیا اپنے الگ الگ نظریوں اور مختلف رایوں کے

باوجود یکجہتی سے متفق ہو اور مسلمانوں کے علاوہ مشرکوں تک نے اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی ہے اس لئے کہ عہد شکنی کے نتیجہ میں انہوں نے تباہیوں کا اندازہ کیا تھا لہٰذا اپنے عہد و پیمان میں غداری اور قول و قرار میں بدعہدی نہ کرنا اور اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کرنا کیونکہ اللہ پر جرات جاہل بدبخت کے علاوہ دوسرا نہیں کرسکتا اور اللہ نے عہد و پیمان کی پابندی کو امن کا پیغام قرار دیا ہے کہ جسے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے اور ایسی پناہ گاہ بنایا ہے کہ جس کے دامن حفاظت میں ج پناہ لیتے اور اس کے جوار میں منزل کرنے کے لئے وہ تیزی سے بڑھتے ہیں لہٰذا اس میں کوئی جعلسازی، فریب کاری اور مکاری نہ ہونا چاہئے اور ایسا کوئی معاہدہ کرو ہی نہ جس میں تاویلوں کی ضرورت پڑنے کا امکان ہو اور معاہدہ کے پختہ اور طے ہو جانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ کے دوسرے معنی نکال کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو اور اس عہد و پیمان خداوندی میں کسی دشواری کا محسوس ہونا تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ تم اسے ناحق منسوخ کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ ایسی دشواریوں کو جھیل جانا کہ جن سے چھٹکارے کی اور انجام بخیر ہونے کی امید ہو اس بدعہدی کرنے سے بہتر ہے جس کے بُرے انجام کا تمہیں خوف اور اس کا اندیشہ ہو کہ اللہ کے یہاں تم سے اس پر کوئی جواب دہی ہوگی اور اس طرح تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی ہوگی۔

بے جا خون ریزی کی ممانعت

دیکھو! ناحق خونریزوں سے دامن بچائے رکھنا کیونکہ عذاب الٰہی سے قریب اور پادش کے لحاظ سے سخت اور نعمتوں کے سلب ہونے اور عمر کے خاتمہ کا سبب ناحق خونریزی سے زیادہ کوئی شے نہیں ہے اور قیامت کے دن اللہ سبحانہ سب سے پہلے جو فیصلہ کرے وہ انہیں خونوں کا جو بندگان خدا نے ایک دوسرے کے بہانے ہیں لہٰذا ناحق خون بہا کر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی کبھی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ چیز اقتدار کو کمزور او کھوکھلا کر دینے والی ہوتی ہے بلکہ اس کو بنیادوں سے ہلا کر دوسروں کو سونپ دینے والی اور جان بوجھ کر قتل کے جرم میں اللہ کے سامنے تمہارا کوئی

عزر چل سکے گا نہ میرے سامنے کیونکہ اس میں قصاص ضروری ہے اور اگر غلطی سے تم اس کے مرتکب ہو جاؤ اور سزا دینے میں تمہارا کوڑا یا تلوار یا ہاتھ حد سے بڑھ جائے اس لئے کہ کبھی گھونسا اور اس سے بھی چھوٹی ضرب ہلاکت کا سبب ہو جایا کرتی ہے تو ایسی صورت میں اقتدار کے نشہ میں بے خود ہو کر مقتول کا خون بہا اسکے وارثوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہ کرنا۔

اور دیکھو خود پسندی سے بچتے رہنا اور اپنی جو باتیں اچھی معلوم ہوں ان پر اترانا نہیں اور نہ لوگوں کے بڑھا بڑھا کر سراہنے کو پسند کرنا کیونکہ شیطان کو جو مواقع ملا کرتے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ اس کے نزدیک بھروسے کا ذریعہ ہے کہ وہ اس طرح نیکو کاروں کی نیکیوں پر پانی پھیر دے۔

اور رعایا کے ساتھ نیکی کر کے کبھی احسان نہ جتانا اور جو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسے زیادہ نہ سمجھنا اور ان سے وعدہ کر کے بعد میں وعدہ خلافی نہ کرنا۔ کیونکہ احسان جتانا نیکی کو اکارت کر دینا ہے اور اپنی بھلائی کو زیادہ خیال کرنا حق کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے اور وعدہ خلافی سے اللہ بھی ناراض ہوتا ہے اور بندے بھی چنانچہ اللہ سبحانہ خود فرماتا ہے ''خدا کے نزدیک یہ بڑی ناراضگی کی چیز ہے کہ تم جو کہو اُسے کرو نہیں''۔

اور دیکھو! وقت سے پہلے کسی کام میں جلد بازی نہ کرنا اسر جب اس کا موقع آ جائے تو پھر کمزوری نہ دکھانا اور جب صحیح صورت سمجھ میں نہ آئے تو اس پر مصر نہ ہونا اور جب طریق کار واضح ہو جائے تو پھر سستی نہ کرنا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھو اور ہر کام کو اس کے موقع پر انجام دو۔

بیت المال سے اپنی ذات کے لئے جمع نہیں کرنا

اور دیکھو! جن چیزوں میں سب لوگوں کا حق برابر ہوتا ہے اسے اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا اور قابلِ لحاظ حقوق سے غفلت نہ برتنا جو نظروں کے سامنے نمایاں ہوں کیونکہ دوسروں کے لئے یہ ذمہ داری تم پر عائد ہے اور مستقبل قریب میں تمام معاملات پر سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اور تم سے

مظلوم کی دادخواہی کر لی جائے گی دیکھو! غضب کی تندی، سرکشی کے جوش ہاتھ کی جنبش اور زبان کی تیزی پر ہمیشہ قابو رکھو اور ان چیزوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جلد بازی سے کام نہ لو اور سزا دینے میں دیر کرو، یہاں تک کہ تمہارا غصہ کم ہو جائے اور تم اپنے اوپر قابو پالو اور کبھی یہ بات تم اپنے نفس میں پورے طور پر پیدا نہیں کر سکتے جب تک اللہ کی طرف اپنی بازگشت کو یاد کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ان تصورات کو قائم نہ رکھو۔

اور تمہیں لازم ہے کہ گزشتہ زمانہ کی چیزوں کو یاد رکھو خواہ کسی عادل حکومت کا طریق کار ہو، یا کوئی اچھا عمل درآمد ہو۔ یا رسولؐ کی کوئی حدیث ہو۔ یا کتاب اللہ میں درج شدہ کوئی فریضہ ہو تو ان چیزوں کی پیروی کرو جن پر عمل کرتے ہوئے ہمیں دیکھا ہے اور ان ہدایات پر عمل کرتے رہنا جو میں نے اس عہد نامہ میں درج کی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے میں نے اپنی حجت تم پر قائم کر دی ہے۔ تاکہ تمہارا نفس اپنی خواہشات کی طرف بڑھے تو تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہو۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع رحمت اور ہر حاجت کے پورا کرنے پر عظیم قدرت کا واسطہ دے کر اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمہیں اس کی توفیق بخشے جس میں اس کی رضا مندی ہے کہ ہم اللہ کے سامنے اور اس کے بندوں کے سامنے ایک کھلا ہوا عذر قائم کر کے سرخرو ہوں اور ساتھ ہی بندوں میں نیک نامی اور ملک میں اچھے اثرات اور اس کی نعمت میں فراوانی اور روز افزوں عزت کو قائم رکھیں اور یہ کہ میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت و شہادت پر ہو بے شک ہمیں اسی کی طرف پلٹنا ہے والسلام علی رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین وسلم تسلیما کثیرا والسلام۔(۵۸)

عہد نامہ مالک اشتر تمام لوگوں کے لئے رہنما اصول

حضرت علیؑ نے جو مذکورہ مکتوب والی مصر حضرت مالک اشتر کے نام تحریر فرمایا ہے یہ نہ صرف یہ کہ تمام حکمرانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے بلکہ ہر انسان کے لئے اس لئے کہ ہر انسان کی ایک انفرادی زندگی ہوتی ہے اور

ایک اجتماعی زندگی ، زندگی میں کوئی ایسا موقع ضرور آتا ہے جب وہ کسی نہ کسی عہدہ پر ضرور فائز ہوتا ہے اور کبھی نہ کبھی کسی نمائندگی کا موقع ضرور ملتا ہے۔ مقامی سطح پر یا علاقائی یا ملکی سطح پر یا سوسائٹی ،ٹرسٹ ، انجمن ، تنظیم کی صورت میں کوئی نہ کوئی عہدہ اسے ملتا ہے اور اگر وہ کسی عہدے پر نہ بھی ہو تو بھی وہ اپنے گھر کا سربراہ تو ہوتا ہی ہے ، حاکم اور رئیس کے بارے میں رسول اکرمؐ کی واضح حدیث ہے:

كلكم راعي و كلكم مسول عن رعيته۔

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگراں نگہبان ہے اپنی رعایا کے بارے میں۔

پس مذکورہ خط کو نمونہ عمل قرار دیا جاسکتا ہے ہر ذمہ دار شخص اس پر عمل کرسکتا ہے اور اگر حکومت کے دائرے کو چھوٹا کر دیا جائے تو انسان خود اپنے مملکت بدن یعنی نفس کا حاکم اور نگہباں ہے یعنی ایسی زندگی گذارے اپنے تمام اعضاو جوارح کے حقوق ادا کرے تا کہ روز قیامت اعضاو جوارح گواہی دیں کہ واقعاً اس نے کامیاب زندگی گزاری۔ اس لئے کہ شریعت اسلامی میں تمام اعضاو جوارح کے حقوق ہیں خود نفس انسانی کا حق۔ نفس کی قرآن میں کئی حالتیں بیان کی ہیں۔ انسان کی فطرت میں ظلم موجود ہے لہٰذا ہر صاحب اختیار انسان اپنے دائرے حکومت پر ظلم روا رکھتا ہے سوائے چند عادل لوگوں کے انسان اگر معاشرے کا سربراہ تو اپنی سوسائٹی پر ظلم کرے گا اور اگر سوسائٹی پر اس کا بس نہیں چلتا تو وہ اپنے نفس پر اعضاو جوارح پر ظلم کرتا ہے ہاتھ کو وہاں اٹھایا جہاں نہیں اٹھانا چاہیے تھا قدم وہاں اٹھایا جہاں موقع نہیں تھا زبان کو وہاں استعمال کیا جہاں محل نہیں تھا نگاہ وہاں اٹھائی جہاں جائز نہیں تھا۔ اگر کوئی حاکم ہے تو وہ بھی ظلم کرتا ہے بے گناہ کو سزا دینا ہے صرف بعض عناد کی وجہ سے حاکم کے بارے میں رعایا اکثر یہ شکایت کرتی ہے کہ حاکم اقربا پروری کرتا ہے اپنے رشتہ داروں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنا ہے اگر قوم پرست ہے تو قوم پرستی کرنا ہے اپنی زبان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ترجیح دیتا ہے حاکم کبھی کبھی شہری اور دیہی صوبائی تعصب بھی رکھتا ہے اپنے علاقے کے لوگوں کو نوازتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے مزاج میں عدالت نہیں ہے یہ شکایت اکثر حکام سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہم مذہب یا مسلک کو ترجیح دیتا ہے۔ حاکم یہ بھی کرتا ہے کہ اپنے تعلقات کو بڑھانے کے لئے ناحق کو حق دے دے گا غیر مستحق کو مقدم کر دے گا تا کہ ہمارے محکومین ہماری اطاعت کریں ہم پر تنقید نہ کریں اور اس خطہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نہج البلاغہ کے اقوال جو طرز معاشرت کے حوالے سے ہیں ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں:

قَالَ(علیہ السلام): كُنْ فِي الْفِتْنَةِ كَابْنِ اللَّبُونِ، لاَ ظَهْرٌ فَيُرْكَبَ، وَلاَ ضَرْعٌ فَيُحْلَبَ. (۵۹)

ترجمہ: فتنہ وفساد میں اس طرح ہو جس طرح اونٹ کا وہ بچہ جس نے ابھی اپنی عمر کے دو سال ختم کئے ہوں کہ نہ تو اس کی پیٹھ پر سواری کی جاسکتی ہے اور نہ اس کے تھنوں سے دودھ دو یا جاسکتا ہے۔

و قَالَ(علیہ السلام): أَزْرَى بِنَفْسِهِ مَنِ اسْتَشْعَرَ الطَّمَعَ، وَرَضِيَ بِالذُّلِّ مَنْ كَشَفَ ضُرَّهُ، وَهَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ مَنْ أَمَّرَ عَلَيْهَا لِسَانَ(۶۰)

ترجمہ: جس نے طمع کو اپنا شعار بنایا اس نے اپنے کو سبک کیا اور جس نے اپنی پریشان حالی کا اظہار کیا وہ ذلت پر آمادہ ہو گیا اور جس نے اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھا اس نے خود اپنی بے وقتی کا سامان کر لیا۔

إِذَا أَقْبَلَتِ الدُّنْيَا عَلَى أَحَدٍ أَعَارَتْهُ مَحَاسِنَ غَيْرِهِ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ عَنْهُ سَلَبَتْهُ مَحَاسِنَ نَفْسِهِ (۶۱)

جب دنیا (اپنی نعمتوں کو لے کر) کسی کی طرف بڑھتی ہے، تو دوسروں کی خوبیاں بھی اسے عاریت دے دیتی ہے۔ اور جب اس سے رخ موڑ لیتی ہے، تو خود اس کی خوبیاں بھی اس سے چھین لیتی ہے۔

إِذَا قَدَرْتَ عَلَى عَدُوِّكَ فَاجْعَلِ الْعَفْوَ عَنْهُ شُكْراً لِلْقُدْرَةِ عَلَيْهِ. (۶۲)

ترجمہ: دشمن پر قابو پاؤ تو اس قابو پانے کا شکر اس کو معاف کر دینا قرار دو۔

أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ اكْتِسَابِ الإِخْوَانِ، وَأَعْجَزُ مِنْهُ مَنْ ضَيَّعَ مَنْ ظَفِرَ بِهِ مِنْهُمْ. (۶۳)

ترجمہ: لوگوں میں بہت درماندہ وہ ہے جو اپنی عمر میں کچھ بھی اپنے لئے نہ حاصل کر سکے اور اس سے بھی زیادہ درماندہ وہ ہے جو پا کر اسے کھودے۔

وقال(علیہ السلام): لابنه الحسن(علیہ السلام): يَا بُنَيَّ، احْفَظْ عَنِّي أَرْبَعاً وَأَرْبَعاً، لاَ يَضُرَّكَ مَا عَمِلْتَ مَعَهُنَّ:

إِنَّ أَغْنَى الْغِنَى الْعَقْلُ، وَأَكْبَرَ الْفَقْرِ الْحُمْقُ، وَأَوْحَشَ الْوَحْشَةِ الْعُجْبُ، وَأَكْرَمَ الْحَسَبِ

حُسنُ الْخُلُقِ.

يَا بُنَيَّ، إِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الأَحْمَقِ، فَإِنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرَّكَ.

وَإِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْبَخِيلِ، فَإِنَّهُ يَقْعُدُ عَنْكَ أَحْوَجَ مَا تَكُونُ إِلَيْهِ.

وَإِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْفَاجِرِ، فَإِنَّهُ يَبِيعُكَ بِالتَّافِهِ

وَإِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْكَذَّابِ، فَإِنَّهُ كَالسَّرَابِ يُقَرِّبُ عَلَيْكَ الْبَعِيدَ، وَيُبَعِّدُ عَلَيْكَ الْقَرِيبَ. (٦٤)

ترجمہ: اپنے فرزند حضرت امام حسینؑ سے فرمایا: مجھ سے چار اور پھر چار باتیں یاد رکھو۔ ان کے ہوتے ہوئے جو کچھ کرو گے وہ تمہیں ضرر نہ پہنچائے گا سب سے بڑی ثروت عقل و دانش ہے اور سب سے بڑی ناداری حماقت و بے عقلی ہے اور سب سے بڑی وحشت غرور خود بینی ہے اور سب سے بڑا جوہر ذاتی حسن اخلاق ہے۔

اے فرزند بے وقوف سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا تو نقصان پہنچائے گا اور بخیل سے دوستی نہ کرنا کیونکہ جب تمہیں اس کی مدد کی انتہائی حتیاج ہوگی وہ تم سے دور بھاگے گا اور بدکردار سے دوستی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالے گا اور جھوٹے سے دوستی نہ کرنا کیونکہ وہ سُراب کے مانند تمہارے لئے دور کی چیزوں کو قریب اور قریب کی چیزوں کو دور کر کے دکھائے گا۔

عرفت اللہ بفسخ العزائم وحل العقود (ونقض الھمم) (٦٥)

ترجمہ: میں نے اللہ سبحانہ کو پہچانا ارادوں کے ٹوٹ جانے، نیتوں کے بدل جانے اور ہمتوں کے پست ہو جانے سے۔

احبب حبیبك ھونا ما، عسی ان یکون بغیضك یوما ما وابغض بغیضك ھونا ما، عسی ان یکون حبیبك یوما ما۔ (٦٦)

ترجمہ: اپنے دوست سے بس ایک حد تک محبت کرو کیونکہ شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن ہو جائے۔ دشمن کی دشمنی بس ایک حد میں رکھو ہوسکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہارا دوست ہو جائے۔

باب پنجم

اسلام کا تصور معاشرت مشمولات نہج البلاغہ

خلاصہ

انسانی معاشرے میں مختلف قوم، قبیلے، زبان، ثقافت، مذہب اور صنف سے تعلق رکھنے والے لوگ زندگی بسر کرتے ہیں اور ان میں بھی مختلف طبقات پائے جاتے ہیں اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے حقوق سلب نہ ہوں لیکن طاقت کا توازن ایک نہ ہونے کی وجہ سے طاقتور کمزور پر، امیر غریب پر غالب آجاتا ہے اس طرح مختلف طبقات میں محرومیاں بڑھ جاتی ہیں۔ تاریخ بشر ظلم سے بھری پڑی ہے جب سے انسان وجود میں آیا ہے خونریزی کا سلسلہ جاری ہے۔ پروردگار عالم نے انسانوں کی فلاح و بہبود اور ہدایت کے لئے مسلسل اپنے نمائندے مبعوث کئے۔ اور انہوں نے حتی المقدور اپنی ذمہ داری پوری کی اور اپنے دور کے ظالم و جابر حکمرانوں سے مقابلہ بھی کیا بعض کامیاب ہوئے اور بعض وقتی طور پر ناکام ہوئے اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ نبی آخر الزماں کا دور آیا جب معاشرتی خرابیاں بہت بڑھ چکی تھیں۔ آپ نے چالیس سال اپنی سیرت پیش کی اور کفار مکہ کے درمیان رہے یہاں تک کہ آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا اور پھر آپ نے خدا کے پیغام کو عام کرنے میں بڑی صعوبتیں برداشت کیں اور بالآخر مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی جو زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری عدالت کو نافذ کر سکے اور تمام انسانوں کو بلاتفریق مذہب وملت ان کے حقوق فراہم کر سکے۔ جہاں انسان کا عقیدہ باقی رہے، مذہبی رواداری ہو، اخوت ہو، ہر شخص اپنی شناخت باقی رکھتے ہوئے زندگی بسر کرے لوگوں علم حاصل کرنے کے موقع فراہم ہوں، ان کی معاشی زندگی میں ترقی ہو، اس کو جلد انصاف میسر ہو، اور یہ سارے حقوق انسان انفرادی طور پر حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے باقاعدہ اجتماعی طور پر ایک ریاست کا قیام عمل میں آئے قانون کی حکمرانی ہو۔ اسلام کیونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے لہٰذا انسانی حقوق کو سب سے زیادہ اسلام تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس باب میں ہم نے اسلام

کا تصور معاشرت قرآن وسنت اور نہج البلاغہ کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کرے۔کس طرح ایک عادلانہ حکومت قائم ہوسکتی ہے حکمران اور رعایا کے کیا حقوق وفرائض ہیں ضمناً ہم نے نہج البلاغہ کے معاشرتی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور عصر حاضر کے مسائل کا حل بھی تجویز کیا ہے تا کہ پاکستان میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو سکے جہاں ہر مسلمان اور ہر انسان امن وسلامتی کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

مالکِ اشتر کو لکھے گئے مکتوب کے مجوزہ نکات جو اقوام متحدہ نے عرب ممالک کی حکومت کے سربراہان کو ارسال کئے کہ ایک عدل و انصاف اور جمہوری اصولوں پر قائم حکومت کو ایسا ہونا چاہیے

United Nations on Imam Ali Ibn Abi Talib

The United Nations has advised Arab countries to take Imam Ali bin Abi Talib (AS) as an example in establishing a regime based on justice and democracy and encouraging knowledge.

The UNDP in its 2002 Arab Human Development Report, distributed around the world, listed six sayings of Imam Ali (AS) about ideal governance.

They include consultation between the ruler and the ruled, speaking out against corruption and other wrong doings, ensuring justice to all, and achieving domestic development.

The UNDP said most regional countries are still far behind other nations in democracy, wide political representation, women's participation, development and knowledge.

Imam Ali bin Abi Talib (AS)'s sayings:

The UNDP quoted the following sayings of Imam Ali (AS) in its 2002 Arab Human Development Report:

1. "He who has appointed himself an Imam (ruler) of the people must begin by teaching himself before teaching others. His teaching of others must be first by setting an example rather than with his words, for he who begins by teaching and educating himself is more worthy of respect than he who teaches and educates others."

2. "Your concern with developing the land should be greater than your concern for collecting taxes, for the latter can only be obtained by developing; whereas he who seeks revenue without development destroys the country and the people."

3. "Seek the company of the learned and the wise in search of solving the problems of your country and the righteousness of your people."

4. "No good can come out in keeping silent to the government or in speaking out of ignorance."

5. "The righteous are men of virtue, whose logic is straightforward, whose dress is unostentatious, whose path is modest, whose actions are many and who are undeterred by difficulties."

6. "Choose the best among your people to administer justice among them. Choose someone who does not easily give up, who is unruffled by enmities, someone who will not persist in wrong doings, who will not hesitate to pursue right once he knows it, someone whose heart knows no greed, who will not be satisfied with a minimum of explanation without seeking the maximum of understanding, who will be the most steadfast when doubt is cast, who will be the least impatient in correcting the opponent, the most patient in pursuing the truth, the most stern in meting out judgment, someone who is unaffected by flattery and not swayed by temptation and these are but few."

http://www.human-rights-in-islam.co.uk/index.php?option=com_content&view=article&id=200:united-nations-on-imam-ali-ibn-abi-talib&catid=35:political&Itemid=53

باب پنجم

اسلام کا تصور معاشرت مشمولات نہج البلاغہ

حوالہ جات

۱۔سید رضی ۔نہج البلاغہ خطبہ اول صفحہ ۷۰امامیہ کتب خانہ لاہور

۲۔سید رضی ۔نہج البلاغہ قول ۱۲۵ صفحہ ۸۴۲ امامیہ کتب خانہ لاہور

۳۔سید رضی ۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۶ صفحہ ۵۵۷۔۵۵۸امامیہ کتب خانہ لاہور

۴۔سید رضی ۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۴ صفحہ ۳۰۲امامیہ کتب خانہ لاہور

۵۔محمد حسین طباطبائی ۔مکتب اسلام صفحہ ۴۵۔جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی ۔ ۱۹۸۹ء

۶۔القرآن ۲: ۲۱۳

۷۔محمد حسین طباطبائی مکتب اسلام صفحہ ۴۶ جامعہ تعلیمات اسلامی۔کراچی ۔ ۱۹۸۹ء

۸۔محمد حسین طباطبائی مکتب اسلام صفحہ ۴۷۔۴۸ جامعہ تعلیمات اسلامی۔کراچی ۔ ء

۹۔القرآن ۹۱:۷۔۱۰

۱۰۔القرآن ۱۷:۷۵

۱۱۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۱۱۳ صفحہ ۸۳۸۔امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۲۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۱۴۷ صفحہ ۸۵۰امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۳۔عبداللہ مامقانی اقوال اسلام صفحہ ۶۴ ۔رحمت اللہ بک ایجنسی۔کراچی

۱۴۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۹۷ صفحہ ۸۲۷۔امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۵۔سید رضی نہج البلاغہ صفحہ ۸۲۷۔امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۶۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۸۱ صفحہ ۸۲۷۔امامیہ کتب خانہ لاہور

۱۷۔مفتی جعفر حسین شرح نہج البلاغہ صفحہ ۸۲۸امامیہ کتب خانہ لاہور
۱۸۔عبداللہ مامقائی اقوال اسلام صفحہ ۱۸رحمت اللہ بک ایجنسی۔کراچی
۱۹۔عبداللہ مامقائی اقوال اسلام صفحہ ۱۸رحمت اللہ بک ایجنسی۔کراچی
۲۰۔سید رضی۔نہج البلاغہ مکتوب ۳۱صفحہ ۶۹۱۔۶۹۲۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۲۱۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۴صفحہ ۸۰۴امامیہ کتاب خانہ لاہور
۲۲۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۱۵۳صفحہ ۸۵۶امامیہ کتب خانہ لاہور
۲۳۔عبداللہ مامقائی اقوال اسلام صفحہ ۲۵۔رحمت اللہ بک ایجنسی کراچی
۲۴۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۳۱۰صفحہ ۹۰۷امامیہ کتب خانہ لاہور
۲۵۔القرآن ۱۵۹:۳
۲۶۔القرآن ۹۰:۱۶
۲۷۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۴۷۶صفحہ ۹۵۷امامیہ کتب خانہ لاہور
۲۸۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیات حکمت قول ۱۲صفحہ ۵۷انصاریان پبلیکشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۲۹۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۴۳۷صفحہ ۹۴۶امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۰۔القرآن ۹۱:۱۶
۳۱۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۲۵۹صفحہ ۸۸۵۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۲۔سید اصغر ناظم زادہ قمی تجلیات حکمت قول ۷صفحہ ۹۴۔انصاریان پبلیکشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۳۳۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۵۲صفحہ ۸۲۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۴۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ۲۱۳صفحہ ۸۷۰۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۵۔مفتی جعفر حسین شرح نہج البلاغہ صفحہ ۸۷۰۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۶۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۲۰۶صفحہ ۸۶۷۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۳۷۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت قول ۲صفحہ ۱۵۴۔انصاریان پبلیکشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۳۸۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۵۳صفحہ ۸۲۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور

۳۹۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت قول ۲ صفحہ ۱۱۲۔انصاریان پبلیکیشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۴۰۔القرآن ۶:۱۶۰
۴۱۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۲۴۸ صفحہ ۸۷۸۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۴۲۔سید رضی نہج البلاغہ۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۴۳۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۱۱۴ صفحہ ۸۳۸۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۴۴۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت قول ۱۵ صفحہ ۲۷۹ انصاریان پبلیکیشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۴۵۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت قول ۱۶ صفحہ ۲۷۹ انصاریان پبلیکیشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۴۶۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۴۰۶۔صفحہ ۹۳۶۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۴۷۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت قول ۸ صفحہ ۸۸۔انصاریان پبلیکیشنز۔قم ۔ ۱۹۹۶ء
۴۸۔القرآن ۶۹:۱۰
۴۹۔سید رضی نہج البلاغہ مکتوب ۵۳ صفحہ ۷۴۸۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۰۔سید رضی نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱ صفحہ ۵۴۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۱۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۵۶ صفحہ ۸۲۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۲۔مفتی جعفر حسین، شرح نہج البلاغہ صفحہ ۸۲۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۳۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۵۷ صفحہ ۸۲۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۴۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۲۲۹ صفحہ ۸۷۳۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۵۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۹ صفحہ ۸۰۶۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۶۔مفتی جعفر حسین شرح نہج البلاغہ صفحہ ۸۰۶
۵۷۔سید رضی نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱ صفحہ ۵۴۱۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۸۔سید رضی نہج البلاغہ مکتوب ۵۳ صفحہ ۷۴۳۔۷۷۰۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۵۹۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۱ صفحہ ۸۰۳۔امامیہ کتب خانہ لاہور
۶۰۔سید رضی نہج البلاغہ قول ۲ صفحہ ۸۰۳۔امامیہ کتب خانہ لاہور

٦١۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ٨ صفحہ ٨٠٥۔امامیہ کتب خانہ لاہور
٦٢۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ١٠ صفحہ ٨٠٦۔امامیہ کتب خانہ لاہور
٦٣۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ١١ صفحہ ٨٠٧۔امامیہ کتب خانہ لاہور
٦٤۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ٨٣ صفحہ ٨١٦۔امامیہ کتب خانہ لاہور
٦٥۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ٢٥٠ صفحہ ٨٧٨۔امامیہ کتب خانہ لاہور
٦٦۔سید رضی نہج البلاغہ۔قول ٢٦٨ صفحہ ٨٩٥۔امامیہ کتب خانہ لاہور

اختتامیہ

اختتامیہ پر ہم نہج البلاغہ میں موجود ایک اہم وصیت نامہ جو حضرت علیؑ نے اپنے فرزند اکبر امام حسنؑ کو تحریر فرمایا تھا اس میں کچھ اقتباسات شرح کے ساتھ پیش کرر ہے ہیں اس میں بھی مالک اشتر کے خط کی طرح بہت اور مفید اور سبق آموز جملے درج ہیں جن میں ہمارے لئے ایک درس ہے اور ہمارے مسائل کا حل بھی اس وصیت پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے حضرتؑ فرماتے ہیں:

بعدہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے دنیا کی روگردانی زمانہ کی منہ زوری اور آخرت کی پیش قدمی سے جو حقیقت پہچانی ہے وہ اس امر کے لئے کافی ہے کہ مجھے دوسرے تذکروں اور اور اپنی فکر کے علاوہ دوسری کوئی فکر نہ ہو۔

حضرتؑ فرمار ہے ہیں کہ میرا یہ تجربہ ہے کہ ہمیں دوسروں کی فکر و جستجو میں رہنے کے بجائے اپنی فکر کرنا چاہئے کہ ہماری حقیقت کیا ہے ہمارا کردار کیسا ہونا چاہئے ہمیں کن کن اخلاقی قدروں کو اپنانا چاہئے تا کہ ہم صحیح معنوں میں انسان بن سکیں۔ انسانیت کی خدمت کرسکیں لوگوں کے دکھ درد میں کام آئیں۔ آگے چل کر حضرتؑ مزید فرماتے ہیں:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا
اس کے احکام کی پابندی کرنا
اس کے ذکر سے قلب کو آباد رکھنا اور
اسی کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا
نیکی کی تلقین کرو تا کہ خود بھی اہل خیر میں محسوب ہو۔
ہاتھ اور زبان کے ذریعے برائی کو روکتے رہو۔
جہاں تک ہو سکے بروں سے الگ رہو

خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو اور اس کے
بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لو۔

مذکورہ جز میں بھی کئی نصیحتیں کی ہیں سب سے پہلے تو تقویٰ کی تلقین ہے اور اس کے واجبات کی پابندی کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد ہمیشہ دل میں رکھنا چاہئے اور اس کی رسی سے متمسک رہنا چاہے مسجد، محفل، مجلس دیگر دروس وغیرہ میں شرکت کرنے کی کوشش کرنا چاہئے تا کہ انسان کی اصلاح ہوتی رہے نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا ایک اہم فریضہ ہے جس سے معاشرہ پاک و پاکیزہ رہتا ہے۔آپؑ نے برے لوگوں کی صحبت سے منع فرمایا۔اللہ کی راہ میں جہاد بھی ایک اہم فریضہ ہے جسے جب بھی موقع ملے انجام دینا چاہئے اس لئے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ ہر اس طاقت کے سامنے قیام کرنا جو ہمیں اللہ کے راستے سے ہٹائے ان کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ چاہے دنیا کتنا ہی رو کے ملامت کرے ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا۔

حق جہاں ہو سختیوں میں پھاند کر اس تک پہنچ جاؤ۔ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرو حق کی راہ میں صبر و شکیبائی بہترین سیرت ہے ہر معاملہ میں تم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو صرف اپنے پروردگار سے سوال کرو۔

اس حصے میں حق کی تلاش و جستجو کی وصیت کی گئی ہے اور دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرنا قرآنی حکم ہے۔ اس لئے کہ جب انسان دین کو سمجھے گا تو عمل کرے گا اور عمل ہی اس کو جنت تک لے جائے گا اور ہر معاملے میں توکل علی اللہ کا حکم ہے اور اسی کے سامنے دست سوال پھیلانے کی نصیحت ہے کیونکہ دینا اور نہ دینا بس اسی کے اختیار میں ہے حضرتؑ فرماتے ہیں:

کیونکہ کم سن کا دل اس خالی زمین کے مانند ہوتا ہے جس میں جو بیج ڈالا جاتا ہے اسے قبول کر لیتی ہے لہٰذا قبل اس کے کہ تمہارا دل سخت ہو جائے اور تمہارا ذہن دوسری باتوں میں لگ جائے میں نے تعلیم دینے کے لئے قدم اٹھایا تا کہ تم عقل سلیم کے ذریعے ان چیزوں کے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔

مذکورہ جملات اولاد کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ہیں۔ کہ اپنی اولاد کو انسان اس وقت تعلیم دے جب وہ کمسن ہو اس کی کمسن اولاد نرم اور زرخیز زمین کی مانند ہوتی ہے کہ جو بوئیں گے وہ حاصل ہو جائے گا اس لئے

روایات میں آیا ہے کہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے ادب سکھاؤ اور ان کو واجبات کی تربیت دو اور محرمات سے پرہیز کرنے کی تعلیم دو حضرتؑ نے فرمایا کہ بڑے ہونے کے بعد انسان پختہ ہو جاتا ہے پھر اس پر کوئی تعلیم و تربیت اثر نہیں کرتی علما اس کی مثال کمہار کی دیتے ہیں کہ جب مٹی نرم ہوتی ہے تو کمہار جیسے چاہتا ہے اسے اپنے ہاتھوں سے ڈھال لیتا ہے اور وہی برتن جب سخت ہو جائے تو وہ مڑ نہیں سکتا ٹوٹ سکتا ہے اسی بچپن کی تربیت بچے پر اثر انداز ہوتی ہے بڑے ہونے کے بعد کسی بھی چیز کا عادی مشکل سے بنتا ہے۔

آگے چل کر حضرتؑ فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ پہلے کتاب خدا کے احکام شرع اور حلال و حرام کی تعلیم دوں جو فرائض اللہ کی طرف سے تم پر عائد ہوتے ہیں ان پر اکتفا کرو اور جس پر تمہارے آباؤ اجداد اور تمہارے گھرانے کے افراد چلتے رہے ہیں اس پر چلتے رہو۔

ہر معاملہ میں اپنی ذات کو میزان قرار دو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔

مذکورہ وصیت نامہ امام حسنؑ کو اور مالک اشتر کے مکتوب کو اگر دقت نظری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ • ذیل نکات سامنے آئیں گے اور یہی ہمارے مسائل کا حل ہے جن مسائل سے پاکستان گزر رہا ہے وہ پوری دنیا کے سامنے باعث شرم ہیں۔ جہاں حکمران سے لے کر عوام تک بدعنوان ہیں۔ اور کسی نہ کسی عنوان سے دنیا کو فریب دے رہے ہیں۔ ہماری غیرت اور ہمیت ختم ہو چکی ہے ہم بے حس ہو چکے ہیں دہشت گردی کا ہم شکار ہیں بے روزگاری کا ہم کو سامنا ہے، بے راہ روی عام ہے خواتین فاسق اور جواں فاسد ہو چکے ہیں اس معاشرے کی جتنی بھی خرابیاں ہیں اس کے ہم سب ذمہ دار ہیں خاص طور پر وہ طبقات جو معاشرے میں اثر رکھتے ہیں۔ ان میں سرفہرست، حکمراں، امراعلما، دانشور صحافی، اساتذہ، قاضی حضرات ملک کے سیات دان۔

۱۔ حکمران اگر اپنی ذمہ داری پوری کریں اور صداقت اور امانت سے حکومت چلائیں سوائے اپنے رب کے کسی کی غلامی اختیار نہ کریں تو ملک ترقی کر سکتا ہے۔

۲۔ ثروت مند حضرات جن میں تاجر، زمیندار، افسر شاہی وغیرہ شامل ہیں اپنے ماتحت لوگوں کو ان کا حق دے دیں تو ملک میں کبھی کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔

۳۔ علما صحیح معنوں میں باعمل اور امین ہو جائیں اور اپنے پیرو کاروں اور طلبا کو دین داری اور امن و سلامتی اور بھائی چارے کا درس دیں تو معاشرہ دین دار بن سکتا ہے اپنی اپنی سطح پر اپنے خطبات،

بیانات کے ذریعے خدا پرستی وطن پرستی کا سبق پڑھائیں اور نفس پرستی سے دور رکھیں تو ایک متدین معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔

۴۔ دانشور حضرات تعلیم وتربیت شعروسخن، درس وتدریس کے ذریعے معاشرے میں انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔

۵۔ صحافی حضرات کو چاہئے وہ الیکٹرونکس میڈیا سے تعلق رکھتے ہوں وہ پرنٹ میڈیا سے اگر اپنے قلم کو وطن کی محبت کے لئے صرف کریں اغیار کو بیچیں نہیں تو ملک میں تبدیلی آسکتی ہے۔

۶۔ ہمارے قاضی حضرات اگر امانت داری کے ساتھ منصفانہ طور پر عدالتی نظام چلائیں اور ہر بڑے سے بڑے مجرم اور چھوٹے سے چھوٹے مجرم کو سزا دلائیں تو ملک میں عادلانہ نظام قائم ہوسکتا ہے۔

۷۔ سب سے بڑھ کر ہمارے سیاست دان حضرات جو حکمرانی کی نشست تک پہنچتے ہیں اگر وطن پرست ہوجائیں اور عوام کے حاکم بننے کے بجائے خادم بن کر رہیں تو عوامی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔

۸۔ ہمارے ملک کی افواج اور ان کے سربراہ جو کہ ملک میں خلفشار یا کسی اور مجبوری کے تحت ملک کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اپنے ساتھ مخلص سیاستدانوں کے شریک رکھیں تاکہ ملک اور تباہی کی طرف نہ جاسکے۔

آخر میں میں تمام طبقات سے یہ گذارش کروں گا کہ اگر تمام افراد دین دار ہوجائیں اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے کی سعی کریں تو ہمارے تمام مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے اور یہی ہمارے مقالے کا مقصد ہے کہ اس ملک پاکستان میں اسلامی معاشرہ تشکیل پائے اور ایک عادلانہ اسلامی نظام نافذ ہو۔

کتابیات

۱۔القرآن

۲۔سید رضی۔نہج البلاغہ امامیہ کتب خانہ لاہور

۳۔شیخ محمد رضا مظفر۔عقائد امامیہ۔ دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی ۔ ۲۰۰۰ ء

۴۔سید رضی۔نہج البلاغہ،امامیہ کتب خانہ لاہور

۵۔سید حبیب اللہ خوئی۔منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۲۳۷ حق برادرز لاہور ۔ ۲۰۱۰ ء

۶۔سیرت امیر المومنینؑ جلد دوم امامیہ کتب خانہ لاہور ۔ ۱۹۸۷ ء

۷۔ علامہ سید علی اکبر قرشی۔قاموس قرآن ج چہارم دار الکتب الاسلامیہ۔تہران ۔ ۱۳۷۸ ھ

۸۔افتخار مرزا۔توحید مفضل صفحہ ۱۷۱ قصر عباس راولپنڈی

۹۔مرتضیٰ مطہری۔سخن۔کراچی جامعہ تعلیمات اسلامی ۲۰۰۴ء

۱۰۔ڈاکٹر عبید احمد خان۔مقالہ اسرار قرآنی کے حصول میں باطنی حواس کا کردار

۱۱۔احمد نراقی علامہ،عروج السعادۃ۔مکتبۃ ولی العصر لاہور ۔ ۱۳۹۲ھ

۱۲۔محمد یعقوب کلینی شیخ اصول کافی جلد ۲۔ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ کراچی ۔ ۱۹۸۹ ء

۱۳۔المنجد۔دار الاشاعت اردو بازار۔کراچی ۔ ۱۹۷۹ ء

۱۵۔ساجد حسین سید۔تعلیمی عمرانیات۔ رہبر پبلیشرز کراچی ۔ ۱۹۹۱ء

۱۶۔سید مجتبیٰ موسوی آیت اللہ۔انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار صفحہ ۲۳۹ دار الثقافۃ اسلامیہ پاکستان۔۱۹۹۵ ء

۱۷۔IVOR-MORRISH-Sociological of Education .Unwin Hyman Publisher-London

۱۸۔ROUCEK.Sociological Foundation of Education homas.Y.erowell company New York.

۱۹۔W.J.Thomas .The unadjusted girl . Brown & company U.S.A

۲۰۔Biggs & Hunt Pschological Foundation of education Harper Brothers Publishers New York.

۲۱۔J.S ROUCEK Sociological Foundation of education Thomson.Y. erowell company New York.

۲۲۔گروہ دانشمندان۔اسلام دینِ فطرت جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

۲۳۔محمدی ری شہری آیت اللہ۔میزان الحکمت جلدنمبر ۶۔ مصباح الہدی پبلیشر ز لاہور - ۲۰۱۱ ء

۲۴۔باقر مجلسی علامی۔بحارالانوار۔جلد ۶۹۔ داراحیاالتراث لعربی بیروت۔لبنان

۲۵۔مرزا حسین نوری۔مستدرک الوائل الشیعہ جلدنمبر ۸،اسماعیلیان قم۔

۲۶۔عبدالواحد ابن محمد۔غرار الحکم۔

۲۷۔محمدی ری شہری آیت اللہ۔میزان الحکمت۔جلد ۶ مصباح الہدیٰ پبلیشر ز لاہور۔ ۲۰۱۱ ء

Hillgard Introduction to educational Psychology Donald G Marquis Published .U.S.A_۲۸

Crow & Crow. Educational Pschology American Book & Company U.S.A_۲۹

H.P Smith .Pschology in teaching (1961) U.K. Publishers ._۳۰

Abdul Raouf Doctor, Dynamic educational pschology rerely available in U.K_۳۱

۳۲۔حافظ فرمان علی،تفسیر قرآن حکیم عمران کمپنی۔لاہور۔

۳۳۔ ناصر مکارم شیرازی آیت اللہ العظمیٰ تفسیر نمونہ جلد ۱۳ مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور - ۲۰۱۰ ء

۳۴۔سید اصغر ناظم زادہ قمی۔تجلیاتِ حکمت،انصاریان پبلیکشنز - 1996 ء

۳۵۔مفتی جعفر حسین شرح نہج البلاغہ،امامیہ کتب خانہ لاہور

۳۶۔سید مجتبیٰ موسوی آیت اللہ۔انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار۔دارالثقافۃ اسلامیہ پاکستان - ۱۹۹۵ ء

۳۷۔محمد یعقوب کلینی شیخ۔اصول کافی۔ ظفر شمیم پبلیشر ز ٹرسٹ کراچی - ۱۹۸۶ ء

ABSTRACT

"Solution of current age problem in the light of the concept of Socialization in NAHJUL BALAGHA."

with the name of ALLAH, the Compassionate, the merciful. Praise to be to ALLAH, The suslainer of the words, and peace be upon the chief of prophets and messengers and his pure chaste descendants.

Nahjul Balagha is that most reputed collection of the utterances (sermons, letters and sayings) of Amirul Momineen Ali Bin Abi Talib, peace and greetings be upon him, which was Complied by Allama Syed Razi. This mode of collection and Compilation is in itself enough to convince an unbiased person that Allama Syed Razi's own style of writing or power of expression has nothing to do with it, but he has confined himself for collecting utterances of Amirul Momineen's from various polaces and persons and putting them together.

Regarding the status of Nehjul Balagha, the Ulmaa of different casts are agreed into that whatever Sermons, Letters and Short statements collected by Allama Syed Razi, realy belonged to the sayings of Hazrat Ali. A.S Moreover the selection of words in the sentences, found in such belongings, prove themselves that these golden and shinning words must have been spoken by only Hazrat Ali A.S.

The prominent realistic ulmaa and scholars, irrespective of their sects, have admitted the above referred things, as the words of H.A. Some examples of such admittances are given below:

Mohammad Bin Ali bin Taba: Taba known as Ibne Taqtaqi writes on page 9 of his book Tarikh-ul-Fakhri fil Adaabis-sultania-wad-duwalil Islamia, published in Egypt.

"Many people turned towards Nahjul Balagha which comprises the utterances of Ali bin Abi Talib because this is the book from which are learnt wisdom, precepts, oneness of Allah, renunciation and courageousness while its lowest advantageis eloquence and rhetoric.

Allama Mohaddis Mulla Tahir Fitni Gnjrati:too has written Mujmai Biharal Anwar, like Nihaya in expalanation of words appearing

in Traditions and Records and he too has explained the words of Nahjul Balagha recognising it as the compostion of Amirul Momineeen (A.S).

Allama Ahmad Bin Mansur Kazrooni: writes in his book Miftahul Futooh under the account of Amir-ul-Momineen (A.S):.

"Whoever casts a careful glance over his words, letters, speeches and writings will find that his knowledge was not like that of others nor his distinctions, of the type of distinctions of others after the Prophet (S.A).(that is, they were far higher), and among them is the book Nahjul Balagha." (This implies that the writer bore this fact in mind that Ali's utterances were in existence in abundance beside Nahjul Balagha and that this book is only a part of that collection).

"And by Allah before his eloquence the eloquence of all the eloquent, rhetoric's of all the rhetoricians and wisdom of the sages of the world become paralyzed and thwarted."

Herein just as **Allama Mohammad Abdoh** has definitely acknowledged it as the word of Amirul Momineen he has also admitted the truth of its subject matter and veracity of its contents. He says that the subjects of this book are a success of the truth, defeat of the untruth, death of doubts and misgivings and destruction of superstitions and evil thoughts and that from beginning to end they bear for the human race sound instructions in spiritualism, purification, majesty and perfection.

The main object to write this thesis is to remember the human beings the life style, presented by the Ambia e Ikram wa Aaemma e Tahireen, A.S. as a role model for an Islamic society , which is usually being overlooked by us, which is ultimately effecting on our daily lives very inversely. The society is collapsed, when it moves, ignoring it natural prerequisites and leaving their forefather's & religious path. Whereas, Islam is the only Religion, which covers all social characteristics in it. The Almighty Allah has sent a number of Holy Prophet and Aolia e Ikrams to make the nation honest, truthful, sincere and optimistic for passing their lives in the best society. As the Allah has said in Sura'A'araaf:

Verse no:96

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔

Translation: If a people of a towns had but beloved and feared Allah, we should indeed have opened out to them (kinds of) blessings from

heaven and earth
The Ummat e Muhammadia was created by the Last Prophet of the Allah in Madina, where rights of every one were guaranteed by the Religion.Where no Arab was upper than a non-Arab , no rich was upper than a poor, no woman could be victim, even no Muslim was preferred against a non-Muslim.This was due to the Equality & Justice for everyone, imposed by the Prophet and continued & adopted by Hazrat Ali by its true spirit, which is a symbol for a successful nation or a society in any era.
I have tried my best to draw attention of my nation towards the real justice system duly created by the Last Prophet Hazrat Muhammad (P.B.U.H) and adopted by Hazrat Ali, A.S. in my thesis, which I have searched out in the Nahjul Balagha.
My thesis consists on following 5 Chapters.

1. Chapter1

Realization/ Identification of the Creator of the Universe (Allah):

In this chapter we have discussed about oneness of Allah, existence of Allah etc. Further, with the help of different verses of the Holy Quran, Hadiths & the first sermon of Nehjul Balagha, we have made efforts to recognize & realize the Creator of the Universe as Allah. Moreover the advantages of such realization are also described therein.

2. Chapter 2

Classification of the creatures:

With the references of different sermons, letters and sayings of Hazrat Ali A.S. available in Nahjul Balagha, the objective of the life of the human being on the earth is also illustrated in this chapter. We have included therein the nature and position of the human beings and proved him as the most superior among all the creatures in the worlds. It is when, the individuals realize their activities themselves and chose the best path of the way, as pointed out by the Prophets and the Masoomeen for them.

3. Chapter 3

Guidance Institutions / groups in Society:

A person should not live without a society. A man observe, learn and adopt a noticeable number of things, he got in the society, which ultimately effect on his life style. In this part of the thesis, we have mentioned such sermons,

letters & sayings of Hazrat Ali, referring them we discussed about the different formal & informa l institutions, available in a society, which are responsible for the quidance of the guidance of the individuals to create the best society.

4. Chapter 4

Duties of Prophet & Aaimma-e-Masomeen:

A man is always in need of teaching to learn the way for passing his life. Allah had already arranged a number of Prophets and after them Aaemma e Masoomeen A.S. for proper guidance of His loving people according to the Holy Quran, besides applying justice in the Society.

We have also referred here the activities duties of the Prophets, as described in the Holy Quran, Morever, different partial sermons relating to the activities and qualities of the Last Holy Prophet,Hazrat Muhammad (P.B.U.H) have also be included in this chapter, reviewing which the reader can easily imagine the status of Hazrat Muhammad (P.B.U.H) among all the Prophets.

5. Chapter 5

Best values & Qualities in Nahjul Balagha:

Here we have summarized the thesis wherein we have tried to obtain a result by collecting the higher values of a society. The most important and at the top most qualities of a person are the knowledge & the wisdom, which have always been admired by Hazrat Ali A.S. besides having all the best qualities, such as Braveness either Worshiper,........etc.

It is the wisdom , which protect the society from all evils including clashes, whereas knowledge creates the wisdom to spend his life in a society successfully .

Actually the illiteracy leads a man to the dark, whereas wisdom educates the man how he can make a peaceful society by adopting the best values and qualities.

S.Sajjad Haider
Research Scholar
Usooluddin Department
University of Karachi.
April 2013